دربار نمبر

حقوق محفوظ

مخزن

ایڈیٹر شیخ عبدالقادر بی اے



اردو علم ادب کی دلچسپیوں کا ماہوار مجموعہ

... کروڑ ہندوستانی اردو بولتے ہیں اور اسی قدر اور ہندوستانی اردو سمجھتے ہیں۔

○ ان شہروں میں ... ● ان شہروں میں اردو مروج ہے ● ان شہروں میں اردو سمجھی جاتی ہے۔

... الیکٹرک پریس ... منشی فضل الٰہی پبلشر نے شائع کیا

قیمت سالانہ ... فی پرچہ ...

چھپکر تیار ہے

صبحِ زندگی

٨٧

شائقین کو مژدہ ہو کہ یہ کتاب جس کا انہیں ایک عرصے سے انتظار تھا اور جس کی فرمائشیں دفتر
مخزن میں چھپنے سے بہت پیشتر ہی موصول ہو چکی ہیں۔ اب شائع ہو گئی ہے۔ یہ
کتاب نہایت خوش قلم دو قسم کے کاغذ پر چھپی ہے۔ قسم اوّل کے کاغذ کی چونکہ مانگ زیادہ
ہے۔ اس لئے قسم اول کی کتابیں جلد منگوانی چاہئیں۔ یہ کتاب دو سو چھتیس (٢٣٦)
صفحہ کی ہے۔ اور اسمیں ایک لڑکی کے چار برس کی عمر سے لیکر شادی کے وقت تک
کے وہ تمام حالات جو تربیت سے متعلق ہیں۔ قصہ کے پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں اور
اس طرح کنواری لڑکیوں کو جس جس عمر میں جن جن باتوں کے معلوم ہونے کی ضرورت ہے
نہایت خوبی سے بتائی گئی ہیں۔ مذہب کی وقعت۔ خدا کی عظمت۔ گفتار۔ کردار
اطوار و عادات کے متعلق طرز بیان ایسا موثر ہے کہ ضرور دلنشین ہو۔ امورِ خانہ داری
کی تفصیل میں انتظام صفائی ستھرائی کے علاوہ سینے پرونے۔ چھاپنے۔ کاڑھنے کی
بہت سی باتیں تصریح سے لکھی گئی ہیں۔ سینے اور کاڑھنے کی ترکیب کے ساتھ نمونے بھی دئیے
گئے ہیں! عورتوں کی زندگی پر اُستانی کا وعظ اس کتاب کی روح و روان ہے!
وداع کا سماں۔ پھوپھی کا بھتیجی کو رخصت کرنا اور آخری نصیحتیں دیکھنے سے تعلق رکھتی
ہیں! زبان کے متعلق بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ کتاب ایک مستند اہلِ
زبان یعنی منازل السائرہ کے مشہور مصنف مولوی محمد عبد الراشد الخیری کی تازہ ترین تصنیف
ہے۔ باعتبارِ واقعات یہ دعویٰ ہے کہ اس سے بہتر اتالیقی کتاب زمانہ لٹریچر میں موجود
نہیں۔ **قیمت** قسم اول (عہ) قسم دوم (۱۲) علاوہ محصولڈاک۔

درخواستیں بنام مینیجر مخزن۔ لاہور آنی چاہئیں

مخزن

دہلی میں دربارِ شہنشاہی

خاکِ پاکِ دہلی نے جسے مولینا حالی نے بجا طور پر "تختگاہِ شاہان" کے نام سے مخاطب کیا ہے۔ یُوں تو بیشمار دربار اور جشن دیکھے ہیں۔ مگر یہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے پہلے کوئی جشن ایسا نہیں ہوا۔ جو اُن تمام خصوصیات سے بھرا ہو جو ۱۲۔ دسمبر ۱۹۱۱ء کے روزِ مبارک کے حصہ میں آئیں۔ عجب نہیں کہ یہ پُرمعنی جشن تاریخِ عالم میں یادگار رہ جائے۔ لیکن کم از کم تاریخِ ہندوستان کے اوراق میں تو یہ دربار اور اس کے متعلق خوشی کے جلسے جب تک ہندوستان اور تاریخِ ہند قائم رہینگے۔ حروفِ زرّین میں چمکتے رہیں گے۔

اس مضمون سے میرا مقصد دربار کی شان و شوکت اور دہلی کی زیب و زینت۔ جلوس کے اہتمام اور خیموں ڈیروں کے اِنتظام کا نقشہ کھینچنے کا نہیں۔ اوّل تو اخبار بین حضرات اِن حالات کی تفصیل اخبارات میں روز دیکھتے رہے ہونگے۔ اور بہت سی خوش قسمت

لوگوں نے یہ دلفریب نظارے دہلی جاکر اپنی آنکھوں سے دیکھے ہونگے۔ دُوسرے اس دربار اور جشن کا مرقع کھینچنے کے لئے کم از کم مولینا آزاد مرحوم کا قلم جادو رقم درکار ہے۔ کاش وُہ آج زندہ ہوتے اور اپنے وطن مالوف دہلی کے اُجڑے ہُوئے گلشن میں پھر بہار آئی ہُوئی دیکھ کر خوش ہوتے اور اپنے دلاویز طرز بیان سے صفحۂ کاغذ پر گلکاری کرتے مگر پُرانی دہلی کے ساتھ دہلی کے دلدادہ سپوت بھی یکے بعد دیگرے رخصت ہو چکے ہیں۔ اور جو باقیماندہ ہیں (خُدا انہیں تادیر قائم رکھے) وُہ پا در رکاب بیٹھے ہیں۔ اور اس تازہ بہار کے دیکھنے والے بیشتر وُہ لوگ ہیں جنہیں دہلی سے زیادہ خصوصیت نہیں۔ تاہم وہ سب اس رونق اور چہل پہل کو خوش ہیں اور لاکھوں اشخاص جو اس مرتبہ دہلی کی سیر سے شاد ہُوئے ہیں۔ دل سے شہنشاہ جارج پنجم کو دُعا دے رہے ہیں۔ جنکے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے ہندوستان کے قدیم پایۂ تخت کو یہ رونق نصیب ہُوئی۔

آج میرا مقصد فقط اسی قدر ہے کہ بعض اُن خصوصیات کا ذکر کروں جو اس دربار کو سابقہ درباروں سے ممتاز کرتی ہیں۔ اور جن کے لحاظ سے وُہ دربار جو ۱۲۔ دسمبر کو بخیر وخوبی انجام ہُوا۔ بالکل بےمثال و بےنظیر ہے۔

سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ دُنیا بھر کی تاریخ میں آج سے پہلے ایسی عالمگیر سلطنت کی مثال موجود نہیں جس سلطنت کا تاجدار مع اپنی ملکہ والاتبار کے اس مہینے میں مملکتِ ہند میں جلوہ افروز رہا۔ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے کہ اسے اس کی وسعت کے لحاظ سے برِاعظم کہیں تو روا ہے۔ اور اکثر کہا جاتا ہے کہ روس کو چھوڑ کر باقی سارا یورپ اس میں سما سکتا ہے۔ مگر اس وسعت پر شہنشاہ جارج پنجم کے ممالک محروسہ کا وُہ ایک حصّہ ہے۔ اور اس کے علاوہ دُنیا کے ہر برِاعظم کے

نقشہ پر بڑے بڑے قطعے برطانیہ کے رنگ سے رنگے ہوئے نظر آتے ہیں اور اُن سب پر انگلستان کا علم "یونین جیک" لہرا رہا ہے۔ یونین جیک اسوقت لفظاً و معناً اتفاق و اتحاد کا پھریرا۔ امن و آزادی کا جھنڈا اور فتح و نصرت کا نشان ہے۔ جہاں کہیں یہ پہنچا ہے۔ امن و آزادی کی برکتیں صنعت و تجارت۔ اور ترقی دولت کی صورت میں اس کے ساتھ ساتھ جاتی ہیں۔ جنگل سرسبز اور ویرانے از سرِ نو آباد ہوتے ہیں۔ اور لوگ خوشحال ہو کر تاجِ برطانیہ کے منت پذیر اور شکر گذار بن جاتے ہیں۔ عروج و اقبال کی انتہا ہے کہ یورپ کے اس چھوٹے سے جزیرے میں بیٹھے ہوئے جسے انگلستان کہتے ہیں۔ وہاں کا فرمانروا اور اس کے وزرا اطرافِ عالم پر حکومت کریں۔ اور سات سمندر پار اُن کا سکہ اسی سہولت سے رواں ہو جیسا کہ خود پایۂ تخت لندن میں۔ اور یہ انتہائی اقبال خدائے لایزال نے اسوقت برطانیہ اور شاہِ برطانیہ قیصرِ ہند کو عطا کیا ہے۔ اور یہ وہ اقبال ہے جو اس مبارک سال میں بہ نفسِ نفیس ہند اور اہلِ ہند کے سروں پر سایہ فگن ہوا۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ جہانتک تاریخ سے پتا چلتا ہے۔ شاید یہ پہلا موقعہ ہے کہ کسی تاجدار نے ایک مُلک سے دوسرے مُلک میں آکر جس میں بحر و بر کے ہزاروں میل حائل ہوں۔ اس جاہ و حشم کے ساتھ جشنِ تاج پوشی منایا ہو۔ اور کم از کم یہ تو مسلّم ہے کہ تاریخِ انگلستان میں یہ واقعہ اپنی قسم کا پہلا واقعہ ہے اور ہندوستان کی تاریخ بھی باوجود اپنی گوناگونی کے اس قسم کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ شہنشاہ جارج پنجم کا یہ خاص احسان رعایائے ہند کو کبھی نہ بھولے گا۔ کہ اُنھوں نے اور ملکہ معظّمہ نے ایسے دُور و دراز سفر کی تکلیف صرف اس لئے برداشت فرمائی کہ اہلِ انگلستان کو اور دیگر ممالکِ محروسۂ برطانیہ کے اہالی کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان کی نگاہ میں مملکتِ ہند خاص وقعت رکھتی ہے۔ اور وہ اسے اپنے عظیم الشان ورثہ کا

جو انہیں اپنی نیکدل دادی ملکہ وکٹوریہ آنجہانی اور اپنے والد بزرگوار شہنشاہ اڈورڈ ہفتم سے ملا ہے۔ ایک اعلیٰ جزو سمجھتے ہیں۔ اِس الطافِ شاہانہ سے یہ اُمید پیدا ہوتی ہے کہ وزرائے سلطنت شہنشاہ کی طرف سے یہ اشارہ پاکر اُمورِ ہند کو محض ایک ضمیمہ امورِ سلطنت کا نہ سمجھیں گے۔ بلکہ ایسی توجہ کرینگے جو اس کی اہمیت کے شایانِ شان ہے۔ خاص کر یہ توقع بیجا نہیں کہ اس موقعہ پر وزرا میں سے جناب وزیرِ ہند بہادر کا ہمرکاب ہونا غالباً ہندوستان کے لئے نہایت منفعت کا باعث ہوگا۔ اور ذاتی تجربے اور مشاہدے کے جو خزانے وُہ یہاں سے اِن چند دنوں میں بھی اپنے ساتھ لیجائینگے۔ وُہ آئندہ نظم ونسق سلطنتِ ہند میں اُنکے بہت کام آئینگے۔

تیسری خصوصیت جو قابلِ ذکر ہے وُہ یہ ہے کہ شہنشاہ کے سفر وحضر میں بیسویں صدی کی تازہ ترین ترقیاں سب کی سب مدد ومعاون ہوئی ہیں اور اُن کے یہاں تشریف لانے کا ہر ایک مرحلہ سائنس کا ایک کرشمہ تھا اور دربار کے سین کا چھوٹے پیمانے پر مُلک کے ہر حصّہ میں دُہرایا جانا اس زمانے کے معجزوں میں سے ایک اعجاز تھا۔ جنگی جہازوں نے سمندر کے سفر میں شاہی جہاز کی پاسبانی کی۔ اور بے تار تار برقی نے جہاز پر خبر رسانی کی۔ جو اچنبھے آج کل سائنس نے ممکن کر دکھائے ہیں۔ کسی زمانے میں معجزے سمجھے جاتے۔ جہاز سمندر میں جا رہا ہے۔ جہانتک نظر جاتی ہے۔ سوائے پانی اور حدنگاہ کے کچھ نظر نہیں آتا۔ شاہِ عالم پناہ جہاز پر سوار جا رہے ہیں اور خبر آتی ہے کہ "انگلستان میں حضور کے اقبال سے ہر طرح خیر وعافیت ہے"۔ یہ اس زمانہ کا اعجاز نہیں تو کیا ہے۔ راہ میں جو اظہار دبدبہ برطانیہ کے اثر کا جابجا ہوا ہے وُہ بھی غیر معمولی ہے۔ اٹلی اور ٹرکی کی لڑائی جہاں ہو رہی ہے اس راہ سے شہنشاہ

جارج پنجم کی بحری سواری گزری ہے۔ مگر اللہ رے اثر۔ کہ اہل اٹلی نے چندروز اپنے جنگی جہازوں کی حرکت موقعہ حرب کی طرف ملتوی کر دی کہ شاہ جمجاہ کی سواری امن و آسائش سے گذر جائے۔ اٹلی اور ٹرکی آپس میں حریف ہیں مگر برطانیہ کی صلح پسندی اور حکمت دیکھئے۔ کہ برطانیہ کے دونوں دوست ہیں۔ سلطان المعظم کا سب سے بڑا شہزادہ ٹرکی کی جانب سے تحفۂ سلام و پیام لیکر شہنشاہ جارج پنجم سے مصر کے قریب ملتا ہے اور اس تقریب سعید پر سلطان المعظم اور نیز اپنے ملک کی طرف سے شہنشاہ کو مبارکباد دیتا ہے۔ یہ خیر مقدم جو جابجا چلا آیا ہے۔ بمبئی آکر اس کی حد ہو جاتی ہے۔ جس سرگرمی۔ جس جوش اور جس خلوص کے ساتھ رعایائے ہند نے بمبئی میں بہ سرکردگی حضور وائسرائے و گورنر جنرل کشور ہند اپنے بادشاہ اور ملکہ معظمہ کو خوش آمدید کہا ہے۔ اس کی خوشگوار یاد امید ہے کہ خود قیصر ہند و قیصرۂ ہند کے دلوں پر گہرا نقش چھوڑیگی اور پھر دہلی میں تو رعایا کی وفاداری کا جوش اور ریاستہائے ہند کے والیان ریاست کی صداقت اپنے انتہائی نقطہ پر پہنچ گئی۔ دہلی دربار کے موقعہ پر ہر شہر اور ہر قریہ میں جو جلسے ہوئے۔ اُن سے نہ صرف یہ ثابت ہوا کہ انتظام برطانیہ کا تار و پود مکمل ہے اور اس میں کہیں ایک تار بھی ٹوٹا ہوا نہیں۔ بلکہ یہ بھی واضح ہو گیا۔ کہ ملک کے ہر حصے میں اور رعایا کے ہر طبقے میں گہرا جوش محبت اور ارادت کا تاج برطانیہ و خاندان شاہی کے ساتھ ہے۔ جو صرف ایسے موقعہ کا منتظر تھا۔ ۱۲۔ دسمبر کی رات کے چراغاں نے تمام قلمرو ہند کو بقعۂ نور بنا دیا تھا۔ اور لوگوں نے اس قدر خوشی منائی کہ کسی کا یہ قول بالکل درست

معلوم ہوتا ہے کہ دن کو عید کا اور رات کو دیوالی کا سماں تھا۔ فقط اس تشبیہ میں یہ کمی رہ گئی۔ کہ عید کے دن فقط مسلمانوں میں چہل پہل ہوتی ہے۔ مگر اس عام عید کے دن ہندو مسلمان عیسائی سب یکساں اور یکجا خوشیاں منا رہے تھے۔ اور دیوالی کی رات کو صرف ہندو چراغاں کرتے ہیں اور ۱۲۔ دسمبر کی رات کو ہندو مسلمان عیسائی سب اپنے اپنے گھروں کو سجا کر منور کر رہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خوشی کے کئی تیوہار ایک تیوہار کے اندر جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اور جوشِ وفاداری کا سارے ملک میں ایک سیل اُمڈ آیا ہے۔ جس کی لہریں اُمید ہے کہ بغاوت و فساد کے خس و خاشاک کو بہالے جائینگی اور ملک کو فتنہ سے پاک کر دیں گی۔ اگر اس عالیشان دربار سے یہ نتیجہ مترتب ہوا۔ تو جو تکلیف ہمارے شہنشاہ نے فرمائی ہے اور جو مصارفِ کثیر اس تقریب پر ہوئے ہیں۔ سب کا صلہ مل جائے گا۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ اور خدا شہنشاہ جارج پنجم اور اُنکی ملکہ معظمہ کو بایں ہمہ الطاف و کرم تا دیر سلامت رکھے +

ایڈیٹر

شہنشاہ اور مسلمان رعایا

ہر چند کہ جشنِ دربار تاجپوشی کی خوشی میں ہر قوم گرمجوشی سے شریک ہے مگر مسلمان رعایائے ہند کو جو خاص تعلقات تاجِ برطانیہ اور خاندانِ شاہی کے ساتھ ہیں۔ اُن کی بنا پر اگر وُہ اوروں سے کسی قدر زیادہ گرمجوشی دکھائیں تو وُہ حق بجانب ہیں۔ حقیقت یہ ہی کہ اُن کے ذمہ شکر واجب بھی زیادہ ہی۔ اُنکی حالت اس وقت ملک میں بلحاظ تعداد و دولت نسبتاً کمزور ہی۔ اور وُہ بغیر گورنمنٹ کی خاص توجہ اور مہربانی کے ترقی نہیں کر سکتے۔ گذشتہ رُبع صدی میں گورنمنٹ کی طرف سے کئی طرح کی توجہات اُن کے حال پر ہوتی رہیں۔ جن کی بدولت اُنہوں نے تعلیم میں اور اثر و اقتدار میں بہت سی کمی پوری کی اور بہت سی کھوئی ہوئی چیزیں پھر پائیں۔ گورنمنٹ نے اُن کی امتیازی ہستی کی اہمیت کو تسلیم کرکے اُن کی حوصلہ افزائی فرمائی اور اُن کے حقوق کا اعتراف کیا۔ یہ سب اُمور اُن کے دلی تشکر کے مستحق ہیں۔ اُن کے علاوہ یہ بات ظاہر ہے اور بارہا کہی جا چکی ہے۔ لیکن پھر دُہرائے جانے سے اسکی خوبی اور دلچسپی میں کچھ کمی نہیں آسکتی کہ دُنیا بھر میں سب سے زیادہ تعداد مسلمانوں کی تاجِ برطانیہ کے زیرِ سایہ امن و آرام سے زندگی بسر کر رہی ہے۔ اور یہ خاص تعلق مسلمانوں اور انگریزوں کے اغراض کو ایک دوسرے سے ایسا وابستہ کرتا ہے کہ ایک کی بھلائی

دُوسرے کی بھلائی سے مربُوط اور اُس پر منحصر ہو جاتی ہے۔ وقتاً فوقتاً گورنمنٹ انگریزی نے مُسلمانوں کے مذہبی خیالات کا لحاظ اس خوبی سے کیا ہے کہ مُسلمانوں کے دلوں کو اس سے تسخیر کر لیا ہے۔ اور یہ خاندانِ شاہی جس کے رُکن رکین اس وقت شہنشاہ جارج پنجم قیصرِ ہند ہیں۔ اس قسم کی تسخیر میں ہمیشہ مشہور رہا ہے۔ چنانچہ مسلمان نہایت ہی صداقت سے اس ادا کے قائل ہیں کہ اس دربار کی تقریب پر بھی شہنشاہی پروگرام اور دربار کی تاریخیں اس لئے بدل کر پہلے کر دی گئیں۔ کہ اگر بڑے دنوں کی تعطیلوں میں دربار ہوگا تو ماہِ محرّم کا اور مُسلمانوں کے ایک کثیر حصہ میں شہیدانِ کربلا کی عزاداری کا آغاز ہو جائے گا۔ اِس تغیرِ تاریخ سے جو کچھ ہرج ہوا یا جو سہولتیں بڑے دنوں میں ممکن تھیں وہ چھوڑنی پڑیں۔ جو تعطیل دربار کے لئے خاص دینی پڑی۔ ان سب کا احسان مسلمانوں پر ہے اور وُہ دل سے اس عنایت اور توجہ کے معترف ہیں۔ اتفاقاتِ حسنہ کو دیکھئے کہ جو جہاز شہنشاہ کی سواری کے لئے انتخاب ہوا۔ اس کا نام وُہ نام ہے جو مسلمانوں کو دل سے عزیز ہے۔ یعنی مدینہ۔ اور جس دن شہنشاہ نے سرزمینِ ہندوستان پر قدم رکھا وہ عید کا دن ہوا۔ یہ علامات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مشیّت ایزدی شہنشاہِ برطانیہ اور اُنکی مسلمان رعایا کے باہمی رشتہ کو مضبُوط کر رہی ہے اور بہتر بھی یہی ہے کہ یہ رشتہ روز بروز مضبُوط ہوتا چلا جائے۔ کیونکہ اسکی مضبوطی میں دونوں طرف کا نفع ہے۔

عبد القادر

مدینۃ السعادہ

ذیل کا مضمون ۱۹۱۱ء کے ایک جلسہ میں "انجمن بزم اُردو" لاہور کا عام جلسہ تھا پڑھا گیا۔ چونکہ یہ ایک دلچسپ اخلاقی مضمون ہے۔ لہٰذا اس کو ناظرین مخزن کی نذر کرنا مناسب ہوگا (ایڈیٹر)

دن بھر دفتر کے کام اور رات کو بعض کتابوں کے مطالعہ سے تھکا ہوا دماغ آخر بارہ بجے آرام پر راغب ہوا۔ تکان نے بستر پر لیٹتے ہی مدہوش بنا دیا۔ نیند آئی یا نہیں؛ میں اس کی بابت کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہاں یہ جانتا ہوں کہ میں اس عالم سے باہر کسی اور جہان میں پہنچ گیا تھا۔

خبر نہیں خواب تھا۔ یا بیداری تھی۔ کیونکہ مجھ پر اس وقت عجیب کیفیت طاری تھی۔ کوسوں کیا منزلوں تک کفِ دست چٹیل میدان تھا۔ اور میں اس میں رواں تھا۔ آدمی تو کیا چرند و پرند بلکہ درخت اور گھاس تک کا کسی طرف نام و نشان بھی نہ تھا۔ بس یہ حالت تھی ؎

پتے کو پتا نہ تھا شجر کا

سنسان تھا نام جانور کا

ریگستان کی ریت ہوا کے جھونکوں سے اُڑ اُڑ کر یوں لہرا رہی تھی کہ گویا

بحرِ محیط کی شفاف اور ہموار سطح تموّج کے سبب درہم و برہم ہوگئی ہے۔ یا کسی صبیح دشمن برمحبوب کی چین آلود پیشانی ہے جو دلدادگانِ و طالب کو اُس دلربا کے جوش غضب سے ڈرا رہی ہے۔

مگر ایسے سنسان بیابان اور ہُو کے میدان میں جہاں طائرِ اندیشہ بھی پر مارنے کی جرأت نہ کر سکے، اور سمندِ خیال وہاں پہنچکر تمام تیزیاں اور طرّاریاں بھول جائے۔ اگر کوئی بات مجھ وحشت زدہ کی تسکینِ خاطر کا سبب تھی تو وُہ یہ تھی کہ خدا کی مہربانی سے جلجلاتی ہُوئی دوپہر کی دھوپ نہ تھی۔ بلکہ شام کا سہانا وقت تھا اور خوف غروب سے زرد شدہ سورج۔ نہاں خانۂ مغرب میں روپوش ہونے کے لئے جلد جلد نیچے اُتر رہا تھا۔ اس کی پیلی پیلی کرنیں اپنا آخری لُطف خیز سُنہرا نور ریت کے ذرّوں پر جگمگاہٹ طاری کرنے کی صورت میں نمایاں کر رہی تھیں۔ اِس تمام میدان میں آدمی تو کیا اُس کا یا کسی دُوسری چیز کا سایہ بھی بجز میرے اپنے سایہ کے نہ نظر آتا تھا۔ اور وُہ بھی یُوں کہ نقاشِ شعاع نے اس کی تصویر کشی کرتے ہُوئے غلطی کھا کر گویا مجھے ابوالبشر آدمؑ سمجھ لیا اور میرا طُول حد سے بڑھا کے مجھے عین مَین ایک لاٹ بنا دیا تھا۔

مَیں شام کا وقت نزدیک پا کر ایک ایسے صحرا میں جس کا نہ اُور تھا نہ چھور، پریشان و حیران مارا مارا چلا جاتا تھا۔ اس کا کچھ پتا نہ تھا کہ کہاں جاؤنگا اور کب منزل کا نشان پاؤنگا۔ کہ اِسی اثنا میں آفتاب اپنے آرامگاہِ مغرب میں جا چھپا اور رات کا سیاہ پردہ اُس کے رُخِ انور پر لٹک پڑا ؎

چاروں اُور اندھیرا چھایا		پنچھی لَوٹ بسیرے آیا
حال کہوں کیا دلِ مضطر کا		دھوبی کا کُتّا گھاٹ نہ گھر کا

منزل کا واں پتا کہاں تھا ۔۔۔ رات اندھیری ہُو کا سماں تھا
لغزشِ پاؤں میں قلبِ طپاں تھا ۔۔۔ سوجھتا کب بتیا کا نشاں تھا
ظلمت وُہ کہ الٰہی توبہ ۔۔۔ توبہ توبہ توبہ توبہ

بس میری وہ حالت تھی کہ "تیتا دُودھ نہ نگلنے کا نہ اُگلنے کا" جاؤں تو کدھر! اور رہُوں تو کہاں؟ میں چشمِ عشاق کا وُہ قطرۂ اشک بنا تھا جسے سوزِ محبت باہر دھکیلے اور حیا آگا روک کر نکلنے سے مانع آئے۔ کچھ سُرت نہ تھی کہ کیا ہُوں اور کیسا؟ پردۂ ظلمات کا رازِ مخفی ہُوں یا گہرے پانی میں تڑپتی ہُوئی مچھلی۔ جسے نہ خود اپنی خبر ہوتی ہے اور نہ کسی اَور کو اس کی۔ کبھی خیال آتا کہ کسی کوئلہ کی تاریک کان میں چل رہا ہُوں۔ ہاتھ بڑھا کر سرنگوں کی دیواریں ٹٹولنے کا قصد کرتا۔ کہ کسی چٹان سے ٹکرا نہ جاؤں۔ مگر وہاں نامتناہی خلار کے سوا کیا تھا۔ بہرحال قدم بڑھ رہا اور ایک بیخودی کا نشہ سا چڑھ رہا تھا اور اُٹھتا گرتا چلا ہی جاتا تھا کہ یکایک تاریکی کا پردہ پاش پاش ہونے لگا۔ نورِ سحر چمکا اور مَیں نے اپنے تئیں ایک سرِفلک پہاڑ کی تلیٹھی میں پایا۔ پہاڑ کیا تھا ایک دیوار تھی جو فضائے آسمان کو بند کر لینے کا دعویٰ کر رہی تھی۔ یا سقفِ آسمان کو ٹیک دیکر زمین پر گرنے سے بچا رہی تھی۔ یا ایک پُر شوکت وہیبت بادشاہ تھا جس نے قرصِ آفتاب کا آتشیں تاج اور اس کی کرنوں کی زریں قبا پہن لی تھی۔

پُوچھئے نہیں کہ اُس وقت میری کیا کیفیت ہُوئی۔ میدانِ بلا کٹا تو اب اس کوہِ فلک شکوہ کی چڑھائی کا مرحلہ پیش آیا۔ پھر پہاڑ بھی کیسا جِس پر چڑھنے کی آرزو سے آسمان پر صعُود کرنے کی تمنّا زیادہ سہل نظر آتی تھی۔ حیران تھا کہ کیا کروں۔ اس پر چڑھوں یا اپنی جگہ ہی پہ کھڑا رہوں۔ ناچار

تن بتقدیر ہو بیٹھا اور نظر دوڑا کر ہر طرف نگراں ہوا۔ پہاڑ کے دامن میں ایک چٹان اپنی بہنوں سے کچھ صاف و شفاف چکنی اور ہموار نظر آئی۔ تکان سر پر سوار تھا۔ اور عضو عضو بے قرار۔ جاکے اس پر پڑ رہا۔ اور بقول کسے ع یہ مثل سچ ہے کہ سُولی پر بھی آجاتی ہے نیند۔ فوراً خواب راحت سے ہم آغوش ہو گیا۔

پلک جھپکنے کی دیر تھی کہ میرا چھپر کھٹ یعنی وہ چٹان ذرا ذرا سرکتی معلوم ہوئی۔ ہلی ڈلی۔ اور پھر بلند ہو کر اُڑن کھٹولا بنگئی۔ میں سمجھا کہ یہ کوئی رُوح ہے اور مجھے ملاء اعلیٰ پر لئے جاتی ہے۔ لیکن آنکھ کھول کر دیکھتا ہوں تو وہ بستر جسے میں چٹان خیال کر رہا تھا۔ ایک پرندہ ہے جس کی ساخت عقاب سے ملتی جلتی ہے۔ تو ڈیل ڈول گنبد نما گول مٹول ہے۔

یہ پرندہ مجھے اپنی پشت پر لئے اُڑتا ہوا پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا اور اس کو عبور کر کے ہوا سے اُترا۔ میں جھٹ پٹ اُس پر سے اُتر کے الگ ہو گیا۔ کیونکہ میری مشکل آسان ہو چکی تھی۔ اور اب اُمید کی دل خوش کُن ٹھنڈک میرے دل کی لگی بجھانے میں اپنا جاں بخش اثر دکھا رہی تھی۔ پہاڑ کی چڑھائی جس پر جانا امکان کے دائرہ سے باہر تھا بلا منتِ غیرے طے اور یہ کٹھن منزل بے ہر گئی تھی۔ میں پہاڑ کی دوسری تلیٹی میں پہنچ گیا تھا اور زندگی کی مسرت اور آبادی کی رونق کا منظر میرے پیش نگاہ تھا۔ دُور سے پانی کی روانی دکھاتی ہوئی جدولوں کے کنارے سبزہ نضارت افزائے نظر کی تحریریں نمایاں ہو رہی تھیں۔ اُن کے بیچ بیچ میں پست و بلند مکانات اور عالیشان سر بفلک محلوں کا جلوہ نظر آکر میرے دل کو مسرور اور میری تکان کو دُور بنا رہا تھا۔ آبادی کی شکل کیا نظر آئی کہ دل بے اختیار ہو کر اسی طرف

کھینچ چلا۔ جسم میں تازہ جان آگئی۔ قدم بڑھا۔ اور دوڑتا ہوا اس کی طرف چل نکلا۔ تھوڑی دیر میں ایک مزرعہ کے اندر پہنچ گیا۔ اس کے وسط میں ایک عمارت تھی اور اس کے دروازہ پر ایک بزرگ سن رسیدہ آدمی کھڑا تھا۔ اس بزرگ کی صورت و شباہت کے متعلق غالباً صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہوگا کہ وہ ہمارے زمانہ کے اوہام پرست منجمین کے نو تحقیقات باشندگان مریخ کا ہمشکل تھا۔ وہ میری شکل دیکھ کر ایسا گھبرایا جیسے انسان جن کو دیکھ کر بوکھلا جاتا ہے۔ اور میرے دل میں اس کی ہیبت نے اس سے بھی زیادہ گھر کیا۔ لیکن عجائبات کی دید سے مانوس اور غرائباتِ عالم کے نظارہ سے مالوف ہونے کے باعث میں بہت جلد سنبھل گیا اور اس کی طرف بڑھا۔ اس کے علاوہ گویا قدرۃً اس کی عجیب و غریب زبان بھی الہامی طریقہ سے مجھ کو معلوم ہوگئی اور میں نے اسی بولی میں اپنے انوکھے ملاقاتی سے بات کی۔ اُس نے کہا:۔

"میں تو سمجھتا تھا کہ میرے اس شہر کے سوا دُنیا میں کوئی شہر ہی نہیں اور نہ ہمارے علاوہ کوئی اور انسان ہے"۔

پھر مجھے اپنے گھر میں لیجا کر بال بچوں سے ملایا۔ خوش ذائقہ کھانا کھلایا آرام کے لئے نرم نرم بستر بچھا دیا۔ اب پھر شام ہوگئی تھی اور یہ میرے سفر کی دُوسری شب تھی۔ پہلی رات جس تکلیف و مصیبت سے کاٹی تھی اُس کا حال اوپر بیان ہو چکا ہے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ یہ دُوسری رات آرام و اطمینان کے خوابِ شیریں میں بسر ہوئی اور میں آرام سے سویا اور کوئی خوف و خطر پاس نہ پھٹکا۔

پردہ پوش عاشقاں کا دَورہ ختم ہوا۔ میں بھی شاہِ خاور کے ساتھ ہی بستر سے برآمد اور اپنے پاک سیرت و بزرگ میزبان خاندان کی نماز اور دُعا خوانی کی صدا سُنکر بیدار ہوا۔

وُہ خشوع و خضوع کے ساتھ دُعا و مناجات میں مصروف تھے۔ سب ایک صف میں استادہ تھے۔ پاکیزہ دُعائیں پڑھتے جاتے تھے۔ اپنے مصائب دفع، تکلیں آسان اور حالت درست ہونے کی دُعا مانگتے تھے اور خداوند کریم سے اس کی امداد و اعانت کے طلبگار تھے۔ یہ منظر میرے دل پر بیحد موثر ہوا۔ مَیں دل کے تقاضا سے مجبور ہو کر ان کی طرف جذب اور اُنکی صف میں شامل ہوگیا اور خود بھی اُنہیں کی طرح دُعا و ثنا اور عاجزی و زاری میں مشغول۔

مجھے سخت حیرت تھی کہ اس شہر میں نہ کوئی رسُول خدائے پاک کا پیغام ہدایت لایا۔ نہ کوئی آسمانی کتاب اُتری۔ مگر یہاں کے آدمی ایسا صادق اور خالص ایمان رکھتے ہیں کہ دیدہ ہے نہ شنیدہ۔ نماز و نیاز سے فراغت ہوتے ہی مَیں نے گھر کے مالک اور خاندان کے سردار سے دریافت کیا:-

"آپ کس کی عبادت کرتے اور کس سے دُعا مانگتے ہیں؟"

"اس کائنات کے خالق اور اس کے مُدبّر کی"۔ میرے معزز میزبان نے فرمایا اور مجھ سے اور اُس سے یہ مکالمہ ہوا:-

مَیں:- "کیا تم نے اس خالق کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر پہچانا ہے"؟

میزبان:- "بیشک! ہم نے اس کا جلوہ۔ اس کی قدرت کے آثار اور مصنوعات میں دیکھا ہے۔ وُہ ہم کو آسمان اور پانی میں نظر آیا ہے۔ گردش کرنے والے فلک اور چلنے والے تارے اس کے مظہر ہیں۔ حیوانات کے پیٹ میں پیدا ہونے والے بچے، اور نباتات کے بیجوں کا نشو و نما اُس کا جلوہ گاہ ہے۔ ہم نے پروردگار برحق اور خالق مطلق کی ذات پاک کا مشاہدہ خود اپنی ذات، رُوح اور عقل کے آئینہ میں کیا ہے"۔

میں۔ "مگر عبادت کرنے کی وجہ۔"

میزبان۔ "اُس کی نعمتوں کی شکرگذاری۔ کہ اُس نے ہم کو پیدا کیا۔ اور پھر رزق پہنچایا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی دُوسرے کی کچھ بھی مدد کرتا ہے تو دوسرا اس کا شکریہ ادا کرنے میں سرگرم ہوتا ہے۔ ایک لقمہ غذا۔ اور ایک گھونٹ پانی کے لئے بہت بہت شکر کرتا ہے۔ جب معمُولی سے احسان کا یہ بدلہ ہو تو محسنوں کے محسن اور منعموں کے صاحبِ توفیق بنانے والے کا شکر نہ ادا کرنا کیسی ناقابلِ عفو خطا اور کس قدر موجبِ شرم قصور ہے"۔

مَیں۔ (اپنے دل میں) یہ شخص صدّیق اور مخلص کا مرتبہ رکھتا ہے۔ یہ اُن لوگوں میں سے ہے جو بلا اُمیدِ ثواب اور بغیر خوفِ عذاب کے محض شوق سے قادرِ مطلق کی بندگی کرتے ہیں۔

(میزبان سے مخاطب ہوکر) "آپ مَوت کے بعد کہاں جانے والے ہیں؟"

میزبان۔ "دائمی نعمت۔ یا المناک ہمیشہ کے عذاب میں"۔

مَیں۔ "کیا آپ کی مُراد جنّت اور دوزخ ہے"؟

میزبان۔ "مَیں آپ کی یہ بات کچھ بھی نہیں سمجھتا۔ ہاں اِتنا جانتا ہُوں کہ حکیم خدا نیکوکار کو اس کے اعمالِ نیک کا اچھا بدلہ ضرور دیگا اور بدکار کو نیکوکار کے برابر بنا دینا اس کے عدل کو پسند نہیں ہوسکتا"۔

مَیں۔ "نیکوکار کون ہے اور وُہ کب نیکوکار ہوتا ہے۔ اور بدکار کو بدکار کیوں کہتے ہیں؟

میزبان۔ "نیکوکاری نفع پہنچانے۔ اچھا کام کرنے اور بنی نوع کے حقوق اور اپنے فرائض ادا کرنے کا نام ہے۔ اور بدکاری شرارت اور ضرر رسانی کا نام ہے۔ ہم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو کچھ نقصان پہنچاتا یا اس کو تکلیف

سے بچانے میں قصور کرتا ہے وُہی بد اور بدکار ہے"۔

اِس قدر گفتگو کے بعد مَیں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ کاش وُہ عُلما اور مُناظر جو معمولی اعمال کے اختلافی مسائل اور عقائد کی پیچیدہ باریکیوں کے درپَے ہو کر اُن میں اپنا دماغ اور وقت رائگاں کرتے ہیں۔ کہیں اِن سادہ لوح آدمیوں کی طرح اسرارِ دین اور اس کی حکمت سے آگاہ ہوتے تو کیا خوب بات ہوتی۔ کیونکہ گو میرے سادہ دل میزبان گروہ کو جنت و دوزخ کا فرق اور دین و چین کا امتیاز نہیں۔ مگر یہ دین کے اہم اَمر کی کُنجی اور اُس کا گُر اپنے قابو میں رکھتے ہیں۔

اب ہماری گفتگو ختم ہو چکی تھی۔ مَیں نے اپنے میزبان سے خواہش کی کہ ذرا اپنے شہر کی سَیر کرا دیجئے۔ وُہ خوشی سے اُٹھا۔ مجھکو ساتھ لیا اور شہر میں داخل ہوا۔ کیا دیکھتا ہُوں کہ شہر کے راستے اور گلیاں کُشادہ اور خوش ترتیب ہیں۔ مکانات سب ایک دُوسرے سے الگ الگ بنے ہیں۔ ہر ایک گھر کے ساتھ ایک ترو تازہ پُرفضا خانہ باغ ہے۔ جس کے درخت بادِ صَبا کے جھونکوں سے ہل کر جُھوم رہے ہیں۔ اور مُرغانِ نواسنج اپنے چہچہوں سے ارغنون نوازی میں مصروف ہیں۔ شہر کے رہنے والے مرد اور عورت۔ بڑے اور چھوٹے سب کے سب اپنے اپنے کاموں میں مشغول اور جد و جہد کے پیچھے پڑے ہیں۔ اُن میں کسی سائل فقیر کا وجود نہیں اور کوئی کاہل الوجود اُن کے اندر موجود نہیں۔ جسے بیکاری سے سروکار اور انگڑائیاں لینے کا انتظار ہو۔

سب سے بڑھکر عجیب اور متحیر بنا دینے والی بات اس شہر میں یہ نظر آئی کہ یہاں وُہ باہمی امتیازی نام کوئی نہیں جو ہمارے ملک میں بنی نوع بشر

کے اندر پایا جاتا ہے۔ کہ کسی کو خوشحال اور کسی کو بدحال دیکھا جاتا ہے لیکن یہاں سب آدمی ایک ساں حالت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ گھر، سواری، لباس، سامان خانہ داری، اسباب زندگی اور دولتمندی میں سب کا درجہ بالکل برابر ہے۔ کہیں کوئی فرق نہیں۔ یہ کیفیت دیکھکر مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے اپنے عمر رسیدہ میزبان سے سوال کر ہی دیا۔

"کیوں جناب! کیا آپ کے یہاں دولتمند اور فقیر۔ آقا اور ماتحت کا کوئی فرق نہیں"؟

میزبان: "نہیں صاحب! ہم میں سے ہر شخص کو ایک گھر رہنے سہنے کے لئے۔ ایک مختصر کھیت روزی کا ذریعہ حاصل کرنے کے واسطے۔ اور ایک چارپایہ باربرداری کے کام کا بہت ہے۔ اس کے سوا وُہ کچھ غرض نہیں رکھتا۔ اور اسی سبب سے ہم میں آقا اور غلام، یا دولتمند اور فقیر، کوئی نہیں ہوتا"۔

میں: گو یہ عجیب بات ہے مگر امکان سے باہر نہیں۔ لہٰذا اسکو مانے لیتا ہوں لیکن کیا آپ کے شہر میں کوئی بیکار کام نہ کرنے کے قابل اور سست و کاہل آدمی بھی نہیں"؟

میزبان: سست و کاہل آدمی کا ہمارے یہاں نام بھی نہ لیجئے۔ ایسا آدمی ہمارے ساتھ کیونکر رہ سکتا ہے۔ وُہ جانتا ہے کہ ہمیں اُس پر مطلق رحم نہ آئے گا۔ ہم اس کی اس لغزش کو کبھی معاف نہ کرینگے۔ کہ عقل اور قوت کی ایک خداداد نعمتوں کی۔ انہیں کام میں نہ لانے کے ذریعہ سے سخت ناقدری کرتا ہے۔

"باقی رہا ناکارہ اور مجبور۔ ہم اُس کی مدد کرتے اور اس سے اچھی طرح پیش آتے ہیں اور اس برتاؤ کو اپنے لئے کچھ فخر کا سبب نہیں مانتے۔ کیونکہ

ہم اُس کو اپنی اُس قوت کا صرف بہت تھوڑا سا حصہ دیتے ہیں جو خداوند کریم نے ہمیں اپنی عبادت کے لئے مرحمت فرمائی ہے اور ہمارے نزدیک عاجزوں کی دلدہی اور مصیبت زدوں پر مہربانی کرنے سے بڑھکر کوئی عبادت نہیں"۔

ابھی ہمارے مابین یہ بات ہو رہی تھی کہ دُور سے ایک عظیم الشان اور شہر کی دیگر عمارتوں میں ممتاز عمارت نظر آئی۔ یہ عمارت خوبی تعمیر اور خوشنمائی کے سبب اور مکانات پر فائق تھی۔ اس کو دیکھتے ہی میری زبان سے نکلا۔ "کیا مَیں اس وقت بادشاہ کا محل دیکھ رہا ہوں"۔

میزبان۔ "نہیں۔ مگر یہ ایک شریر اور لالچی شخص کا مکان ہے۔ اُس نے ارادہ الٰہی اور حکمت ایزدی کے خلاف خدا کے بندوں کی زمینیں اور ان کے مال کو چھین چھین کر اپنی دولت بڑھانے اور سب کو دبانے کا قصد کیا۔ لہٰذا اُس پر قہار مطلق کا غضب نازل ہوا اور ابھی وُہ عیش و آرام کا کچھ مزہ بھی چکھنے نہ پایا تھا کہ عذاب ایزدی نے اس کی دولت و ثروت کو فنا کر کے اُسے مبتلائے کیفر کردار بنا دیا۔ اور وُہ اپنی بدکرداریوں اور نفس پرستیوں کے بدنتائج کا شکار اور طرح طرح کے موذی امراض میں گرفتار ہو رہا ہے۔ اب نہ یہ محل اُس کو اذیت عقاب سے بچاتا ہے۔ اور نہ روپیہ اُس کے آڑے آتا ہے۔ لوگ اُس کے سقیم حال سے عبرت پکڑتے اور خود ویسی حرکت کے ارتکاب سے بچنے کا سبق لیتے ہیں"۔

میری نظر میں اپنے معزز میزبان کی وقعت اب بہت کچھ بڑھ گئی تھی یعنی اُس کے شریف خیالات اور اعلیٰ اخلاق پہ دل ہی دل میں خوش

ہو رہا تھا۔ اور خیال کرتا تھا کہ ہمارے اعلیٰ اور ادنیٰ ہر قسم کے مدارس جن میں بہت ہی باقاعدہ اخلاقی تعلیم ہوتی ہے اور حکمت و اخلاق کی بڑائی رکھی جاتی ہے۔ ہرگز ایسے آدمی نہیں تیار کرسکتے جو ان عجیب و غریب انسانوں کے اخلاق اور فضائل کا مقابلہ کرسکیں۔ مجھے خواہش پیدا ہوئی کہ اس شہر کے طریقۂ تعلیم کا علم حاصل کروں۔ میں نے اپنے بزرگ دوست سے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ آپ کے یہاں کا کوئی مدرسہ بھی دیکھوں"۔

میزبان۔ (میرے سوال سے حیران ہوکر) "مدرسہ کیا چیز ہے"؟

مَیں۔ (اس کی حیرت سے بھی بڑھ کر "تحیر" بنکر) جناب! مدرسہ ایک مکان ہوتا ہے۔ اس میں چھوٹے بچے پڑھنے اور بڑی عمر کے آدمی ان کو پڑھانے کے لئے جمع ہوا کرتے ہیں"!

میزبان۔ "اور وہ بچے بڑوں سے کیا سیکھتے ہیں"؟

مَیں۔ اپنی حالت سنوارنے کی تدبیریں اور معاش و معاد میں کام آنیوالی باتیں"۔

میزبان۔ "ہمارے اس طرح کے شہر میں ایسے مقام کی کیا حاجت ہے۔ ہم سے بڑھکر بیٹوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور کس کو آتا ہے۔ ہم خود انکو تعلیم دیتے ہیں۔ تہذیبِ نفس اور مفید کاموں کے اصول پر ان کی تربیت کرتے ہیں۔ ہمارے یہاں کے مدرسے۔ دستکاری کے کارخانے اور کھیتی باڑی کے مزرعے ہیں۔ انہی مقامات میں ہم اپنی اولاد کو تعلیم دیتے ہیں کہ تخم پاشی کا کیا طریقہ ہے۔ پھر انکو اُگانے کی کیا ترکیب ہے۔ آلاتِ زراعت کس طرح بنائے اور کیونکر کام میں لائے جاتے ہیں۔ یہیں ہم انکو مکانوں کی تعمیر۔ کپڑوں کا بننا اور سینا۔

غرضکہ سارے ضروری کام سکھا دیتے ہیں۔ اور ہم عمل کے سوا کسی علم کو نہیں جانتے۔ اور کام وُہ جو ہماری زندگی قائم رکھنے میں مددگار اور خدائے پاک کی عبادت کے لئے ہمارے معاون ہو سکتے ہیں"۔

مَیں :۔ "اور کیا آپ کا کوئی حاکم نہیں جو حکومت اور انتظام سلطنت کرتا ہو؟"۔

میزبان :۔ "ہمارا ایک سر پنچ ہے۔ حاکم کوئی نہیں۔ یہ سر پنچ ایسا آدمی ہے کہ ہم اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور اس کی رائے کی پختگی کا تجربہ رکھتے ہیں۔ اُسی کو ہم نے اُن جھگڑوں میں فیصلہ کرنے کے لئے منتخب کر رکھا ہے جو اتفاق سے ہمارے بعض افراد کے مابین غلط فہمی یا اختلاف رائے کے باعث پیدا ہو جاتے ہیں"۔

مَیں ۔ "کیا اُس کی کوئی فوج بھی نہیں جو اُس کی حکومت کو مستحکم بنائے اور اس کے احکام جاری کرے"۔

میزبان :۔ "ہم میں سے ہر شخص اُس کی فوج کا سپاہی اور اس کے محکمہ پولیس کا ملازم ہے۔ جو آدمی اُس سر پنچ سے سرتابی کرتا۔ یا اس کی بات پر معترض بنتا ہے۔ ہم اس کو سزا دیدیتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں اپنے اس سر پنچ پر پُورا بھروسہ ہے۔ اور یہی کافی ہے"۔

مَیں :۔ "کیا اس کا کوئی زندان خانہ بھی نہیں۔ جس میں مجرم قید کئے جاتے ہوں؟"

میزبان :۔ "نہیں۔ ہمارے یہاں اول تو مجرم ہی شاذ و نادر ہوتا ہے۔ اور ہو تو اس کی سزا یہ ہے کہ تمام شہر کے آدمی اُسکو نظروں سے گرا دیتے ہیں۔ اور ہر طرف سے اس کی بے وقعتی ہو جاتی ہے۔ کوئی اسکو خاطر میں نہیں لاتا۔ اُس سے بات تک نہیں کی جاتی۔ اور ہم میں سے ہر شخص بہ نسبت ایسی ذلیل اور شرمناک زندگی کے اس بات کو بہت

زیادہ پسند کرے گا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے یا آسمان اس پر ٹوٹ پڑے۔ اُف! قوم میں زندہ رہنا ہر طرف سے دُر دُر پھٹ پھٹ کی صدا سننا۔ ایسی زندگی سے تو موت ہزار درجہ افضل ہے۔"

ہم اپنی گفتگو اس درجہ تک پہنچا چکے تھے کہ شہر کی سیر سے بھی فراغت ہو گئی اور پھر ہم اسی گھر میں آ گئے جہاں سے سیر کے لئے نکلے تھے۔ گھر کے مکینوں نے خندہ پیشانی اور مرحبا کہتے کے ساتھ ہمارا استقبال کیا۔ اور اپنے بزرگ سردارِ خاندان سے بغلگیر ہوئے۔

سچ تو یہ ہے کہ دُنیا کے تمام شہروں اور دیہات میں مجھے تو ایک گھرانا بھی اس خاندان سے بڑھ کر خوش نصیب بے فکر، مطمئن، اور شاش وبشاش نظر نہیں آیا ہے کہ بھائی باہم اُلفت وصفائی رکھتے ہیں اور میاں بی بی سچی محبت اور یکجہتی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

یہی شہر "مدینۃ السعادۃ" یا خوشحالی کی بستی ہے۔ میں نے اسکو دیکھا تو اس کا ایسا گرویدہ ہوا کہ یہیں کی زندگی بھا گئی اور دل میں ٹھان لی کہ اب اس جگہ کو چھوڑ کر کہیں نہ جاؤنگا۔ مگر "سائیں کے کھیل نیارے" اور اُس کی قدرت کے راز نامعلوم ہیں۔ اگرچہ میرا اس شہر سے نکلنے کا ارادہ نہ تھا لیکن سنتِ الٰہی اور مشیتِ ایزدی بدل نہیں سکتی۔ میرا وہاں رہنا مقدور نہ تھا۔ اور خدا کو یہ منظور نہ تھا۔ رات آئی اور میں اپنے عمر رسیدہ میزبان کے گھر میں بسترِ استراحت پر دراز ہو کر سو گیا۔ میں کیا سویا میرا نصیب سو گیا اور مجھکو دونوں جہان سے کھو گیا۔ آہ۔ کیا کہوں حسرت آتی ہے اور زبان یاری نہیں کرتی۔ دل بیٹھا اور قلم کا سینہ شق ہوا جاتا ہے

مگر نہیں۔ مجھ کو کہنا اور افسوس سے کہنا پڑا ہے کہ اُس خوابِ شیریں سے بیدار ہو کر میں نے اپنے آپ کو خاص اپنے گھر اور بستر میں پڑا پایا۔ نہ وہ میدانِ وحشت و نشان تھا۔ نہ کوہِ فلک شکوہ نہ مزرعہ تھا۔ اور نہ وہ خوش نصیب گروہ۔ مدینۃ السعادۃ کی ہستی خواب و خیال سے زیادہ نہ تھی۔ اور اب اُس کی جگہ بدبختی سے بھری ہوئی زندگی اور سوسائٹی کی مصیبت مجھے پیس ڈالنے کے لئے آمادہ تھی۔ حیف! صد حیف!! میں یہ شعر پڑھتا ہوا بستر سے اُٹھا ؎

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

طبیعت پر غم کا بار حد سے سوا ہوا۔ اور دل گھبرایا۔ تو خیال آیا کہ لاؤ اس دلچسپ خواب کا نصیحت آمیز حال حاضرینِ بزمِ اُردو کا آویزۂ گوش اور ناظرینِ مخزن کا مسرحِ نظر بنا دوں۔ ممکن ہے کہ کوئی سعید دل اس کی منزل پہنچائے۔ اور وہ بھی میری طرح مَدِیْنَۃُ السَّعَادَۃ کا مشتاق ہے۔ کیونکہ اگر بہت سے دل ایسی ہی خواہش سے لبریز ہوں تو ہم اس شقاوت و بدبختی کے دیار کو بھی اُن کی ہمتِ مردانہ کے وسیلہ سے "مدینۃ السعادۃ" کا نمونہ بنا سکتے۔ اور ویسی ہی پُر لطف زندگی کا حظ اُٹھا سکتے ہیں۔

خالقِ ظلمت و نُور۔ اور مقلبُ الامُور کی توفیق کا رفیق ہونا شرط ہے۔ پھر یہ جہل و بداخلاقی کی تاریکی اُس کے ایک لمعۂ فیض کی چمک سے کافور ہو جائیگی اور علم و اخلاق کی ضیا بارِ شمع افرادِ قوم کے کاشانۂ قلوب کو منوّر بنائیگی۔ اور یہی حالت ہمارے "مدینۃ الشقاوت" کو مدینۃ السعادت کی شکل میں بدل دیگی۔

محمد حلیم انصاری۔ ردولوی

روزنامچہ نواب سربلند جنگ بہادر

مارچ لغایت جولائی کے روزنامچہ میں روزانہ لکچروں اور معمولی دوستوں سے ملنے جلنے کا ذکر ہے اُس میں سے چند تاریخوں کا روزنامچہ بطور نمونہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے:-

۱۲ مئی ۱۸۹۸ء | حسب معمول لکچروں میں گیا۔ سہ پہر کو چند دوستوں کے ہمراہ ٹینس کھیلا شروع سے مطلع صاف تھا لیکن بعد ازاں طوفان آگیا۔ چونکہ ہم کافی ورزش کر چکے تھے اسلئے کالج میں واپس آئے۔ جونہی ہم کالج میں داخل ہوئے بڑے زور سے بارش ہونے لگی۔ شام کے کھانیکے بعد ہم شپلی[۱] کے ہمراہ کافی پینے گئے۔

۱۳ مئی ۱۸۹۸ء | حسب معمول کام کیا۔ کڈ[۲] کو ٹینس کھیلنے بلایا۔ ڈنر کے بعد یونین کی مباحثے میں گئے اسپیچیں معمولی درجہ کی تھیں اسلئے دس بجے سے قبل کالج واپس آیا۔ ہندوستان سے ڈاک وصول ہوئی گھر پر سب بخیریت ہیں۔ گرسٹینرگ[۳] کو آیندہ پنجشنبہ ٹینس کھیلنے بلایا ہے۔

۸۔ جولائی | والد ماجد کے ۱۴ جون کے لکھے ہوئے والا نامہ سے معلوم ہوا کہ دہلی میں ایک شب میں چار مرتبہ زلزلہ آیا۔

۱۵۔ جولائی | تمام دن کام کرتا رہا۔ سہ پہر کو مس موریس[۴] سے گرٹن کالج میں ملنے گیا۔ انہوں نے ازراہ مہربانی مجھے تمام کالج کی سیر کرائی۔ یہاں چند نئے کمرے تعمیر ہو رہے ہیں۔ کالج بہت خوبصورت ہے۔ اس کے برآمدے مجھے بہت پسند آئے۔ ورزش کرنیکے لئے یہ بہت اچھا مقام ہے۔ صرف یہ کہ بارش کے دنوں میں مطالعہ کرنیوالوں کو ضرور برآمدوں میں کھیلنے والوں کے غل و شور سے تکلیف ہوتی ہوگی۔

۱ه یہ صاحب یعنی Dr. A. E. Shipley اب معزز عہدہ "ماسٹر" master Christs College. یعنی صدر اعظم کرائسٹ کالج پر ممتاز ہیں۔

۲ه Mr. Kyd جنہوں نے ڈاکٹری کا پیشہ اختیار کیا۔

۳ه Mr. Gerstenberg. جو ایک امیر یہودی خاندان سے تھے اور جو فوجی نوکری میں ہیں۔

۴ه Miss Morris. جو Girton College میں تھیں۔ انکے والد لندن کے مشہور سالیسٹر تھے جن کا مکان Park, lane, London میں تھا جو امیروں کے رہنے کا مقام ہے۔ بعد میں وہ Mrs. Mc Lachlan ہوگئیں۔

۹ - اگست ۱۸۸۶ء | صبح اُٹھا اور ۸ - بجے ۱۵ منٹ والی ٹرین سے لندن روانہ ہوا - اپنے ایجنٹ ہنری اس کنگ کی پاس سے روپیہ وصول کرنے اور درزی کا بل ادا کرنے گیا - ۱۲ - بجے سے ۲ بجے تک اپنے اُستاد موزلی صاحب[1] کے ہمراہ گاڑی میں پھرتا رہا - کلب گیا جہاں سے بوس[2] اور ننّز[3] برادران کو لنچ کی دعوت دی تھی - ناخدا محمد علی روگھی صاحب بنیس بمبئی کے گروپ میں شریک ہوا - اسمیں ۳۴ مسلمان طالبعلم شریک ہیں - سوا پانچ بجے والی ریل گاڑی نہ ملی - اسلئے ساڑھے سات والی ٹرین پر اسٹیشن کنگز کروس[4] سے سوار ہو کر کیمبرج واپس آیا - ۹ بجے ۲۰ منٹ پر کیمبرج پہنچا اور ساڑھے نو بجے مسٹر اسکر برونگ[5] - فیلو کنگز کالج کیمبرج کے کمرہ میں داخل ہوا - جہاں سائی کیکل رسرچ سوسائٹی[6] کا جلسہ تھا - میڈم بلیوسکی[7] صدر نشین تھیں - یہ بولتی بہت ہیں - پروفیسر[8] ہنری سجوک صاحب نے ان سے بہت سے سوالات کئے - مجھے تو اس سے کچھ نفع نہ پہنچا - میڈم بی کا مجھ پر کچھ اچھا نقش نہ بیٹھا -

---

[1] Mr. H. N. Mozeley, Barrister-at-Lo

[2] Now Dr. J. C. Bose, Prof, A Science, Presion Calcutta.

[3] Thomas, Mr. Hancock Nunn & Mr. Harold Nunn

[4] King's Cross.

[5] Mr. Oscar Browning, now, Principal Training Coll

[6] Psychical Research Society.

[7] Madam Blavatsky.

[8] Professor Dr. Henry Sidgwick.

اِس کے بعد کا روزنامچہ تا ماہ اکتوبر ۱۸۸۴ء جداگانہ انگریزی میں طبع ہو چکا ہے۔ اس زمانہ میں مولوی محمد حمید اللہ خاں مصر میں لارڈ نارتھ بروک بہادر جی۔ سی۔ ایس۔ آئی کے ہمراہ رہے۔ اِس لئے ہم اُس کا ترجمہ یہاں نہیں چھاپتے۔ بعد واپسی لندن کے ختم سال تک کے حالات مختصر طور پر ڈائری سے اخذ کرتے ہیں۔

جمعہ ۷۔ نومبر ۱۸۸۴ء | الحمد للہ کہ میرا سفر ملک مصر بخیریت تمام ہوا اور میں ۶ بجے صبح کو کنین[۵۱] اسٹریٹ اسٹیشن واقع لندن پہنچا۔ اور اونیو ہوٹل[۵۲] ہولبرن[۵۳] میں مقیم ہوا۔ ساڑھے ۱۱ بجے لارڈ نارتھ بروک کے مکان پر گیا اور کپتان بومنٹ[۵۴] انکے سکرٹری سے ملکر اُن کے ذریعہ سے لارڈ موصوف کو اپنے آنے کی اطلاع کرائی۔ اب میں شہر لندن میں قیام کرتا ہوں۔ تاکہ لنکنز اِن میں اپنے ٹرم کی تکمیل کرسکوں۔

۱۰۔ نومبر ۱۸۸۴ء | گذشتہ شب کو میرا ارادہ کیمبرج روانہ ہونے کا تھا لیکن چونکہ ڈنر سے ۷ بجے تک فرصت نہ ہوئی۔ اِس وجہ سے روانہ نہو سکا۔ آج صبح کی گاڑی میں روانہ ہوکر بخیریت کیمبرج پہنچا۔ بعض دوستوں سے ملاقات کرکے ٹرمپنگٹن[۵۵] کو پروفیسر فاسٹ[۵۶] کے جنازہ کے ساتھ قبرستان گیا۔

---

[۵۱] Cannon Street Station.

[۵۲] Avenue Hotel.

[۵۳] Holborn.

[۵۴] Capt: Beaumont, now Admiral Sir Lewis Beaumont.

[۵۵] Trumpington.

[۵۶] Professor Fawcett. M.P. Post master General; Known as the "member for India".

پروفیسر موصوف کی موت کا واقعہ افسوسناک تھا اور جنازہ کے ساتھ علما اور غیر علما کا اِس قدر مجمع تھا کہ آدمی کے واسطے نہیں ہو سکتا تھا۔ لندن سے ایک مختصر جماعت اہلِ ہند کی ہار لیکر اور کچھ لوگ کیمبرج سے بھی آئے تھے۔

اس وقت تک یہ معلوم ہوتا ہے کہ مجھ کو انڈین بار[1] کے لئے جانا پڑے گا اور کامیابی کی صورت بھی نظر آتی ہے۔ لیکن میرا منشا بیرسٹری کی زندگی بسر کرنے کا نہیں ہے۔ میرا مقصود دو چیزیں ہیں۔ ایک تو تصنیف اور دوسری پولیٹکل زندگی (سیاست) ممکن ہے کہ کبھی نہ کبھی میں ایک یا دونوں مقاصد پر فائز ہو جاؤں۔ اِس لئے مجھے اُس وقت تک صبر سے کام لینا چاہئے ✢

غزل

گورے ہاتھوں کو ترے ہم یدِ بیضا سمجھے ۔۔۔ پیارے پیارے لبِ جاں بخش کو عیسیٰ سمجھے
کس توقع پہ ہو دیدِ رُخِ زیبا کا سوال ۔۔۔ ڈر ہے اسکو بھی نہ وُہ خواہشِ بیجا سمجھے
ضبط کرتا جو میں نالہ کو تو دم پر بنتی ۔۔۔ ناصحا تو میرے رونے کی غرض کیا سمجھے
ایسے کافر سے مجھے رحم کی اُمید ہو کیا ۔۔۔ جو مرے ذکرِ قیامت کا بھی سودا سمجھے
جانِ جاں کہہ کے اُسے نقلِ سخن کرتا ہے! ۔۔۔ ہم نے قاصد تری گفتار کو جانا سمجھے
کرکے بسمل ہے تردد کہ نکل جائے نہ جاں ۔۔۔ اسکو بھی کیا وُہ مرے دل کی تمنا سمجھے

چومتے چومتے گھس ڈالا ہے عابد نے اسے
آستانے کو بتِ شوخ کے تم کیا سمجھے

---

[1] Indian Bar.

ابنِ عربی

نام محمد محی الدین لقب سنہ ۵۶۰ھ سترھویں رمضان شریف یوم دوشنبہ کو شہر مرسیہ میں پیدا ہوئے۔ شیخ محمد صادق شہابان مناقبِ غوثیہ میں لکھتے ہیں کہ پہلے محی الدین کے والد بزرگوار علی بن محمد کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی۔ انکو اولاد کی بہت تمنا تھی۔ جب ان کا سن پچاس برس کا ہوا تو اولاد سے نا اُمید ہوگئے۔ پھر بھی ایک سچے مومن کی طرح خدائے تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوکر شیخ عبدالقادر جیلانی کے پاس گئے۔ اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر دُعا کی درخواست کی۔ آپ نے دُعا فرمائی۔ حق تعالیٰ نے انکو الہام کے ذریعہ سے آگاہ کیا کہ بڑھاپے میں اولاد ہونا غیر ممکن ہے لیکن اگر کوئی دوسرا شخص انکو اپنی اولاد ہبہ کردے تو ممکن ہے۔ جس پر شیخ عبدالقادر جیلانی نے فرمایا کہ میرے صُلب میں ایک لڑکا ہے۔ اُس کو میں نے تمہیں دیا۔ وہ اب تمہارے حصّہ کا ہو گیا اور تمہارے گھر پیدا ہوگا۔ تم اس لڑکے کا نام محمد رکھنا۔ اور میں نے اُسے اپنا لقب بھی عطا کیا۔ انشاء اللہ وہ اُمتِ محمدیہ میں نہایت جلیل القدر ولی ہوگا۔ علی بن محمد حضرت سے رخصت ہوکر مکان پر پہنچے۔ اسی شب کو انکی بی بی حاملہ ہوئیں۔ بعد نو ماہ کے ان کے ہاں محمد ابن عربی پیدا ہوئے۔ علی بن محمد انکو لیکر حضرت کے پاس گئے۔ حضرت نے انکو گود میں لیا۔ اور دینی و دنیوی دُعاؤں سے انکو مالامال کیا۔ تاریخ ولادت انکی یہ ہے:-

محی الدین پیر زندہ دل والا ہادی سالکانِ اہلِ زمیں

ہست سالِ ولادتش نعمت   صاحبِ کشف مہدیِ امت ہیں

بعض نے انکی تاریخ ولادت یوں لکھی ہے :-

شیخ والا جناب بن عربی   مقتدائے روحِ خدا طلبی

شیخِ اکبر ز عارفاں بودہ   در تنِ روزگار جاں بودہ

جامعِ نسخہ فتوحات ہست   صاحبِ خرقہ و کمالات است

منعقد بود از مہِ رمضاں   کہ در آفاق شد چو خورِ تاباں

بود تازی شیرِ محی الدین

سالِ مولودِ او ز تازی بیں

اس تاریخ سے ایک سال کا فرق ثابت ہوتا ہے۔ مگر یہ جمہور کے خلاف ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربی علوم ظاہری اور باطنی میں یگانہ دہر تھے۔ بعدِ فراغت شروع شروع آپکو علمِ حدیث اور تفسیر کا شوق پیدا ہوا۔ اور زیادہ تر اسی کا مشغلہ رہا۔ جس کام کو آپ شروع کرتے تھے اس کو انتہائے کمال کو پہنچانا آپ کا فرض تھا۔ بغداد کے ایک شیخ صاحب نے آپ کے حالات منضبط کئے ہیں۔ اس میں آپ کی تصانیف پانچسو سے زیادہ لکھی ہیں۔ قرآن مجید کی آپ نے چند تفسیریں مختلف طریقوں پر لکھی ہیں۔ جس میں ایک صرف ۱۶ پارہ کی ہے اور ۹۵ جلدوں میں ختم ہوئی تھی۔ ایک دوسری تفسیر آٹھ جلدوں میں ہے۔ جس میں اختصار اور عام محققین کا اسلوب مدنظر رکھا گیا ہے۔ ایک تفسیر آپ کی تصوف کے ڈھنگ پر ہے۔ حدیث شریف میں بھی آپ کی بہت سی تصانیف ہیں۔

آپ امام مالکؒ کے مذہب کے پیرو تھے اور انہیں کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کی۔ آپ شریعت کے جس قدر پابند تھے وہ آپ کی

کتاب فصوص الحکم کے خطبہ کی اس عبارت سے جس میں آپ نے اس خیال کی تائید کی ہے۔ ظاہر ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں: "اَرْجُوْ اَنْ اَکُوْنَ مِمَّنْ قُیِّدَ بِالشَّرْعِ الْمُحَمَّدِیِّ فَتَقَیَّدَ وَقَیَّدَ وَحَشَرَنَا فِیْ زُمْرَتِہٖ کَمَا جَعَلَنَا فِیْ اُمَّتِہٖ" مجھے خدا سے اُمید ہے کہ وہ مجھے ان لوگوں میں سے کریگا جو شرع محمدیؐ کے پابند کئے گئے۔ پس خود بھی اس کے پابند ہوئے اور دوسروں کو اس کا پابند بنایا۔ اور میں خدا سے اُمید کرتا ہوں کہ وہ میرا حشر بھی انہیں کے زمرہ میں کریگا جیسا مجھے اُن کی اُمّت میں ہونے کا فخر عطا کیا۔ عبدالوہاب شعرانی نے شیخ محی الدین ابن عربی کا قول نقل کیا ہے کہ شیخ صاحب کہا کرتے تھے "جس کسی نے ایک لحظہ کے لئے شریعت سے باہر قدم رکھا وہ ہلاک ہوا" جس کسی کے عقیدہ کا یہ حال اور پابندی شریعت کا یہ لحاظ ہو۔ اس پر ایسی بے بنیاد من گھڑت باتیں اُنکی طرف منسوب کرنا اور لوگوں کو اُنکی طرف سے بدظن کرنا کس قدر بدتر ہے۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی اور شیخ شہاب الدین سہروردی سے راستہ میں سرسری ملاقات ہوئی۔ یہی پہلی ملاقات تھی۔ اور بات چیت کی بھی نوبت نہیں آئی تھی۔ مگر دونوں کے دلوں کی کشش اور صفائی قلوب نے ایک دوسرے کے حالات سے باہم آگاہ کر دیا۔ چنانچہ شیخ شہاب الدین سہروردی سے لوگوں نے ابن عربی کے بارہ میں دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ علم حقائق کے دریائے ذخار ہیں۔ ان کا علم و فضل ان کے بشرہ سے ظاہر ہے۔ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

قائلین وحدت الوجود کے آپ امام اور مقتدا ہیں۔ فقیہوں کی تھوڑی جماعت اور صوفیوں کا بہت بڑا گروہ آپ کا معتقد اور آپ کی تعظیم و تکریم کرتا ہے۔

اور علماء ظاہری ان کے سخت مخالف ہیں اور ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ لوگوں نے آپ کے خرقِ عادات اور کرامات کا بھی بہت بڑا ذخیرہ بتلایا ہے۔ مشائخ صوفیہ آپکو امام الموحدین قرار دیتے ہیں۔ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں کہ ملک مغرب کا بادشاہ شیخ محی الدین ابن عربی کی بہت عزت کیا کرتا تھا۔ ایک روز شیخ کو یک بیک خیال آیا اور خدا کی محبت دل میں پیدا ہوئی۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کسی جنگل کیطرف چلے گئے۔ اور مدتوں ایک غار میں رہکر عبادت کرتے رہے۔ جب آپ وہاں سے نکل کر پلٹے تو آپ کا سینہ علوم ظاہری اور باطنی سے معمور تھا۔ اور جدھر آپ تشریف لیجاتے تھے وہاں اِنکے علوم کی روشنی پھیلکر لوگوں کے سینوں کو منور بناتی تھی۔ جنگل سے واپسی کے بعد آپ نے سیاحت کو پسند کیا اور آپ اس کے ذریعہ ہر شہر میں قیام کرتے ہوئے اپنی تصانیف سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتے تھے اور وہاں سے روانگی کے وقت اُس کو وہیں چھوڑ دیتے تھے۔ فتوحاتِ مکیہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ حلب کے رہنے والے تھے اور زیادہ تر قرطبہ[1] میں رہے اور وہیں آنکو انبیاء علیہم السلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ اور حضرت صالح علیہ السلام سے علمی استفادہ حاصل کیا۔ شیخ مجدالدین فیروز آبادی لکھتے ہیں کہ میری نظر میں کوئی شخص محی الدین ابن عربی کے مبلغِ علم کو نہیں پہنچا۔ لوگ اِن کی تصانیف لکھوانے اور تلاش کرنے میں سینکڑوں روپیہ خرچ کرتے تھے"۔ اِن کے مخالفین دو طرح کے ہیں۔ ایک تو وُہ لوگ ہیں جو بالکل ظاہر بین ہیں اور اِن کے کلام کو مطلق نہیں سمجھتے۔ یا سمجھتے ہیں تو غلط معنوں میں۔ وُہ لوگ ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ اور اِن کے اقوال کے مخالف ہیں۔ دُوسرا

---

[1] پایہ تخت اندلس۔

وُہ فرقہ ہے جو ہمیشہ اور ہر زمانہ میں رہا ہے۔ وُہ حاسدوں کا گروہ ہے جسکو ہمیشہ نیک و بزرگ اور اُن لوگوں سے جو اُس زمانہ کے ممتاز تھے عداوت رہی اور اُن کا یہ کام تھا کہ جھوٹی اور لغو باتیں لکھکر یا کہکر اُن کی طرف منسوب کر دیا کرتے تھے۔ تاکہ عام رُجحان اِدھر سے جاتا رہے اور لوگ بدظن اور مخالف ہو جائیں۔ جیسا عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں کہ "حُسّاد نے فتوحاتِ مکّیہ میں بہت سی جعلی اور جھُوٹی باتیں بنا کر محض رشک و حسد سے لکھدی ہیں۔ جب مَیں ابوطاہر مغربی سے مکّہ میں ملا تو اُنہوں نے شیخ محی الدین ابن عربی کے ہاتھ کا لکھا ہُوا نسخہ فتوحاتِ مکّیہ مجھے دیکر مقابلہ کیا تو وہ سب باتیں جو محض جھُوٹ اور افترا پردازی پر دال تھیں نہ نکلیں جنکو مَیں اُن کے کلام کی طرف منسوب ہوتے بارہا سُن چکا تھا۔ پس وہ سب عبارتیں جو اصل نسخہ میں نہ تھیں۔ مَیں نے اپنے نسخہ فتوحاتِ مکّیہ سے نکالدیں"۔ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں۔ کہ "ایسے ہی میری کتاب بحر المورود میں لوگوں نے جھُوٹی باتیں لکھ لکھکر کئی سال مجھے بدنام کیا اور واللہ مَیں ان سب سے بری تھا"۔ ایسے ہی لوگوں نے شیخ الاسلام مجّدالدین فیروزآبادی کی طرف سے امام اعظم رح کے بارہ میں طعن و تشنیع لکھکر ابوبکر خیاط یمنی کے پاس بھیجدیا تھا۔ اُنہوں نے اسے پڑھکر فیروزآبادی کو ایک خط ملامت کا لکھا۔ جس کا فیروزآبادی نے جواب لکھا کہ "اِن باتوں کی میری طرف نسبت بالکل افترا ہے۔ آپ ایسی کتاب کو جس میں ایسی باتیں ہیں فوراً جلا دیجئے"۔ یہ باتیں کسی کے ساتھ نہیں ہوئیں امام احمد حنبل رح کے مرض الموت میں اُنکے تکیہ کے نیچے ایسے جھوٹے اور لغو عقائد کا لکھا ہُوا کاغذ پایا گیا جن کا دل میں لانا بھی گناہ ہے۔ امام غزالی رح کی تصانیف کے ساتھ حُسّاد نے ایسی ہی نامعقول حرکتیں کیں۔ شیخ مجّدالدین

فیروزآبادی نے ان کی مدح میں چند شعر لکھے ہیں۔ جس کا اس موقع پر نقل کر دینا خالی از فائدہ نہ ہوگا:ے

قالوا علیّ اذا ما قلت معتقدی	دع الجہول یظن الجہل عدوانا
مجھ پر ... جب میں کہوں اپنا عقیدہ	جاہلوں کو چھوڑ دو کیونکہ وہ جہل کی وجہ سے ظلم خیال کرتے ہیں
واللہ واللہ العظیم ومن	اقامہ حجۃ الدین برہانا
خدا کی قسم خدائے بزرگ و برتر کی قسم اور اس ذات کی	جس نے محی الدین ابن عربی کو دین کا حجت اور برہان بنایا
ان الذی قلت بعض من مناقبہ	ما زدت الا لعلی زدت نقصانا
بیشک جو کچھ میں نے اُن کی مدح بیان کی	اسمیں میں نے زیادتی نہیں کی بلکہ شاید میری تعریف سے انکی پوری

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو لوگ ابن عربی کو بُرا کہتے ہیں اور اُن کی سخت مخالفت کرتے ہیں اور اپنے مُنہ کو بُرا اور ناپاک کرتے ہیں وہ ان تمام اقوال اور سندات کو کہاں پھینک دیتے ہیں۔ جو ان لوگوں کی زبانوں سے نکلی ہوئی ہیں جنکو وہ خود بھی اچھا اور اپنا مقتدا تسلیم کرتے ہیں۔ ایسے جلیل القدر بزرگ کو بُرا کہنا معمولی بات نہیں جس کی شان میں لوگوں نے ایسے ایسے منقبت کے جُملے لکھے ہوں۔ امام نووی سے لوگوں نے انکے بارہ میں دریافت کیا۔ فرمایا: "تلک امۃ قد خلت"۔ مومن کو گالی دینے سے انسان فاسق ہو جاتا ہے۔ نہ کہ اولیاء اللہ کے ساتھ بدگمانی کرنا اور اُنکو بُرا کہنا۔ انکے اقوال و افعال اگر سمجھ میں نہ آویں تو بھی اُنکی اچھی تاویل کرنا چاہیے جب تک آدمی اُس مرتبہ کا نہ ہو لے جس کے بارہ میں کہنا چاہتا ہے اُنکے کلام کو جھوٹ نہ سمجھے۔

امام ابن اسعد یافعی۔ ابن عربی کے بڑے مداح ہیں اور لکھتے ہیں کہ انکو ولایت عُظمٰی حاصل تھی شیخ الاسلام ذکریا سے منقول ہے کہ امام یافعی۔ محی الدین ابن عربی کی کتابوں کے پڑھنے اور پڑھانے کی اجازت دی تھی اور

کہا کرتے تھے کہ جو جہال اہل طریق سے انکار کرتے ہیں۔ تو گویا وہ چاہتے ہیں کہ پہاڑ کو پھونک مار کر اپنی جگہ سے ہٹا دیں۔ اور جو شخص اولیا سے عداوت رکھتا ہے وہ اللہ سے عداوت رکھتا ہے۔" شیخ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ ابن عربی عارفوں کے ولی ہیں۔ اور نبی عربی کے قدم بقدم چلتے ہیں"۔ امام فخر الدین رازی نے انکو بہت بڑا جلیل القدر ولی لکھا ہے۔ صلاح الدین صفدی علماء مصر کی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ جسکو علم لدنی والے کا کلام دیکھنا ہو۔ بس وہ ابن عربیؒ کی تصانیف دیکھے۔" باوجودیکہ ابو عبداللہ ذہبی اور ابن تیمیہ انکے سخت مخالف تھے۔ مگر ایک مرتبہ ابو عبداللہ ذہبی سے لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا تو حقیقت ابن عربیؒ نے فصوص الحکم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے لکھا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایسا علامہ کبھی جھوٹ نہیں کہ سکتا۔ کمال الدین کاشی نے انکو محقق اور صاحب کرامات اور کمالات فرمایا ہے۔ شیخ مجدد الدین کا خیال ہے کہ ان کا مکان ملک شام میں تھا اور وہیں انہوں نے تمام علوم کی اکتساب کی۔ وہاں کے علما نے ان کی تصنیفات کو قبولیت کی نظر سے دیکھا ہے۔ جامع التذکرہ میں شام کے بارہ میں ایک عبارت ہے کہ لَا تَسُبُّوا اَهْلَ الشَّامِ فَاِنَّ فِيهِمُ الْاَبْدَالُ" جب یہ حکم مطلقاً اہل شام کے لئے ہے تو ابن عربیؒ کے بارہ میں کچھ برا کہنا کیسے درست قرار دیا جا سکتا ہے۔ قاضی القضاۃ شیخ شمس الدین خو بخی شامی پر ایک مرتبہ شیخ محی الدین ابن عربی کی نظر پڑی۔ اسی وقت سے قضاءت کو چھوڑ کر ان کے گرویدہ ہو گئے اور ان کے قدم بہ قدم چلنے کو فرض سمجھا۔ اور اپنی صاحبزادی کو ان کے نکاح میں دیدیا۔ شیخ الاسلام مخزومی فرماتے ہیں کہ جب شیخ محی الدینؒ شام میں تھے تو وہاں کے تمام علماء ان سے ربط و اتحاد رکھتے تھے۔ انکو متبعین کا استاد خیال کرتے

تھے اور احترام کرتے تھے۔ حضرت کمال الدین زملکانی جو شام کے جلیل القدر
عالموں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کے بڑے مدّاح تھے۔ حضرت
قطب الدین حموی جب شام سے اپنے وطن کو روانہ ہوئے۔ لوگوں نے
ان سے دریافت کیا کہ آپ نے ابن عربی کو کیسا پایا۔ انہوں نے فرمایا
کہ میں نے ان کو علم و زہد اور معارف میں بحر زخّار پایا جس کا کنارہ نہیں"۔
شیخ سراج الدین مخزومی نے ان کے مخالفین کے جوابات میں نہایت
ردّ و قدح کے ساتھ ایک کتاب لکھی ہے اور لکھا ہے کہ ہم کو محض ناسمجھی کی
وجہ سے فتوحات اور فصوص وغیرہ کا انکار نہ چاہیے۔ شیخ محی الدین ابن عربی
کی ذہانت کا یہ حال تھا کہ جب یہ مکہ معظمہ میں تھے اور ان کا درس تدریس
احادیث کا جاری تھا۔ اس وقت ان کے ایک شاگرد نے ایک کتاب لکھی
جس کے جواب میں قلم برداشتہ انہوں نے فتوحات مکیہ لکھی۔ سراج الدین
بلقینی سے لوگوں نے دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ان کے
کلام سے انکار مت کرو۔ کیونکہ انہوں نے اپنے اوائل عمر میں علم معرفت
اور حقائق کے دریا میں غوطہ لگایا ہے۔ امام سبکی نے کہا ہے کہ شیخ محی الدین
آیۃ من آیات اللہ تھے۔ اور اس زمانہ میں علم و فضل کی کنجی انہیں کے
ہاتھ میں تھی۔ علمائے محققین انکی ایسی عزت اور لحاظ کرتے تھے کہ ایک مرتبہ
کا واقعہ ہے کہ بدر الدین سبکی نے جو شام کے شیخ الاسلام تھے۔ محی الدین
ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم پر دو جگہ اعتراض کیے۔ جب سراج الدین بلقینی
کو اس کی خبر ہوئی تو بدر الدین سبکی کے نام اس مضمون کا خط لکھا کہ آپ
قاضی القضاۃ اولیاء اللہ کے انکار سے بچو۔ اور ڈرو اگر یوں نہیں تمہیں رد
و قدح کا شوق ہے تو ان کے منکروں کا رد لکھو۔ ورنہ باز آؤ۔ انکی غلطی

نکالنے والے خود ہی سراسر غلطی پر ہوتے ہیں۔ مگر ہٹ دھرمی انکو سمجھنے نہیں
دیتی"۔ عماد بن کثیر کا مقولہ ہے کہ جن لوگوں نے ان کے اقوال سے انکار
کیا وُہ مُصیبت میں پڑ گئے ہیں۔ ہر کلام کے ہمیشہ دو پہلو ہوا کرتے ہیں۔
اچھّے لوگ اچھی جانب لیجاتے ہیں اور اچھا سمجھتے ہیں۔ اور بدخیال اُسکو
بُرائی پر محمُول کرتے ہیں اور اس پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ فتوحات اور فصوص
وغیرہ کو دیکھنے والے بھی ایسے ہی دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک آدم جو خُدا
کے نیک اور برگزیدہ بندے ہیں۔ اور اُنکو علمِ باطنی بھی حاصل ہے۔ وُہ
کبھی ابن عربی کے اقوال کو خواہ وہ کیسا ہی اُنکو غیر ممکن معلوم ہوتا ہو۔ اگر
شریعت کے خلاف نہیں (مگر عُلما ظاہر بین کا امتیاز نہیں۔ کیونکہ وُہ
کنہ کو نہیں پہنچتے اور نہ غور کرتے ہیں۔ ظاہر پر حکم لگا دیتے ہیں۔ انکو حقائق
سے مطلق آگاہی نہیں ہوتی) تو ہرگز اس سے انکار نہیں کرسکتے۔ اور
ایک ظاہر بین عُلما وُہ ہیں جنکو بجز پڑھ لینے اور کفر کا فتویٰ دیدینے
کے کوئی کام نہیں۔ خُدا سے لگاؤ نہیں تعلق نہیں۔ دُنیا میں پھنسے ہیں
سمجھیں تو کیا سمجھیں۔ ایسے لوگوں کو البتہ دشواریاں ہیں کہ وُہ ابنِ عربیؒ
کے اقوال کو تسلیم کریں۔ اور انکار سے بچیں۔ کیونکہ اس ظاہری فرقہ
کو دنیا میں سب چیزوں کو محال اور غیر ممکن کہدینا آسان ہے۔ جو لوگ
ان کی تصانیف میں غلطیاں نکالتے ہیں۔ اور اعتراضات پیش کرتے
ہیں وُہ محض اُنکی بے سمجھی کی دلیل ہیں اور کوتاہ بینی کا ثمرہ ہے۔ کلام تو
اچھی طرح سمجھتے نہیں۔ اعتراضات وارد کر دیتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ کچھ
خرچ تو ہوتا نہیں۔ ابھی اگر حکم ہو جائے کہ ہر اعتراض بغیر چار آنہ کے
سٹامپ کے دائر نہیں ہوسکتا۔ اور بغیر کچھ خرچ کئے اعتراض نہیں ہوسکتا

تو دیکھئے ابھی اُنکل پچّو اعتراضات جو بلا سوچے سمجھے کر دیئے جاتے ہیں ایک بھی نہ ہو۔ ساری کتاب پر ایک جگہ بھی شُبہ نہ پڑے۔ اور واقعی شبہ بھی خرچ کی وجہ سے نہ کیا جائے۔ یہاں تو اندھے کی بھی لاٹھی ماردیجاتی ہے۔ خواہ نشانہ ٹھیک ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح ابن عربی کے مخالفین کا حال ہے۔ جو جی میں آیا کہ گئے۔ کچھ تدارک تو ہئی نہیں۔ جس سے انکو تامل ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر آجتک برابر ہر بڑے شخص کی مخالفت ہوئی۔ ہر نبیؑ کے مخالفین بکثرت ہوتے رہے۔ اگرچہ ہم سب یقین رکھتے ہیں کہ وہ حق پر تھے مگر ان کے وقت کے بڑے بڑے آدمی ہمیشہ مخالفت اور اعتراضات کرتے رہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے دَور میں شروع سے آخر تک یہی حالت رہی۔ اِن کے بعد تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین پر وہی مصیبتیں اور ملامت کی بوچھاڑیں برسائی گئیں۔ غرضکہ ہر عروج والے کو اس وقت تک برابر اسی طرح کی باتیں پیش آتی رہیں۔ ابن عربی کے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ ان سے پہلے بھی ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ وہ خدا کے محبوب بندوں میں سے تھے۔ علوم ظاہری اور باطنی کے یکتائے زمانہ۔ بے مثل و بے نظیر رہے۔ اِن کی شان میں سخت الفاظ کہنا دین و ایمان بگاڑنا ہے۔ بڑے بڑے عُلما اور مشائخ نے انکو عزت کے الفاظ سے یاد کیا۔ انکو اپنا امام اور مقتدا قرار دیا۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ایسے حقائق اور اسرار سے انکار نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ اگر کتاب و سنت سے مدلل نہ پایا جائے تو وہ مسئلہ موقوف رکھا جائے۔ مگر اس کی حقیقت سے انکار نہ کرنا چاہئے شیخ محی الدین ابن عربی کے آخر زمانہ کو حسب ذیل لوگوں نے پایا ہے۔

اور ان کی عزت اور توقیر کی ہے - اور انکو بڑے پایہ کا بزرگ اور امام تسلیم کیا ہے - جو خود بھی اپنے وقت کے اہل کمال تھے - شیخ شہاب الدین سہروردی - یہ ابن عربی کے بالکل معاصر تھے - اوحد الدین کرمانی نجم الدین رازیؒ مصلح الدین سعدی شیرازی - صدر الدین قونوی - مؤید الدین جندی - ابو الحسن مغربی شاذلی - ابو العباس برتی - ابن الفارض حموی مصری - عزیز الدین نسفی - ابن الصباح - فخر الدین عراقی - نجیب الدین برغش شیرازی - برہان الدین ترمذی - نور الدین عبد الرحمن سفرانی - جمال الدین خورقانی سیف الدین باخرزی - سعد الدین - ابو محمد عبد اللہ مغربی - مولانائے روم علیہ الرحمۃ نے بھی انکے آخر زمانہ کو پایا ہے -

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

آخر کار آپ نے اٹھتر سال سات مہینہ تو دنیا میں مسافرانہ زندگی بسر کرکے ۲۲ - ربیع الثانی شب جمعہ ۶۳۸ھ میں شہر دمشق میں دنیا کو خیر باد کہہ کر آخرت کی راہ لی - اور قاسیون پہاڑ کے دامن میں جو آجکل صالحیہ کے نام سے مشہور ہے دفن ہوئے اِنّا لِلّٰہ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون

تاریخ وفات

عقل فرمود صاحب الارشاد　　سال ترحیل او بقدر زمیں

ایضاً

ابن عربی رہبر شرع رسول　　رہنمائے دین احمد محی دیں
گشت سر در سال ترحیلش عیاں　　از شہ احسن محمد محی دیں (۶۳۸)

سید محمد فاروق احمد (بریلوی)

علم کا صحیح استعمال

ایک جوان آدمی۔ (ایک بوڑھے آدمی سے) "علم اچھی چیز ہے اور درحقیقت علم اچھی چیز ہے۔ دُنیا بہ نسبت پیشتر کے اب بہت ترقی کر گئی ہے۔ میری چھ سات سال کی عمر میں اِس قدر معلومات نہیں تھے۔ جتنے کہ اب میرے لڑکے اسی عمر میں رکھتے ہیں۔ وہ دُنیا کی ہر چیز کو کم و بیش جانتے ہیں اور ہر قسم کے مضمونوں پر بحث کر سکتے ہیں۔ جناب یہ تمام علم ہی کا کرشمہ ہے۔ کیا آپ میری رائے سے اتفاق نہیں کرتے؟"

بوڑھا آدمی "نہیں۔ علم کی اچھائی اور بُرائی اس کے استعمال پر منحصر ہے علم اچھا بھی ہو سکتا ہے اور بُرا بھی۔ کیونکہ ہم کو علم سے صرف کام کرنے کی مزید قوت حاصل ہوتی ہے۔ اور کام کرنے کی قوت اچھی اور بُری دونوں قسم کی ہو سکتی ہے۔"

جوان آدمی۔ "جناب! مَیں اِس بات کے سمجھنے سے قاصر ہُوں کہ علم بُرا بھی ہو سکتا ہے"

بوڑھے آدمی نے جواب دیا کہ مَیں تم پر ثابت کر دوں گا۔ اور اس طرح کہنے لگا:۔

بوڑھا آدمی (۱) "جب ہم کسی گھوڑے کی طاقت پر قابو حاصل کر لیتے ہیں تو گھوڑا ہمارا مطیع اور فرمانبردار ہو جاتا ہے۔ ہمارا اسباب لیجاتا ہے۔ گاڑیاں کھینچتا ہے۔ سواری دیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر جب اس کی طاقت ہمارے قبضے سے باہر ہو جاتی ہے تو گھوڑا لگام توڑ ڈالتا ہے۔ گاڑی توڑ پھوڑ دیتا ہے اور اپنے سوار کو گرا دیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

جوان آدمی ۔ "بجا ہے ۔ درست ہے"۔

(۲) اگر کسی بڑے تالاب کا پانی بذریعہ نالوں کے خارج کر دیا جاتا ہے تو یہ پانی کھیتوں کو سرسبز اور زرخیز بناتا ہے ۔ اگر اس تالاب کا پانی (نالے نہ ہونے کی وجہ سے) کناروں سے پھوٹ نکلتا ہے تو ہر چیز جو اس کے سامنے ہوتی ہے بہ جاتی ہے اور کھیت پامال ہو جاتے ہیں"۔

جوان آدمی ۔ بے شک ۔ بالکل صحیح ہے ۔ درست ہے"۔

(۳) کوئی جہاز جو اپنے سیدھے یا صحیح راستہ پر جا رہا ہو جلد منزلِ مقصود پر پہنچ جاتا ہے ۔ لیکن اگر راستہ غلط ہے تو جتنا زیادہ تیزی سے چلایا جائے گا اتنا ہی اپنی منزلِ مقصود سے دُور ہوتا جائیگا"۔

جوان آدمی "۔ آپ کا فرمانا بالکل صحیح و درست ہے"۔

بوڑھا آدمی "۔ خوب ! اگر تم ان تینوں مثالوں کو بخوبی سمجھ گئے ہو تو میں خیال کرتا ہوں کہ تم اس بات کو بھی بخوبی جان گئے ہو گے کہ علم کو اچھا کہنے کے لئے ضرورت ہے کہ وہ صحیح طور پر استعمال کیا جائے۔ "علم کا اچھا استعمال" ہمارے لئے رحمت ہے ورنہ زحمت سے زیادہ نہیں"۔

جوان آدمی ۔ میں آپ کا مطلب اچھی طرح سمجھ گیا ۔ بیشک علم ایک طاقت ہے اور اس کا "صحیح استعمال" ہی اچھا ہو سکتا ہے"۔

(ترجمہ از انگریزی)

محمد ابراہیم خاں تجلّی ۔ (خورجوی)

رات اور دن

ذیل کا مضمون مخزن کے قدیم قلمی معاون جناب سید راحت حسین صاحب بی
اے۔ بی۔ ایل بھاگلپوری کا عطیہ ہے اور یہ دراصل اُس مختصر سے رسالہ
موسومہ "نیرنگ ارض" کا اقتباس ہے جسکو صاحب موصوف لڑکیوں
کی تعلیم کے واسطے تالیف کر رہے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ سید صاحب
کی یہ سعی جمیل ملک میں قبولِ عام کی نظر سے دیکھی جائیگی۔

بچپن سے تم دیکھتی آتی ہو کہ سورج نکلتا ہے اور ڈوب جاتا ہے اور ہر شخص نے اسکو یوں ہی دیکھا ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ سورج نہ نکلا ہو۔ اس واقعہ کو دیکھتے دیکھتے ہم کو ایک ایسا ضروری اور ناگزیر قانونِ قدرت معلوم ہوگیا ہے کہ ہم پورے اطمینان کے ساتھ اس بات کو کہہ سکتے ہیں کہ کل آفتاب ضرور برآمد ہوگا۔ جس وقت سورج نکلتا ہے تو اُس کے نور سے تمام فضائے آسمانی مملو ہو جاتی ہے اور یکایک اُجالا ہو جاتا ہے۔ سوتی ہوئی دنیا میں ایک کھلبلی مچ جاتی ہے۔ پنچھی پکھیرو اپنے اپنے گھونسلوں سے باہر نکل کر ہوا میں پرواز کرتے ہیں۔ جانور چارے کی تلاش میں اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں آدمی اپنا اپنا کام شروع کر دیتے ہیں۔ اور درختوں کی پتیاں جو ننھے قدرتی کیمیا خانے ہیں اپنی غذا تیار کرنے میں مصروف ہو جاتی ہیں۔ غرض سورج کی گرمی اور اُس کی حیرت خیز روشنی تمام عالمِ حیوانات اور نباتات میں ایک تازہ رُوح پھونکدیتی ہے۔ پھر شام ہونے کو آتی ہے اور آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو تمام اندھیرا چھا جاتا ہے۔ سردی محسوس ہوتی ہے۔ دُنیا کے

کام دھندے بند ہو جاتے ہیں۔ فضائے آسمانی میں چاند سیر کرتا نظر آتا ہے تارے اُفق مشرقی سے نکل کر اُفقِ مغربی میں ڈوبتے جاتے ہیں۔ اچھا سچ بتاؤ کبھی بھی تم نے ان واقعات کو حیرت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ اور سورج چاند یا ستاروں کی اس چہل پہل کو اک انوکھی بات سمجھ کر اس کے سبب دریافت کرنے کی کچھ کوشش کی ہے۔

دیکھو تو ظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا زمین ساکن ہے اور آفتاب ستارے اس کے گرد گھوم رہے ہیں۔ چنانچہ اگلے لوگوں نے اس مغالطہ کو سچ مان لیا تھا اور اُن کا یہ خیال تھا کہ زمین اس عالم کی مرکز ہے۔ سورج زمین کے چاروں طرف گھوم رہا ہے۔ جس طرح تم اس کو دیکھتی ہو۔ آج بھی اکا دکا آدمی ایسے ہیں جو اسی وہم میں پڑے ہیں اور یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ زمین ساکن ہے۔ لیکن تحقیقات جدید نے اس بات کو اچھی طرح ثابت کر دیا کہ جس طرح زہرہ مریخ یا اس کے ساتھی ستارے آفتاب کے گرد چرخ کھاتے ہیں۔ اسی طرح زمین بھی ایک سیّارہ ہے جو آفتاب کے گرد گھوم رہا ہے۔ تم کہو گی کہ ہم صریح دیکھ رہے ہیں کہ آفتاب ہر روز طلوع ہوتا ہے اور پھر غروب ہو جاتا ہے۔ رات کو آسمان میں جگمگاتے ستارے چلتے دکھائی دیتے ہیں۔ پھر اس کو کیونکر مان لیں کہ زمین گھومتی ہے اور آفتاب ساکن ہے۔ میں تم کو اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ یہ سراسر تمہاری نگاہ کی غلطی ہے۔ ساون کے مہینہ میں اکثر تم نے دیکھا ہو گا کہ رات کو بادل کے چلنے سے چاند بھاگتا ہوا نظر آتا ہے بادلوں کو ہوا اُڑائے لیے جاتی ہے۔ لیکن دیکھو تو چاند دوڑتا نظر آتا ہے دوسری مثال مغالطہ نظر کی ریل کی چال ہے۔ اگر ریل کا سفر تم نے کیا ہے تو دیکھا ہو گا کہ جس وقت اسٹیشن پر دو گاڑیاں ایک دوسرے کے سامنے کھڑی

ہوتی ہیں تو ایک گاڑی کے چلنے سے دُوسری گاڑی جو کھڑی رہتی ہے چلتی ہُوئی نظر آتی ہے۔ اسی طرح کی اور مثالیں ہیں جنکو خیال کرنے سے تم سمجھ سکتی ہو کہ ایک چیز کے چلنے سے دُوسری چیز جو ساکن ہوتی ہے چلتی ہُوئی نظر آتی ہے اور اس کو دیکھنے میں ہماری نگاہ دھوکا کھاتی ہے۔ بس اسی طرح سمجھ لو کہ زمین کے چرخ کھانے سے آفتاب جو ہم سے ۹ کروڑ ۲۰ لاکھ میل کی دُوری پر ہے فضائے آسمانی میں سیر کرتا نظر آتا ہے۔ حالانکہ وُہ ساکن ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ زمین کے چرخ کھانے سے ہم خود اُس کے ساتھ گھوم رہے ہیں۔ اس لئے زمین کی چال ہم کو محسوس نہیں ہوتی۔ اگر تم ایک ہونہار لڑکی ہو اور کسی واقعہ کو دیکھ کر اُس کی وجہ کو دریافت کرنے کی تمہارے دل میں چیٹک ہے تو اس کو تم خود سوچ سکتی ہو کہ آفتاب گھومتا ہے یا زمین گھومتی ہے۔ اگر اس مسئلہ کی تحقیق کرنے پر آؤ اور علم ہیئات کی بڑی بڑی کتابوں کا مطالعہ کرو تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ زمین آفتاب کے گرد گھوم رہی ہے۔ آفتاب اپنی جگہ پر قائم ہے۔

یہ ایک بات یاد رکھو کہ زمین جو ایک لٹو کی طرح چرخ کھاتی ہے اور ایک ہی مقام پر ٹھہری ہُوئی وُہ گھومتی ہے بلکہ لڑھکتی ہُوئی اپنی جگہ بھی چھوڑتی جاتی ہے اور اس طرح ¼ ۳۶۵ دن میں آفتاب کے گرد اپنا دَورہ تمام کرتی ہے۔ زمین کی اس چال کو حرکتِ دولابی کہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے جاڑا برسات گرمی یا بہار کی رُت ہر سال برابر جاری ہے۔ اور ایک سال کی رُت میں جب زمین شمس کے گرد گھوم آتی ہے کل موسموں کا دَورہ بھی پُورا ہو جاتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رات اور دن کے ظہور میں آنے کا

باعث کیا ہے۔ آفتاب کہاں غروب ہوتا ہے اور کہاں سے طلوع کرتا ہے؟ پرانے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ آفتاب ایک نورانی رتھ پر سوار ہے۔ دن کو تو وہ فضائے آسمان کی منزلوں کو طے کرتا ہے اور جب شام قریب آتی ہے تو مغرب میں ڈوب جاتا ہے اور شب بھر آرام لینے کے بعد پھر صبح کو تازہ دم مشرق میں طلوع کرتا ہے۔ طلوع اور غروب دونوں لفظ جو اس وقت تک ہماری زبان کے روزمرہ میں داخل ہیں۔ اسی پرانے خیال کی ایک یادگار ہے۔ ورنہ علم ہیئت کی تحقیقاتِ جدیدہ کو خیال کرو تو یہ دونوں الفاظ جن سے یہ بات تراوش کرتی ہے کہ آفتاب زمین کے گرد چرخ کھاتا ہے بالکل بے معنی اور بیکار ہیں۔

اس قدر ذہن نشین کر لینے کے بعد کہ آفتاب ساکن ہے اور زمین اس کے گرد چرخ کھاتی ہے۔ تم رات اور دن کے عہد میں آنے کی وجہ کو آسانی سے سمجھ سکتی ہو۔ ایک آسان تجربہ بتاتا ہوں۔ لو اسی کو آزما کر دیکھ لو کہ رات کے بعد دن کس طرح آتا ہے اور زمین پر روشنی اور تاریکی کیونکر دورہ کرتی ہے۔ ایک بڑی گیند کو چراغ کی لو کے سامنے اپنے ہاتھوں سے دھیرے دھیرے گردش دیتی جاؤ۔ تم دیکھو گی کہ گیند کا آدھا حصّہ جو چراغ کے سامنے ہے وہ روشن ہے اور اس کے دوسرے حصّے پر جو اس طرف کو ہے اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ لیکن گیند کی گردش کی وجہ سے جو حصّہ ابھی روشن تھا وہ تاریکی میں چلا آتا ہے اور جو تاریکی میں تھا وہ روشنی کی طرف آجاتا ہے اور اس طرح یکے بعد دیگرے گیند کا ہر حصّہ اجالے سے اندھیرے اور اندھیرے سے اجالے میں آتا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح زمین کے چرخ کھانے سے جو آفتاب کے مقابل میں گھوم رہی ہے۔ دن کے بعد

رات اور رات کے بعد دن آتا ہے۔ غرض زمین جس کے ساتھ ہم خود گھوم رہے ہیں جب ہم کو آفتاب کے سامنے لاتی ہے تو دن ہوتا ہے اور جب اُس کا رُخ گردش کی وجہ سے بدل جاتا ہے تو آفتاب نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور ہمارے لئے رات آتی ہے۔

جس وقت آفتاب ہماری نظروں سے غائب ہو جاتا ہے۔ اُس وقت اس کو دُوسرے مُلک کے لوگ دیکھتے ہیں جو ہم سے مغرب کو واقع ہیں۔ غرضکہ ایک ہی وقت میں زمین پر کہیں شام کہیں صبح کہیں رات اور کہیں دن ہوتا ہے۔ جس وقت ہمارے ہاں دن ہوتا ہے اُس وقت امریکہ میں رات رہتی ہے۔ اور جب یہاں شام ہوتی ہے اور آفتاب ڈوب جاتا ہے تو امریکا میں صبح ہوتی ہے اور آفتاب طلوع کرتا ہے۔ غرض ہر مقام کا جدا گانہ وقت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ زمین کے ایک طرف کو رات رہتی ہے تو دُوسری جانب کو دن ہوتا ہے۔

زمین کے ہر حصہ پر رات اور دن کی مُدّت برابر نہیں ہوتی۔ کہیں ایک مہینہ کا دن اور کہیں دو ماہ کا۔ یہانتک کہ قطب شمالی اور قطب جنوبی پر چھ مہینہ کا دن اور چھ مہینہ کی رات ہوتی ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ زمین ½ ۲۳ درجہ آفتاب کی جانب کو جھکی ہوئی ہے۔ تجربہ میں تم اپنے گینہ کو چراغ کے سامنے ایک ذرا جھکاوو تو دیکھو کہ ادھر کا سرا باوجود گردش کے برابر روشنی ہی میں رہتا ہے اور دُوسرے سرے پر کسی طرح بھی روشنی نہیں پہنچ سکتی ہے۔ پھر اگر تم اپنی جگہ بدل کر خود ان کی دُوسری طرف کو چلی جاؤ تو دیکھو گی کہ گینہ کا حصہ جو روشنی میں تھا اُس پر اندھیرا چھا گیا۔ اور جو حصّہ تاریکی میں تھا اُس پر روشنی

دُور ہو گئی۔ اس طرح قطب شمالی میں جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو زمین کے جھکی ہوئی ہونے کی وجہ سے وہ چھ مہینہ تک صرف دائرہ اُفق ہی پر چکر کھاتا رہتا ہے اور اس کی خوشنما شعاع اجیرن ہو جاتی ہے۔

اس زمانے میں قطب جنوبی پر رات ہوتی ہے۔ لیکن زمین جو اپنی جگہ چھوڑتی جاتی ہے۔ جب آفتاب کے دوسری جانب کو چلی جاتی ہے تو قطب شمالی میں آفتاب غروب ہوتا ہے اور قطب جنوبی میں نظر آتا ہے۔ اور اس طرح زمین کے ہر حصہ پر رات اور دن کی مدت جداگانہ ہوتی ہے +

سید راحت حسین بی۔اے۔ بی۔ٹی

غزل

خواہش نہ زر کی اور نہ مطلوب جاہ ہے — درکار ہے تو اس کے کرم کی نگاہ ہے
یہ جو ستم کشِ تپِ اُلفت کا ہے نشاں — دل جل رہا ہے اور کلیجہ سیاہ ہے
اس کے فراق میں ہیں بلا کی مصیبتیں — دل کو قلق، جگر میں خلش، لب پہ آہ ہے
اُترا ہوا ہے عبرت و حسرت کا قافلہ — روندی ہوئی ہمارے لحد کی گیاہ ہے
یکساں ہمارا یہ آنا نہ آنا شبِ وصال — خاموش آپ بیٹھے ہیں نیچی نگاہ ہے
بابِ کرم کشادہ ہے بیچارہ نہ جائیے — پیرِ مغاں کی شیخ جی یہ بارگاہ ہے

محوی نہ ہوسکے تیرے بُتانِ جفا شعار
کمبخت بیوفاؤں کی کیوں تجھکو چاہ ہے

—— محمد حسین محوی لکھنوی تلمیذ حضرت شوق

کاغذی گھوڑی

مائی ڈیر رام چندر! مخزن میں مشتہر کر کے جو بارِ احسان آپ نے
میرے کندھوں پر رکھا ہے میں اس سے سبکدوش ہونا چاہتا
ہوں۔ آپ نے میری بابت تو بی۔ ڈی وغیرہ لکھ دیا۔ مگر یہ
لکھنا شاید بھول گئے کہ آپ اپنے نام کا اختصار کرتے ہوئے
آر۔ سی سے ڈرتے ہیں۔ (واس)

مسٹر رام چندر سے میری شناسائی پہلے پہل پنڈت بدیا ساگر کے مکان پر ہوئی۔ انٹروڈیوس کرنے والے نے کہا تھا۔ مسٹر رام چند حال تاجر اور حاضرین مسکرائے۔ ہر بزم کی خاص اصطلاحیں ہوتی ہیں اور ایسے فقرات کا مطلب وہی سمجھ سکتے ہیں جو اُن اصطلاحوں سے واقف ہوں۔ مجبوراً مجھے دریافت کرنا پڑا کہ حال کے اصطلاحی معنی کیا ہیں۔

پنڈت بدیا ساگر۔ وہی جو اس کے لفظی معنے ہیں۔ مسٹر رام چندر مستقل مزاجی سے پیشہ تبدیل کرتے ہیں کہ اس لفظ کا استعمال لازمی سمجھا جاتا ہے۔ کوئی محکمہ کوئی ملک ایسا نہیں جہاں یہ نہیں گئے۔ ان کی پوری تعریف کرنی ہو تو آپکو کہنا پڑے گا مسٹر رام چند تاجر۔ سابق سرو فرملٹری ورکس۔ سابق گارڈ یوگنڈا ریلوے۔ سابق انسپکٹر پولیس۔ اور اسی طرح جس محکمہ کا نام آپکو یاد ہو۔ ایزاد کرتے جائیں اور میں شرطیہ کہہ سکتا ہوں کہ آپ کہیں غلطی نہ کرینگے۔

وقتاً فوقتاً مسٹر رام چند اپنے محکموں کے تجربات اور مشاہدات سے ہمیں محظوظ فرمایا کرتے تھے۔ اور اگر ضرورت پڑی تو اِن میں چند ایک

ناظرین مخزن کے مطالعہ سے گذرینگے۔ فی الحال میں اُن کا ایک تجربہ بیان کرونگا۔ جو عنقاتابی واقع ہوا۔ مسٹر رام چند نے میری کہانی میری زبانی بیان کی ہے اور میں اس فرض کو انہیں کے سکہ میں ادا کرونگا۔

یہ کہانی آپ نے کاغذی گھڑی کے متعلق بیان کی تھی۔

مسٹر رام چند۔ "یہ گھڑی ؟ مجھے افسوس ہے میں اس کے ملنے کا پتہ آپکو بتلا نہیں سکتا۔ مجھے ایک دوست سے بطور تحفہ ملی تھی۔ اور اس پر بنانے والے کا نام بھی کندہ نہیں۔ میرا خیال ہے۔ یہ امریکہ کی ساخت ہے۔ وہاں کاغذ سے بہت سی اشیا بنتی ہیں۔ کاغذ پر بوجھ ڈال کر ایسا سخت بنا دیتے ہیں کہ لوہے کا کام دے سکتا ہے۔ تار کے بتلے کاغذ سے بنتے ہیں۔ ہلکے پن اور مضبوطی میں ان کی نظیر نہیں۔ کبھی زمانہ سنگین تھا۔ کبھی آہنی۔ آجکل کاغذی زمانہ ہے۔ باریک سے باریک دھار کے اُسترے اور چاقو کاغذ سے بنتے ہیں"۔

میں۔ آپ اُس دوست سے اب اس کے ملنے کا پتہ دریافت نہیں کر سکتے۔

مسٹر رامچند۔ (دم سرد بھر کر) اب مجھے معلوم نہیں وہ کہاں ہے۔ مسٹر چندا یہ ایک بڑی عجیب داستان ہے۔

میں۔ میں ہمہ تن گوش ہوں۔

مسٹر رامچند۔ (مسکرا کر) خوب۔ پھر کچھ سوچ کر۔ اچھا سن لیجئے۔ اب اس بات کو عرصہ ہو گیا۔ اور اس ڈرامے کے ایکٹروں میں سے میرے سوا ہجگہ کوئی اور موجود نہیں۔ میں یہاں ملٹری ورکس میں ہیڈ کلرک ہو کر آیا تھا۔ مسٹر مارٹن اگزکٹو انجنیر تھے۔ بڑے خلیق اور بہت

خوش مزاج آدمی تھے۔ پہلے پہل مجھ سے یہی سوال کیا۔ "ویل مسٹر رامچنڈ ہم تُم کو کیا بولیگا"۔ یہ معمّہ میرے لئے لاینحل تھا اور میں نے گزارش فرمانے کی التجا کی۔ وُہ پھر بولے "ہم تُم کو۔ را۔ بولیگا یا۔ چنڈ۔ بولیگا" مَیں نے عرض کی کہ مجھے رام کہہ لیں یا چند۔ اور صاحب بہادر ہنسی سے بیتاب ہو گئے۔ مَیں حیران تھا کہ انہیں کہیں خلل دماغ تو نہیں۔ جب اُن کا مزاج کچھ ٹھہرا تو فرمایا "ویل رام۔ تُم حیران ہوگا صاحب ایسا کیوں ہنسا۔ دیکھو ہمارا پاس تین کلرک تھا۔ ایک کا نام احسان اللہ تھا۔ ہم اسکو اپنا ماتحت بلایا مسٹر اللہ۔ مسٹر اللہ۔ اور وُہ تینوں لوگ بہت ہنسا۔ بہت ہنسا اور بولا۔ صاحب ہم کو احسان بولیگا۔ اللہ تعالےٰ آسمان پر ہے۔ پھر دوسرا دفعہ ہم کو دوسرا آدمی سے کام تھا۔ اُس کا نام الٰہی بخش تھا۔ ہم اُسکو بولا۔ الٰہی۔ الٰہی۔ اور وُہ لوگ پھر ہنسا اور بولا۔ صاحب کفر بولتا ہے۔ صاحب اسکو بخش بولیگا۔ آ۔ تیسرا لوگ کا نام غلام نبی تھا۔ ہم اُسکو بولا۔ غلام۔ غلام۔ اور وُہ لوگ ہنسا۔ ہم بولا نبی نبی تو وُہ اور زیادہ ہنسا۔ اور بولا۔ اکیلا نبی ٹو۔ گاڈ اکیلا غلام ٹو بیڈ۔ اکیلا غلام بہت خراب۔ اکیلا نبی کہلانے کا ہم حقدار نہیں۔ ہمارا نام ٹکڑا ٹکڑا نہیں ہو سکتا۔ ہم بہت گھبرایا۔ پھر جب انڈیا کا ڈاک آیا تو ہمارے پاس آیا۔ سب کا نام کا پہلے بی لکھا تھا۔ ہم بولا بی احسان اللہ۔ بی الٰہی بخش۔ بی غلام نبی۔ اور وہ لوگ ہنسا ہنسا بے تاب ہوگیا۔ حرف بی صاف لکھا تھا۔ لیکن وُہ لوگ بولا۔ "بی نہیں بولیگا۔ بابو بولیگا۔ جس ماتحت ہم [illegible]

مسٹر بولیگا۔ بی کا معنی میڈیم ہوگا۔ بی جوسٹ کو بولیگا۔ تم سمجھا؟ اب ہم پہلے نام پوچھتا اور خوب پوچھتا۔ میرا خیال ہے مسٹر جگوانداس آپ کے نام پر بھی اُسے یہی دقت پیش آتی"۔

میں۔ لیکن میں نے اب پیش بندی کر لی ہے۔

مسٹر رامچندر۔ اگر کوئی اہلِ دنیا کے ناموں کا مطالعہ کرے تو دلچسپی سے خالی نہ ہو۔ انگریزوں کے نام دیکھئے۔ چھٹی کی طرح ایک سرنام درکار ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ سرنام تھوڑے عرصہ میں فضول اضافہ رہ جائیگا۔ ایک مارٹن سے ایک نسل میں اگر دو مارٹن بنیں تو دوسری نسل میں چار۔ تیسری میں آٹھ۔ چوتھی میں سولہ۔ پانچویں میں ۲۰ بتیس اور اس طرح بیس نسلوں تک بیشمار مارٹن ہو جائینگے۔ اور پھر یہ سرنام بجائے خود بڑے عجیب ہیں۔ ڈکشنری لیکر ان ناموں کے معنے دیکھو۔ بلیک وڈ کالا جنگل یا کالی لکڑی۔ واٹر فیلڈ۔ پانی کھیت۔ عجیب نام ہیں۔

سرنام کی دقت شائد سب سے پہلے اہل گوا کو محسوس ہو۔ وہاں پادریوں نے عیسائی کرتے وقت ہندوستان کی طرح مسٹر جمّبہ مسٹر ننھو۔ مس رجّی وغیرہ نام نہیں رہنے دیئے۔ بلکہ ہر ایک پادری نے نئے عیسائیوں کو اپنا اپنا نام سرنام کی جگہ دیا ہے۔ اور اب ملک گوا۔ ڈی سوزا۔ اور فرڈنینڈز وغیرہ ناموں سے ٹپا پڑا ہے۔ پادریوں کی تعداد کچھ زیادہ نہ تھی۔ انگلیوں پہ گنے جاتے تھے اور ہزاروں کو ان کا نام اختیار کرنا پڑا۔ مگر سب سے عجیب نام جو میں نے سُنے ہیں وہ مشرقی افریقہ کی میانمیزی قوم میں ہیں۔ جب پہلے پہل یوگنڈا ریلوے پہ کام شروع ہوا تو میانمیزی قلی منگوائے گئے۔ یا تو ان لوگوں کا

ہیں نام کا رواج ہی نہ تھا اور اگر تھا تو اہلِ ہند کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ ٹائم کیپروں کو ان کا نام آپ رکھنا پڑا۔ اور جو لفظ اُن کے خیال میں آیا۔ نام رکھدیا۔ پہلے تو گھر کے سامان سے شروع کیا۔ کسی کا نام صندوق اور کسی کا کمبل رکھدیا۔ مگر یہ نام جلدی ختم ہوگئے اور پھر دنوں کے نام ہفتہ۔ اتوار۔ سوموار وغیرہ یہ تو کل گنتی کے سات نام ہیں۔ پھر وقت شروع کیا۔ کسی کا نام بارہ بجے ہے اور کسی کا ڈھائی بجے۔ کسی کا صبح۔ کسی کا شام۔ کسی کا نصف شب یہ ذخیرہ ختم ہوگیا تو متفرقات شروع ہوگئے۔ اب گرم پانی۔ آٹھ آنے۔ چونی۔ دونی۔ ولائتی پرندہ۔ بندوق کھلا دروازہ۔ اور بند کھڑکی وغیرہ نام مقرر ہونے لگے۔ اور اب تک جاری ہیں۔

میں۔ "گر وہ کاغذی گھڑی"؟

مسٹر راچند۔ ہاں وہ کاغذی گھڑی۔ جن دنوں میں عدن میں آیا ہوں تو میرے پاس کوئی نوکر نہ تھا اور میں نے سوچا کہ مزدوروں میں سے ایک آدمی کو جو کھانا پکانا جانتا ہو لے لونگا۔ اِس خیال سے میں اُس طرف گیا جدھر مزدور کام کر رہے تھے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک لڑکی اور ایک چھوٹا لڑکا آپس میں کھیل رہے ہیں۔ اُس کی عمر گیارہ بارہ برس سے زیادہ نہ ہوگی۔ عدن میں اور عدن کیا تمام افریقہ میں ہندوستانی عورت ایسی نظر آتی ہے جیسے جنگل میں پھول۔ مہ وشانِ یورپ کو آپ ہر کہیں دیکھینگے۔ ویران جنگلوں میں دشوار گذر پہاڑوں میں۔ کوئی جگہ ان سے خالی نہیں۔ مگر ہندوستانی عورت نایاب منظر ہے۔ جو اہلِ یورپ وطن سے سیدھے افریقہ کو آتے

ہیں برقعہ پوش عورت کو دیکھکر عجب لُطف دکھلاتے ہیں۔ پہلے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہیں۔ اور پھر کبھی دائیں اور کبھی بائیں۔ کہ یہ کیا چیز ہے۔ ایک کو تو میں نے ایسا کہتے سُنا کہ یہ واکنگ ٹنٹ (چلنے والا خیمہ) عجب ایجاد ہے۔

اُس لڑکی کا لباس کچھ ایسا اچھا نہ تھا۔ مگر حُسنِ صُورت کسی چیز کا محتاج نہیں۔ کہتے ہیں ع رنگ لایا ہر دوپٹہ تیرا میلا ہو کر۔ بادلوں میں نیم پوش چاند اور بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اور اُس کی بھولی صورت پر لباس کی سادگی بھی سماں دکھلاتی تھی۔ سادہ فانوس میں شمع کی چمک کچھ تیز ہی دکھلائی دیتی ہے۔ اور اگر اُس کا حُسن درندی کا مرہونِ منت اور جلا ہے کا شرمندۂ احسان نہ تھا تو کچھ خسارہ میں بھی نہ تھا۔

دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ ایک مزدور کی لڑکی تھی۔ باپ اور بڑا بھائی دونوں کام کرتے تھے۔ باپ کا نام تُلسی تھا۔ بڑے بھائی کا نتھو۔ چھوٹے کا بشیر۔ اور اپنا نام ویرو۔ والدہ مر چکی تھی۔ تُلسی کھانا پکانا جانتا تھا اور میں نے اُسے کام سے ہٹا کر اپنے پاس رکھ لیا۔ اب وہ میرے پاس ہی دن بھر رہتا تھا اور بشیر اور ویرو بھی دن بھر وہیں کھیلتے۔ وہ دن عجب چین میں گذرے۔ شام کو جب میں دفتر کا کام ختم کر کے گھر آتا تو تمام تھکاوٹ دُور ہو جاتی تھی۔ یہ لُطف مگر اُسی دم تک رہا جب تک میری نگاہ صاف رہی۔ اور میری نگاہ بھی دیر تک صاف رہتی۔ اگر ایک واقعہ نہ ہو جاتا۔ وہ لڑکی دم بھر میں بچہ اور دم بھر میں جوان معلوم ہوتی۔ اور میری خوشی صرف اُس کو دیکھتے رہنے میں تھی۔

(باقی آئندہ)

مُکٹ دھنباد

شری نیکیتمان مہاراج دھراج دیش سوامی جارج پنجم و مہارانی دھرانی دیش دیوی بھارت ماتا مہارانی میری

مولینا سید احمد حسن صاحب شوکت میرٹھی ایک قادر الکلام بامذاق اور سخنور اور پرانے اہل قلم اصحاب میں ممتاز بزرگ ہیں اور ان کے کلام سے تجدید السنۂ مشرقیہ کا دعویٰ بھی حق بجانب ثابت ہوتا ہے۔ صاحب ممدوح نے ہمیں ایک بھاشا نظم تہنیت جلوس و تاج پوشی ملک معظم قیصر ہند دام ملکہٗ پر مخزن میں شائع کرنے کے لئے ارسال کی ہے۔ نظم کیا ہے سلکِ جواہر ہے۔ جس میں ہندوستان کی پاکیزہ ترین قدیم زبان برج بھاشا کے انمول جواہرات پروئے ہوئے ہیں۔ اور برجستگیٔ مضامین کے ساتھ بندش الفاظ کی درستی ایسا حسن ہے کہ خاص اس نظم کا حصہ ہو گیا ہے۔ اگرچہ ملک معظم قیصر ہند کی تشریف آوری ہندوستان اور اورنگ نشینی کا جشن منانے کے موقع پر ہر زبان کے صدہا خطبات۔ قصائد۔ اور نظمیں پڑھی جائینگی اور پیش ہونگی۔ لیکن یہ نظم غالباً سب سے اچھی اور اچھوتی اور اخلاص سے بھری ہوئی ثابت ہوگی۔ ہم اپنے کرم بزرگ شوکت صاحب کے کمال شکرگذار ہیں کہ انہوں نے مخزن کو اس نظم کی ودیعت کے لئے منتخب کیا۔ اور امید ہے کہ آیندہ بھی وہ

اپنے نتائج افکار سے مخزن کے صفحات پُر از گل و ریاحین کرتے رہیں گے۔

(ایڈیٹر)

جناب ایڈیٹر صاحب مخزن!

آپکو معلوم ہے کہ میں مجدد السنۂ مشرقیہ (اورینٹل رفارمر) بھاشا ولی کا اوتار اور کرشن ہوں اور اردو۔ فارسی۔ عربی میں مثل شعرائے سلف اعلیٰ درجہ کی نظم و نثر لکھ سکتا ہوں اور لکھکر اخباروں اور رسالوں میں شائع کر چکا ہوں۔ مذکورہ بالا زبانوں میں تو اپنی لبٹ و حیثیت کے موافق دوسرے شعرا بھی لکھ سکتے ہیں۔ کہ بھاشا زبان میں اس پایہ کی نظم لکھنے والا ہندوستان میں ایک بھی نہیں اور چونکہ بھاشا کروڑوں ہندو جاتی کی میٹھی اور سوہنی زبان ہے۔ پس میں نے ہز مجسٹی ملک معظم اور ملکہ معظمہ کی تہنیتِ تاجپوشی میں بھاشا ہی کے میدان میں توسنِ قلم کو گرم مہمیز کیا اور مندرجہ ذیل نظم لکھی۔ نہ مجھے خطاب کی خواہش ہے نہ تمغے کی ہوس۔ شمس العلما وغیرہ خطاب یافتہ بہت سے موجود ہیں اور ہو جائینگے۔ مگر میرا کمال علم و فن ایسے انعامات سے بہت اعلیٰ و ارفع ہے۔ کیونکہ مجھے پبلک نے اورینٹل رفارمر کا اعلیٰ خطاب عطا کرکے تمام خطابات سے ممتاز و مستغنی کر دیا ہے ؎

نسیۂ نقد دو عالم کی حقیقت معلوم — لے لیا مجھ سے مری ہمت عالی نے مجھے

اگر ہندوستان میں کوئی شخص ایسی نظم لکھدے تو میں پچاس روپے انعام دینگا کرتا ہوں۔

سن سن پون چلت چوپائی — کو شومت راج نو یدن لائی

گھومت گرجت نبھ گھن برست — سو پا برست کنچن برست
کال گیو اب برست او سلے — سگری پرجا موتی رو لے
بادل جھومت بجلی کڑکت — ڈست اسنت کی چھتیں دہڑکت
مول کند پھوٹ اپجت ایسے — دو پا بڑہت ہیں سجن جیسے
برست بادل کارے کارے — ندی تلاو اُلٹت ہیں دھارے
رس ہس نبھ دامنی دمکت — آس پاس جل جگنوں چمکت
ڈالی ڈالی مولا گاوت — وید منتر جس بپر سناوت
دیکھت جھکت ہیں نین ڈورے — جل بچ جلیج ہیں مدہ کے کٹورے
پھولت چمپا اپجت بیلی — گجرے پہنت سگری ہیلی
دادر جھینگر گھن گن گاوت — مدہو کر بن مدہ من للچاوت
کرت پپیہا پی تو پی تو — کوئل کوکت کوکو کوکو
مور وا نرت کرت بن ماہیں — کوسوں ڈھونڈت کاگا ناہیں
جنگل جنگل پھول کھلت ہیں — کند سینہ سے مول پات ہیں
چمن پرابت سے بنے من بھولا — نر ناری مل جھولت جھولا
رین رشی سکھی دیکھت بھورا — چندر سے جس آنند چکورا
گھن جل اتھاہ سمندر ہیں کیسے — گربھت گیانی ہری ہیں جیسے
رین دنان نبھ جگمگٹ بادل — چندر اور سورج کے گھونگٹ بادل
لندن وشا مہاتما دھارن — سندر شوبھا راج کے کارن
دھن مہاراجا جارج پنجم — راج کرو مہا پرلے تک تم
دہلی تکھت پہ دم دم دھارو — نت نت دھارو جم جم دھارو
جیو سے تن ہیں پراجے تم ہو — راجوں کے مہاراجے تم ہو

ہمرے نین اور چرن تمہارے   جے جے دمن۔ دمن بھاگ ہمارے

تمکو سیں راج استھان براجت   شو بہار راج تمہیں کو ساجت

ایشور شکتی کاج میں تمرے   سورج چھپت نہیں راج میں تمرے

دمن دیوی میری مہارانی   تمرے بیری کی جگت میں ہانی

بھارت ماتا کی ماتا تم ہو   دیش بدیش کی داتا تم ہو

دیش کی گوتموں کے سگرے بچے   تمری سیوا کے ہیں سچے

تمری برہ میں سگرے مگن ہیں   راج سے تمرے لگائے لگن ہیں

تمرے بچے ودیا پاوت   راج استھان سے چت ہیں لگاوت

ودیا کا دیا بالا تم نے   کر دیا دیش اجالا تم نے

اتر دکھن پورب پچھم   برٹش راج استھان گرت تم

سین پہ تمرے مکٹ ہے ایسے   مکٹ اکاش کا سورج ہو جیسے

بھاری بھرکم تمرا کھانڈا   ڈسٹ کا جس سے پھوٹت بھانڈا

دیش پہ تمری کرپا سیتی   جل کی شرن پھلت جس کھیتی

تمرے کو نیوت شامی رومی   تمری دیا میں جگت کی بھومی

مول تمہارا بیاج تمہارا   چکرورت ہو راج تمہارا

پرلے تک تم دیش میں دھارو   دیش کی نیا پار اتارو

دیش کا شدرہ ہو کاج تمہیں سے   اسکو ملے سوراج تمہیں سے

پونڈری کے ہیں ہو مر شوکت
بھاشاؤں کے کوشیر شوکت

مجدد السنہ مشرقیہ شوکت میرٹھ

تہنیتِ تاجپوشی

مرحبا اے آمدِ بادِ بہاری مرحبا — اے نزولِ رحمت و الطافِ باری مرحبا
اے حلولِ جان بجسمِ شہریاری مرحبا — اے بہ ملکِ ہند رسمِ تاجداری مرحبا

جارج پنجم چوں بہ تختِ ہند و دہلی نشست
تخت و بختِ ہندیاں را نقش برکرسی نشست

این دو صد سالی کہ تا ایندم بپایان آمدست — دودہ ات دادہ عنانِ ملکِ ہندستاں بدست
ماندانیم اینکہ ما را بر چگون فرماندہ است — شکر للہ کو ترا آمادہ بر وے ساختست

تا دوامی دیدگان صاد این ہر دو صدی
از جمالِ قیصری یابند نورِ سرمدی

وہ چہ قیصر قد دلہا زانکہ آباداں ترست — واز لقائش ہر دلِ ناشاد ماں شاداں ترست
ہر کہ قدرِ او نداند در جہاں ناداں ترست — بندہ اش شد ہر کہ از بندِ غم آزاداں ترست

مُلک و دولت جاہ و حشمت سطوت و عز و جلال
ہر چہ دادندش بروں است از حد و وہم و خیال

گر ترا شاہنشہ شاہانِ عالم کردہ اند — ہم مرا مدحت گر ایں خیر مقدم کردہ اند
بر زمیں شاہاں سرِ تسلیم اگر خم کردہ اند — آیتِ نصرت ملائک از فلک ہم کردہ اند

زانکہ ہستی قصرِ عدل و ہا و را ذات العماد
ذات والا یت عمودِ سلطنت تا دیر باد

بودہ در باغِ ہستی آن درختِ باردار — میخورد یک عالم از وے میوہ ہائے خوشگوار
سایۂ اش راحت رسانِ خلق چوں ابرِ بہار — زانکہ ہستی در حقیقت سایۂ پروردگار

حق ترا بنواخت و تو خلق را بنواختی
ساخت حق کارِ ترا تو کارِ عالم ساختی

نے فقط شاہنشہِ ہندوستانت کردہ اند یورپ و افریقہ و امریکہ آنت کردہ اند
تاج بخشِ تاجدارانِ جہانت کردہ اند حکمراں بر حکمرانانِ زمانت کردہ اند

بسکہ داری بہتر اوصافِ رعایا پروری
زاں سبب بخشید حق بر سرورانت سروری

ہیچ ملکے نیست در دنیا چو ملکت شاد تر ہیچ جائے نیست در گیتی چنیں آباد تر
ہیچ سلطانے نباشد چوں تو ذوالارشاد تر چوں رعایایت نباشد دیگرے منقاد تر

ہر چہ ہست ایں در حقیقت ثمرۂ عدل است و داد
آنچہ در صلبِ بناکانت ودیعت حق نہاد

چیست تا شاہنشہِ شاہاں ترا ورزیدہ اند چیست تا راس السلاطین مر ترا نامیدہ اند
وسعتے در سلطنت چنداں ترا بخشیدہ اند شاہ خاور را ہم از خدمتگرانت دیدہ اند

گر نباشد نور بر ملکے ز ملکِ آنجناب
تابد ار بر سطحِ گردوں نیست تابِ آفتاب

ایں ہمہ فیضِ بزرگانت ہمی آید بنظر ایں ہمہ از کارِ آبایت ہمی بخشد خبر
ایں ہمہ از ورثۂ ایشاں ترا دادند اگر ہم ترا تقلیدِ شاں فرمودن است اندر نگر

شاد باش از تخت و بخت و شغلِ عدل و داد دار
ملک را آباد دار و ملکیاں را شاد دار

گر کسے پرسد ز من از حالتِ ایں مملکت در اصولِ نظم و نسق و عدل و جود و مکرمت
گویمش از صدقِ دل حاشا بروئے معدلت در حقیقت رحمتِ حق ہست بر ایں سلطنت

حیف بر آناں کہ از ناقدرِ او نشناختند

نعمت بخشیدۂ حق رائگاں در باختند

ورنہ ایں اقلیم ہند و ایں تجلی از کجاست　　علم و فضل و دانش و سعی تعلی از کجاست
بیں مدارس ایں مطب ایں تار برقی از کجاست　　ایں منارک ایں مراکب در ترقی از کجاست

در مقام خشک ہر سو نہرہا جاری ببیں
رقبۂ مرطوب ہم از زہ عاری ببیں

ایں فزائش ہا کہ بینی در زراعت بودگے　　ایں ترقی ہا کہ بینی در تجارت بودگے
ایں تکلفہا کہ بینی در عمارت بودگے　　ایں تدبر ہا کہ بینی در عدالت بودگے

ہیچکس از ماست کو بشنید ایں فونوگراف
ہیچکس از ماست کو بکشید ایں فوٹوگراف

اینقدر نعما کہ گفتم ہست ثمرے از ہزار　　کاں شمارا در تمدن روز و شب آید بکار
شکر ہر یک بر شما واجب ہست از کردگار　　گر ادا کردید رستید از غم روز شمار

چیست تدبیر ادا بودن مطیع بادشاہ
از تمرد ہا نکردن دین و دنیا را تباہ

ما اگر ہستیم در راہ وفا ثابت قدم　　ہست شاہنشاہ باہم چشمۂ جود و کرم
بعد ازیں کل عالمان و قابلان ہند ہم　　در امور سلطنت خواہند زد دم دمبدم

اے برادر نیست آساں لیکن ایں کار سترگ
کن بزرگاں را بزرگی گر شدند ہیچ اے بزرگ

ورنہ محض از علم و دانش خویش را آراستن　　بر بزرگاں جستن و جائے بزرگاں خواستن
ہست قصد علم و فضل و عقل و دانش کاستن　　خویشتن را در لباس سرکشی پیراستن

نیست ایں استطلاب بیش از سودائے خام
بلکہ ہست ایں سد راہ کامیابی بالتمام

هست میگویم بسوے اعتقادِ مذہبی هست ابلیس از اجنه آنکه شخصے اجنبی
آنقدر در علم و فضل او بُدست والا منصبی میگرفت از وے سبق ہر یک ز کُل چوں صبی

در دمے شد رانده درگاهِ ربّ العالمین
از تمرد آنکه جایش به چرخ ہفتمیں

ہم ازینجا فرض بر ما طاعت ربّ العلاست ہم ازینجا فرض بر ما اقتداے مصطفےٰ است
ہم ازینجا فرض بر ما اتباعِ بادشاست تمک کردن یکسان ازیں ہر سه بغاوت بخداست

نیست غم چنداں اگر کردیم دنیا را خراب
ہست در روز جزا دادن خدا را ہم جواب

گرچه ہست اینجا مرادِ سخن با مسلمیں زانکه میدارند ایشاں کتاب الله یقیں
دیگراں ہم گر شمارندش بجانش ہمقریں یعنی کل ہندی برادر حیثیت بشنو ازیں

ہست ناطق اندریں معنی اگر قرآنِ پاک
دیگراں را مستفید از وے شدن دادن چه باک

ہست در مذہب کسے را با کسے گر اختلاف نیست ایں وجهِ ملال و رنجش و جنگ و مصاف
اہل یورپ را نگر با ہمدگر و بیں ائتلاف گرچه در مذہب یکے با دیگری دارد خلاف

وائے بر ما ہندیاں کاناں برینغ رانکیں
روز و شب با ہمدگر بر پا ہمیدارند جنگ

میشود برباد از آں سعی آبرو و مال و جاں زیں طرف در کشمکش سازگر دهِ حکمراں
آخرش زیر قصاص کی سندیا بند گراں بیخ کیں محکم کنند اندر دلِ پیر و جواں

تا قیامت برگ و بار او شود سوہانِ روح
زانکه استیصالِ او را ہست کافی عمرِ نوح

گر بخیر مقدمِ شاہنشهِ والا تبار ہر طبق از ہندیاں قائم کنند ایں یادگار

کاین نفاق قوم و مذهب دفع سازند از دیار   تا رود راضی شهنشاه و شود خوش کردگار

میتواند شد همین یک خوشترین نذرانه

یادگار آمد شما را همین افسانه

آن شهنشاهی که چون شد عازم هندوستان   ابر رحمت بار را کردند از اول روان

تا دهند از پیش پیش خیمهٔ شاه جهان   تا نماید ملک را شاداب تر از هر کران

ورنه بُد ز امساک باران کل زمین خاکستری

واز برای نام بد در دیدهٔ مردم تری

شکر لله کو به یمن مقدم آن شهریار   کرد ما را از غم قحط و گرانی رستگار

بارش باران رحمت باز این آن کردگار   کان کند ما را حیاتی در تن زار و نزار

می وزد باد خنک هر جا که بنشینیم ما

سبزه زاری در نظر هر سو که می بینیم ما

آن شهنشاهی که در شان رعایا پروری   نیست شاهان را بدو تاب و توان همسری

هم از اینجا هست این تکلیف تشریف آوری   تا کند خود بر رعایا ظل شفقت گستری

تحفهٔ مرقومهٔ بالا دهند از خاص و عام

خوش خوش از اینجا رود شاهنشه والا مقام

ورنه باز است این فساد و فتنه باز این دگر   باز این جنگ و جدل باز این فغان است و نفیر

من نمی دانم که چندان است سر جوش این ضمیر   میتوانم یافت کز هر قطعهٔ ملک این نظیر

ای برادر هست وقت اتفاق و اتفاق

دور کردن باید از ملک این نفاق و این شقاق

نیست شایان حمله کردن بر حقوق همدگر   زانکه بر ما و شما هست آن شهنشه دادگر

میرسد کز نیک و بد هر لحظه اش زینجا خبر   نیست هرگز حالت یک ذره وبر وی مستتر

آنچہ در دلہاست مارا پیش از طرزِ عمل
میرساند اہلکارانش بلا ردّ و بدل

پس ما زاں رو کہ سازیم انجمن قائم ازاں — کے تواند بود غافل ایں گروہِ حکمراں
کز زمیں بگذشتہ میگیرد خبر از آسماں — میکشاید راہ بر مریخ و مہ از کہکشاں

پس ز ہر نیک و بدِ ما واقف ایں ما زواست
بہتر از وے ہست اگر دانا تری ذاتِ خداست

شد پئے اصلاحِ حالِ ہندیاں جولانگی — اتباعِ بادشاہ و اتفاقِ باہمی
ما ہمہ را تکیہ کردن ہم بفرطِ شیدی — بر سرِ آغاخان و مسٹر گوکھلے باید ہمی

تا پئے ایں ہر دو کار ایں ہر دو سردارانِ قوم
میتواں کردن بپا چندیں انجمن در چند یوم

قائم از ایں انجمنہا شد بکل ہندوستاں — زیں چمنہا گلشنش زیبا بود جنت نشاں
آورند از ہر چمن گلدستہ در ارمغاں — افگنندش بر سر و دوشِ شہنشاہِ جہاں

تا نماید بوئے آنہا تر دماغِ بادشاہ
تا ببیند رنگ آنہا خوشتر اندر نگاہ

بسکہ بر نادانی خود خود مرا ہست اعتراف — نیست ہرگز قابلِ قدر ایں من لاف و گزاف
گفتہ ام من از رہِ انصاف لیکن صاف صاف — بے تعصب بے تکلف بے تملق بے خلاف

گر قبول افتد ذبیحِ زار مشکور است
ور نیفتد نیست غم کایں از من اجر از خداست

محمد اسمٰعیل ذبیح چھپراموی (ضلع فرخ آباد)

دربارِ دہلی

اگرچہ یہ نظم اور اخباروں میں بھی شائع ہو گئی ہے۔ لیکن طالب صاحب کی مرسلہ نقل کے خیال سے اور ناظرین مخزن کو اس سے مسرور کرنے کے واسطے ہم اسے ذیل میں درج کئے دیتے ہیں:۔

دہلی ہے آج بزمِ سلیماں بنی ہوئی — رشکِ نعیم۔ رشکِ پرستاں بنی ہوئی
بادِ صبا ہے۔ بادِ بہاراں بنی ہوئی — کہتی ہے خلق شوق سے شاداں بنی ہوئی

جب تک فلک پہ مہرِ منور کا راج ہو
فرماں روائے ہند شہنشاہ جارج ہو

کہتے تھے لوگ پہلے جسے ہستنا پوری — پہلے جو راجدھانی تھی اہلِ ہنود کی
کرتا تھا پرتھی راج جہاں پہلے خسروی — آج آتی ہے وہاں سے صدائے طرب یہی

جب تک فلک پہ مہرِ منور کا راج ہو
فرمانروائے ہند شہنشاہ جارج ہو

اسلام کا رہا تھا جہاں پہلے تخت و تاج — کرتے تھے جس میں اکبر و اورنگ زیب راج
دیتے تھے لوگ شاہجہاں کو جہاں خراج — آتی ہے گونج واں سے ندائے نشاط آج

جب تک فلک پہ مہرِ منور کا راج ہو
فرمانروائے ہند شہنشاہ جارج ہو

وکٹوریا دی گڈ کا نبیرہ۔ جہاں پناہ — ایڈورڈ صلح کن کا پسر شاہِ کج کلاہ
منظور ہے ہمیشہ جسے ہند کی رفاہ — کہتے ہیں صدق دل سے یہی اسکے خیرخواہ

جب تک فلک پہ مہرِ منور کا راج ہو

فرمانروائے ہند شہنشاہ جارج ہو

ہندو ہیں شادکام سدا اس کے راج میں مُسلم ہیں اُس کے مدح سرا اس کے راج میں
آرام سے ہے خلق خدا اس کے راج میں ہر قوم کی یہی ہے دُعا اس کے راج میں

جب تک فلک پہ مہرِ منور کا راج ہو
فرمانروائے ہند۔ شہنشاہ جارج ہو

سرشار ہو شرابِ مسرت سے عام ہند آمد سے شاہ کی ہو منور تمام ہند
دربارِ تاج پوشی سے ہو شادکام ہند حق سے دُعا گذار ہو یہ۔ صبح و شام ہند

جب تک فلک پہ مہرِ منور کا راج ہو
فرمانروائے ہند۔ شہنشاہ جارج ہو

گیارہ کے سن میں ماہِ دسمبر کی بارویں ہندوستاں میں سعد مبارک ہو بالیقیں
نوروز سے یہ روزِ دل افروز کم نہیں آواز آرہی ہے یہی آج ہر کہیں

جب تک فلک پہ مہرِ منور کا راج ہو
فرمانروائے ہند۔ شہنشاہ جارج ہو

رنج والم سے دُور ہو ہندوستان آج وُہ کون ہے جو دل سے نہیں شادمان آج
گاتا ہے۔ گاڈ سیو دی کنگ اک جہان آج ہر شخص ہو۔ خدا سے یہ طالب ہر آن آج

جب تک فلک پہ مہرِ منور کا راج ہو
فرمانروائے ہند۔ شہنشاہ جارج ہو

(طالب بنارسی ازبمبئی)

مُبارکباد

جشنِ تاجپوشی ہز امپیریل مجسٹی اعلیٰحضرت ملکِ معظم جارج پنجم قیصرِ ہند

خلد اللہ ملکہ

دیکھنا نشو و نما سے خوبیٔ فصلِ بہار	کر نوا سنجی بلبل نے کھلائے گل ہزار
خندۂ گل کی گلستاں میں ہوا بندھنے لگی	گریۂ شبنم کا دامن ڈھونڈ رہا ہے تار تار
فیضیں بخشیں وہ فیضِ مبدءِ فیاض نے	لدگئی پھولوں کے زیور میں عروسِ نوبہار
مشکبو گیسوئے سنبل سے معطر ہے جہاں	بن گیا ہر صحنِ گلشن روکشِ صحنِ تتار
اللہ اللہ کیا سماں ہے حسرتِ دیدار کا	ہر گلِ نرگس بنا ہے آج چشمِ انتظار
خاکسارانِ جہاں کا بخت ہی کیا اوج پر	سرمۂ اہلِ نظر بنتا ہے اُڑ اُڑ کر غبار
کچھ گلِ خنداں نہیں آپے سے باہر شوق میں	بوئے گل بھی آجکل دوشِ صبا پر ہو سوار
دیکھنا فیضِ گہرباری شبنم کا اثر	ہر خذف ریزہ چمن میں آب ہی دُرِّ شاہوار
حلقہ ہائے گیسوئے سنبل کھلے ہیں باغ میں	عطر بیزی کر رہے ہیں نافۂ مشکِ تتار
شمع جلکر گلفشانی کر رہی ہے بزم میں	قوتِ نشو و نما کچھ اسقدر ہے آشکار
شاخ یا تو نہیں کھلتی ہے رنگو نے شاخ میں	آجکل گلزار میں جوشِ نمو کی ہے بہار
لالہ و گل کی ہے رنگینی چمن اندر چمن	راستی سرو و صنوبر کی قطار اندر قطار
قمریوں کی ہر زباں پر نعرۂ حق سرّہ	زمزمہ سنجِ ترنم باغ میں صوتِ ہزار
زینتِ گلزارِ عالم کی ہوا بندھنے لگی	تن گئے انگڑائیاں لے لیکے سروِ جویبار
چھیڑتے ہیں عندلیبانِ چمن کو اس طرح	شاہدانِ گل سے ہر دم نوک کی لیتے ہیں خار
اُڑتی پھرتی ہیں ہوا سے بادلوں کی ٹکڑیاں	ہلکی ہلکی پڑ رہی ہے صحنِ گلشن میں پھوار

گرم ساقی کی دکاں ہی آتشِ سیال سے
خانۂ خمار کے در پر ڈٹے ہیں بادہ خوار

ہو رہی ہی ساقیِ پیماں شکن سے نوک جھونک
ہی شکستِ توبہ ہر لغزش سے انکی آشکار

زاہدانِ خشک کی نیت نہ بہکے کس طرح
صاف بوتل اور اُس پر دخترِ رز کا نکھار

اُڑ رہے ہیں کاگ یا یہ چل رہی ہیں گولیاں
کھیلتے ہیں بادہ کش شاید پٹاخے کا شکار

اب ہی واعظ کو بھی شوقِ بیعتِ دستِ سبو
صبح سے در پر کھڑا ہی صورتِ اُمیدوار

خندۂ ساغر سے چھایا وہ مسرت کا سماں
شمع تک بھی بزمِ رنداں کی نہیں ہی اشکبار

کہتے ہیں یہ بادہ کش اے ساقیِ گلگوں قبا
جان و دل تجھ پر تصدق دین و ایماں سب نثار

آج پلوا دے ولایت کی خدا کیواسطے
آج تو دیسی کے پینے سے ہمیں ہی ننگ و عار

آج اُس کی تاجپوشی کا ہی جشنِ تہنیت
جسکی شاہی سے ہوئے اورنگ و افسر کامگار

للہ الحمد آج وہ رونق فزا دہلی میں ہے
فیض سے جسکے ہوا آباد یہ اُجڑا دیار

وہ شہنشاہِ زمانہ جارج پنجم ذی حشم
کام بخش و کامیاب و کامران و کامگار

جلوہ فرما آج ہی فرماندہی کے تخت پر
با نشاط و کامرانی با سرِ عز و وقار

اپنی قسمت پر نہوں کس طرح نازاں اہلِ ہند
ہو گئی ہی صورتِ خوبیِ قسمت آشکار۔

پڑھ دے عشرتی مدحِ حاضر میں کوئی مطلع نیا
دیکھ خاموشی کا یہ موقع نہیں ہی زینہار

مطلعِ ثانی

اللہ اللہ اوج پر ہے کیا ترا حسنِ وقار
غازۂ روئے فلک ہی آستانے کا غبار

شوکت و شانِ شہنشاہی کا اللہ رے عروج
مہرِ گردوں ہی ترے دربار کا اک چوبدار

ہمتِ عالی کی مضبوطی کی یہی ہی دلیل
ہی ترا ہر قول محکم تیرا وعدہ استوار

دیکھنے والوں کی نظریں کہتی ہیں جھک جھک کے یہ
ہی عجب رعبِ شہنشاہی جبیں سے آشکار

تیرے دورِ عدل میں کوئی خلش گر اب نہیں
جس طرف دیکھو چمن ہندی ہی ہر جا خلد نما

کشتِ امانِ رعایا پھر نہ کیوں سرسبز ہو
ہر گھڑی ابرِ کرم رہتا ہے تیرا آبیار

غنچۂ مقصودِ عالم ہیں شگفتہ سربسر
چل رہی ہے خلق کی تیرے نسیمِ خوشگوار

ہر نحیف و زار ہے پرورش کی منتظر
آبلوں کی آنکھ میں بے کھٹکے اب رہتے ہیں خار

عہد میں تیرے ہیں کیا مخلوق کو آسانیاں
موٹریں۔ کشتیِ دودی۔ پوسٹ آفس ریل تار

عہد میں تیرے مٹا افلاس کا ایسا نشاں
عاشقوں پہ اب نہیں معشوق بھی کھاتے ادھار

دور میں تیرے ہیں وہ سامانِ جمعیت بہم
ہے نصیبوں میں پریشانی نہ دل میں انتشار

فدوے کہتے ہیں جھک کر اے شہِ عالم پناہ
آسماں بس فضل سے تیرے بنا ہے خاکسار

کیا ہوا اے صلح کل نے تیری جھاڑو پھیری
اب نہیں ہے نام کو دشمن کے بھی دل میں غبار

کاوشِ باہم مٹی تیرے نہیبِ عدل سے
نوک کی لیتے نہیں گلیوں سے کانٹے زینہار

مملکت میں تیری سورج ڈوبتا ہرگز نہیں
نیّرِ اقبال روشن ہے ترا لیل و نہار

چین سے سایہ میں تیرے خلق کرتی ہے بسر
اس لئے مشہور ہے تو سایۂ پروردگار

حکم ہے دل بستگی کا عہدِ دولت میں ترے
غیر ممکن ہے کوئی توڑے دلِ امیدوار

عدل میں نوشیرواں حاتم ہے بذل و جود میں
تو ہر اک صورت میں قوم و ملک کا ہے غمگسار

دور میں تیرے زمانہ کو ہوا ایسا عروج
نشۂ دولت کا اب ہوتا نہیں ہرگز اتار

صلح کل رعبِ سیاست ہے ترا کچھ اس قدر
ہیں بہم باز و کبوتر تک میانِ مرغزار

تیری آمد سے بنا ہندوستاں جنت نشاں
عشرتِ جاوید جانے کی نہیں اب زینہار

تو جو آیا خلق میں اک جانِ تازہ آگئی
ہو گئے پھر تجھ سے اعجازِ مسیحی آشکار

بزم میں عیشِ مخلد دست بستہ رات دن
حکم کی تابع اجل ہر دم میانِ کارزار

دستگیری سے تری سرسبز ہے سارا جہاں
یوں ممد ہے خلق کا تو جس طرح قسمت ہو یار

تیرے چشمِ عدل سے چھپ کر کبھی بچ سکتا نہیں
زخم کے بھی چور پر پڑتی ہے الٹی نشتر کی مار

وہ ترے دستِ کرم نے کی ہیں جو ابر ریزیاں
ہو گئی محجوب جس سے بارشِ ابرِ بہار

ہیں تری تیغِ شرر افشاں کے جوہر آئینہ ہوں ہیں فی النار دشمن دیکھ لیں گر ایک بار
سب ارادے مدعی کے قطع کر دیتی ہے یہ کھنچ گئی جب میاں سے رکتی نہیں پھر زینہار
کیا ترے اسپِ سبک رو کی بیاں ہو تیز پا دائرہ اک جس کے کاوے کا ہے چرخِ کجمدار
برق وش۔ طاؤس دُم۔ صرصر تگ و آہو خرام دُلدُل وش جس سے نسیمِ صبح بھی ہو شرمسار
جب چلا وہ باد پا سب دیکھتے ہی رہ گئے نقشِ سُم آنکھوں میں باقی رہ گیا مثلِ غبار

تا کجا طولِ سخن اے عرشیِ معجز بیاں
بڑھ کے ہے سو خوبیوں سے ایک حُسنِ اختصار

مانگ لے جلدی دعا وا ہو چکا بابِ قبول ہاتھ اٹھا کر عرض کر یوں اے مرے پروردگار
روشنی بخشِ جہاں جبتک رہیں شمس و قمر اور رہے جب تک کہ یہ نیرنگیِ لیل و نہار
سلسلہ بندی رہے جبتک میانِ حسن و عشق عندلیبانِ چمن جبتک گلوں پہ ہوں نثار
بے ستوں جبتک کہ قائم گنبدِ خضرا رہے اپنی گردش میں رہے مصروف جبتک روزگار
یہ ترا تاجِ شہنشاہی ترے سر پر رہے تخت ہو تختِ سلیماں تو سلیماں اقتدار
چرخِ چارم پر گڑے جھنڈا ترے اقبال کا عیسیٔ مریم رہیں ہر دم ترے حامی کار
خلق تیرے واسطے ہر دم دعا مانگا کرے خلق کی حاجت برآری ہو ترا ہر دم شعار
دل ہوا خواہوں کے ہر دم ہوں شگفتہ مثلِ گل قلبِ حاسد میں رہے ہر دم خلش گر نوکِ خار

خوب کی تو نے خداوندِ مجازی کی ثنا
واہ کیا کہنا ترا اے عرشی مدحت نگار

حافظ محمد عبدالعزیز خاں عرشی (پانی پتی)
وکیل ممالکِ محروسہ سرکارِ نظام

جشنِ تاجپوشی ملکِ معظم قیصرِ ہند دام اقبالہٗ

ساقیا دے جام مے مغرب سے اُٹھی ہے گھٹا جھومتی آتی ہے مستوں کی طرح بادِ صبا
آسماں کی سمت ہے غنچوں کی چشمِ نیم وا ساغرِ خالی لئے ہیں ہاتھ میں گل برملا
گرد آلودہ نگاہوں کی کثافت دور ہو
ایک چھینٹا جلد پڑ جائے کہ کلفت دور ہو

سوئے گلشن دیکھ جلدی کیا سماں ہے کیا بہار زر یہ کیوں غنچے لئے ہیں ہاتھ میں بہرِ نثار
رقص میں طاؤس بھی مشغول ہیں مستانہ وار بلبلیں شاداں و فرحاں کرتی ہیں نغمے ہزار
اس طرف کن کے قدم آئیں گے جن پر ناز ہے
سبزۂ خوابیدہ گویا فرشِ پا انداز ہے

جشنِ جمشیدی کا پہلا آج یہ سامان ہے بھولنا اس کو نہ ساقی تجھ سے جو پیماں ہے
اضطراب شاق مشتاقوں کو ہر اک آن ہے دیر کیوں کرتا ہے ظالم کس طرف کو دھیان ہے
دل کو متوالی گھٹائیں آ کے تڑپانے لگیں
وہ جماہی آئی وہ انگڑائیاں آنے لگیں

دیکھ تو ہے کون کون اس تیری میخانہ میں آج ہے کوئی زرّیں کلاہ اور ہے کسی کے سر پہ تاج
ہو گیا پرہیزگاروں میں بھی اس مے کا رواج یہ وہ موقع ہے کہ جس میں ایک ہیں شاہ اور ہیچ
ایسے جلسے کب ہیں ممکن بادہ خواری کیلئے
بزم آرائی ہے یہ دربارِ دہلی کے لئے

سرزمینِ ہند کی یہ ہے قدیمی تخت گاہ ہر نظر میں آج تک باقی ہے اس کا عزّ و جاہ
اس سے پہلے بھی یہاں گذرے ہیں کیسے کیسے شاہ شاہِ انگلستان نے بھی کی اس پہ الفت کی نگاہ

جمع ہیں ساری رعایا جانفروشی کیلئے
آئے ہیں لندن سے قیصر تاجپوشی کیلئے

تجھ کو اے دہلی مبارک عیش و عشرت کا سماں — اخترِ اقبال تیرا اوج پر ہے بیگماں
نیک دن آئے ہیں تیرے دل ہی ہوا شاداں — بخت جاگ اٹھا ترا سوئے رقیب و دشمناں

پھر تجھے عالم کہیگا اِنتخابِ روزگار
یادگارِ دہر میں پہلے تیرا ہوگا شمار

مرحبا اے شانِ دہلی آفریں صد آفریں — دھوم ہے گھر گھر تری چرچا ہے تیرا ہر کہیں
قابلِ توصیف ہے ہر بات میں تو بالیقیں — صفحہ ہستی سے تیرا نام مٹنے کا نہیں

صورتِ لندن ہے ہندوستان میں تیرا وجود
آج تیرے تخت پر قیصر کا ہے پہلا ورود

کون قیصر فی الحقیقت جو ہے سب ہونکا شاہ — کون قیصر دور ہے ماہی سے جس کا تا بہ ماہ
کون قیصر عہد میں جسکے نہیں فریاد و آہ — کون قیصر جو ہے گردوں بارگاہ عرش جاہ

چھا گیا انصاف کا جس کے اثر آفاق پر
عدلِ کسریٰ رکھدیا جس نے اُٹھا کر طاق پر

کس قدر حاصل ہیں سب کو مذہبی آزادیاں — سچے ہمدرد آپ سب قوموں کے ہیں اے قدرداں
ہوں مسلماں یا کہ ہندو پیر ہوں یا نوجواں — شکر کی ہے اس طرف آواز و جہر شعورِ اہل

کیوں دعاگو ہو نہ عالم ایسے تخت و تاج کا
اب بھی حاصل ہے مزا ہر اک کو اپنے راج کا

مرحبا اے دولتِ برطانیہ صد مرحبا — تیرے عدل کو داد کا ہر ایک ہے مدحت سرا
ہے زباں پر سب کی افسانہ تری انصاف کا — شیر بکری پیتے ہیں اک گھاٹ پانی برملا

یا الٰہی شرق سے تا غرب انگلش راج ہو

تاجدارانِ زمانہ کے لئے سرتاج ہو

سینکڑوں آرام بخشے ہیں ہمیں اس راج نے ہر جگہ کثرت سے ہیں ہر علم و فن کے مدرسے
ملک کو کیا فائدے پہنچا رہی ہر ریلوے ڈاکخانہ - تار گھر سب ہیں ہمارے واسطے

وصف کیا کیا کیجئے اس امپرر کے راج کا
دل سے ہے ممنون سارا ہند انگلش تاج کا

شاہ کے آنے سے بڑھ جائیگی وقعت ہند کی دیکھئے گا پھر وہی پہلی سی شوکت ہند کی
فی الحقیقت اب سنور جائیگی حالت ہند کی دور ہو جائیگی دم میں سب مصیبت ہند کی

قحط بھی طاعون بھی دُنیا سے سب اُٹھ جائینگے
ہندیوں کیواسطے اب چین کے دن آئینگے

نیک طینت جارج پنجم ہے اپنا امپرر بخشش و انصاف میں ہے فرد و یکتا امپرر
مخزنِ خُلق و مروّت ہے سراپا امپرر حبذا وہ ملک ملجائے جو ایسا امپرر

یا خدا ٹوٹے نہ ہرگز اس حکومت کا قیام
دولتِ انگلینڈ کا سایہ رہے ہم پر مدام

عالمِ ہستی میں جب تک ہے قیامِ آفتاب سیپ میں موتی ہے جبتک اور موتی میں ہے آب
دولتِ انگلینڈ سے ہوتے رہیں ہم فیضیاب - یا خدا اس عہد کو آنے نہ پائے انقلاب

قیصرِ ہندوستاں کا ہو فزوں جاہ و جلال
ہر گھڑی راحت سے گذرے چین سے ہر ماہ و سال

باغِ عالم میں ہیں جبتک بلبلوں کے چہچہے صورتِ گلزار اپنا امپرر پھولے پھلے
خوش رہیں احباب ہوں پامال دشمن آپکے بہرہ ور ہو ایک عالم امپرر کے فیض سے

آپ کا لطف و کرم سرکار پر ہو بیشمار
دامنِ مقصود گوہر سے بھرے لیل و نہار

تازہ غزلیں

(از جناب شیخ محفوظ اللہ صاحب جسٹرار قانونگو صدر تحصیل ایٹہ)

نظر آتا نہیں اک تار بھی جیبِ گریباں میں
خدا رکھے ترقی ہو مرے وحشت کے ساماں میں

یہ کیا تاثیر تھی یاربّ نگاہِ نازِ جاناں میں
تڑپ میرے جگر میں ہو کھٹک لیکن رگِ جاں میں

سراپا آرزو میں بن گیا ہوں شوقِ جاناں میں
نہاں ہیں حسرتیں سو سو مری ایک ایک ارماں میں

کوئی دیتا ہے حکمِ قتل کوئی کفر کا فتویٰ
خدا جانے میں کیا کہتا ہوں جوشِ عشقِ جاناں میں

اِدھر ہے جوشِ وحشت کا اُدھر پاسِ ادب اُنکا
گریباں ہاتھ میں ہے اور سر اپنا گریباں میں

زباں ہے تو نہ تو۔ تم کو اک زمانہ کیا نہیں کہتا
مگر کچھ اور ہو میرے عقیدے میں مرے ایماں میں

جگر اور دل کے بدلے دردِ دل ہم مول لائے ہیں
یہی تھی ایک جنسِ بے بہا الفت کی دکاں میں

اُنہیں کے ہاتھ ہے اب شرم اس محفوظ عاصی کی
پڑا ہے اُنکے قدموں میں چھپا ہے اُنکے داماں میں

(از جناب محمد مشیت اللہ بسمل۔ کاسگنجوی)

وہ اغیار سے ہاتھ ملوا رہے ہیں
نئی قسم کی ہم سزا پا رہے ہیں

تبسم وہ گلشن میں فرما رہے ہیں
نئے رنگ کے پھول برسا رہے ہیں

وہ ناداں ہیں انکو سمجھائیں جا کر
مجھے کیوں یہ نافہم سمجھا رہے ہیں

نہ کرتے محبت نہ یہ رنج سہتے
ہم اپنے کیے کی سزا پا رہے ہیں

کہا میں نے غیروں سے رازِ محبت
یہ کیا آپ ارشاد فرما رہے ہیں

چڑھیں طور پر ہم کو اسکی ضرورت !
یہیں سارے جلوے نظر آ رہے ہیں

میرے پاس آنے کی اُمید کیا ہے — وہ ہمراہ غیروں کے جب جا رہے ہیں
دمِ نزع آئیں غلط ہے یہ قاصد — وہ دم دے رہے ہیں وہ بہلا رہے ہیں

نتیجہ محبت کا نکلا یہ بسمل
کہ ہم ہجر میں جان سے جا رہے ہیں

(از جناب مسٹر محمد عبد اللہ صاحب محسن لاہوری)

یہ سمجھا دل میں کہ حسن و عشق کچھ دلبر کو سمجھاتے — مگر حیراں ہوں کیا اُس شوخ افسوں گر کو سمجھاتے
ہجومِ اضطرابِ غم سے کچھ فرصت اگر ملتی — تو برقِ خندۂ نازِ پری پیکر کو سمجھاتے
کبھی اربابِ ذوق و شوقِ نزہت گاہِ عالم میں — زبانِ حال سے کچھ مرغِ نامہ بر کو سمجھاتے
متاعِ ہوش سعدِ آتشِ حسرت جلا دیتا — جو کچھ وہ شعلہ خو مجھ سوختہ اختر کو سمجھاتے
نکل جاتی بتِ بنگالہ کی ساری فسوں سازی — ہم ایسا کوئی جادو چشمِ جادوگر کو سمجھاتے
عزیز اپنے گدا سے کیوں رکھا گنجینۂ رحمت — کوئی صاحب مری شاہِ ہمایوں فر کو سمجھاتے
چراغِ اہلِ دل ہوتا ہے روشن نورِ ایماں سے — یہ نکتہ عارضِ گیسوئے سیمیں بر کو سمجھاتے
تلاشِ آبِ حیواں میں بھلا کام کیوں رہتا — جو تم اے خضرِ راہِ شوقِ اسکندر کو سمجھاتے
نظر آتی ہمیں کوئی بھی گر آرام کی صورت — مصیبت وحشتِ ہجراں کی دلِ مضطر کو سمجھاتے
گلا ہے تشنہ کامی کا گلو پر شوق ہے اب تک — تم اے قاتل ذرا آبِ دمِ خنجر کو سمجھاتے
شکستِ شیشۂ دل کی صدا سنکر وہ بولے اُٹھ کر — نگاہِ ناز کچھ تو عاشقِ ششدر کو سمجھاتے
علاجِ دردِ دل اپنا ہمیں مطلوب اگر ہوتا — تو سو منت خوشامد کرکے چارہ گر کو سمجھاتے
جو دنیا میں بتوں سے ہم کو اُمیدِ وفا ہوتی — تو کچھ تو ہم بھی آخر داورِ محشر کو سمجھاتے

یہ خو جب پایۂ اُلفت کا خوں کرتے ہیں اے محسن
تو مستِ ناز کیا رنگِ مئے احمر کو سمجھاتے

مخزن ایجنسی لاہور کی موجودہ کتابیں

رسوم دہلی - مصنفہ مولوی سید احمد صاحب مولف فرہنگ آصفیہ قیمت - ۱۲

اقبال دلہن - مصنفہ مولوی محمد بشیر الدین احمد صاحب قسم اول ۷ قسم دوم

خواب ہستی - مرزا محمد سعید صاحب ایم اے کے پسندیدہ ناول کا دوسرا ایڈیشن

ابو مسلم خراسانی - رسالہ الہلال مصری کے فاضل ایڈیٹر جرجی زیدان کی تصنیف ہو
مولوی محمد حلیم صاحب ردولوی نے مخزن ایجنسی کی خاص فرمایش پر عربی
سے سلیس اردو میں ترجمہ کیا ہے . . . .

کلام نیرنگ - سید غلام بھیک بی اے - ایل ایل بی وکیل کے کلام منظوم کا خوشنما ایڈیشن قیمت

انتخاب مخزن - مخزن کی سابقہ ۹ جلدوں کا انتخاب قیمت ۸

دردجانستان - مصنفہ حکیم سید ضمیر صاحب فراق دہلوی دہلی کی زبان میں دہلی کا سچا قصہ

دربار نمبر - صباز راجپوتی ملک معظم ایڈورڈ ہفتم کی تقریب پر مخزن کا ایک خاص نمبر نکالا گیا تھا

مثنویات میر حسن - مثنوی بےنظیر و بدر منیر کے ساتھ مثنوی گلزار ارم ایک قلمی نسخہ سے نقل کر کے شائع کی گئی ہے

سیر تبت - انگریزی کتاب فی ورای ان تبت کا بامحاورہ ترجمہ تبت کے متعلق معلومات کا ذخیرہ

مرقع خوشخطی - فن خوشنویسی کی ابتدائی کاپی جسکو منشی فضل الٰہی صاحب مرغوب رقم
لاہور نے نہایت محنت سے مبتدی بچوں - کاتبوں اور شائقین خط کے
واسطے تیار کیا - جسکو دیکھکر خط کے تمام نکات باسانی سمجھ میں آسکتے ہیں
علاوہ حسن ظاہری کے جو منشی صاحب نے اس کے اہتمام میں مدنظر رکھا
ہے دعوی ہے کہ اس سے بہتر کاپی اس فن کے واسطے اسوقت تک ملک میں موجود نہیں

شائقینِ کتب ملاحظہ فرمائیں

(مشکل کتابوں کا حل)

مندرجہ ذیل کتابیں کوئی حل نہ کرسکا اور نہ کوئی انشاءاللہ حل کرسکتا ہے۔

یعنی پتھروں کو پانی کرکے بہا دیا۔ دیکھنے سے تعلق ہے۔

حل قصائد خاقانی۔ مدخلہ کورس منشی فاضل و ایم اے حصہ اول ۱۲/-

حصہ دوم زیر طبع ہے

یہ دفعہ اس لیے کہ ہم کو چوروں سے پناہ نہیں۔ جو گھات میں لگے رہتے ہیں۔ اگر کوئی مرد میدان ہے تو دوسرا حصہ حل کرے۔ مشکل قصائد میں نے حل کردیے۔ آسان باقی ہیں

حل کلیات اردو۔ مرزا غالب مرحوم . " " " " ۱۰/-

حل قصائد خاقانی۔ کورس منشی عالم " " " " " ۹/-

حل نکات۔ مولانا مرزا عبدالقادر بیدل رحمۃ اللہ علیہ در تصوف ۱۲/-

شوکت التجدید۔ یہ کلیات جو قصائد و غزلیات و رباعیات و سلام اور اردو اور بھاشا وغیرہ کی نظم سے مرقع ہے اور شاعری کی دنیا جس کی منتظر ہے پیشگی قیمت آرہی ہے زیر طبع ہے۔ پیشگی ۶/- اور بعد طبع " ۶/-

اعلانِ عام جو صاحب کامل شاعر بننا چاہیں۔ میری جانب رجوع لائیں جیسا کلام ہوگا۔ اسی درجے کی اصلاح ہوگی۔ کلام بھیج کر آزمالیں جو صاحب کسی کتاب اردو بھاشا فارسی اور عربی میں اصلاح لینا چاہیں فیس کے بارہ میں مراسلت کریں۔ اکثر کتابوں کا لٹریچر کما حقہ صحیح نہیں ہوتا غلطیوں کو مجدد صحیح کرتا ہے

مجدد السنۂ مشرقیہ احمد حسن شوکت میرٹھی

اٹلی کے مال کو بائیکاٹ

اور

مظلومانِ طرابلس فنڈ کی امداد

ہم نے عہد کر لیا ہی کہ آیندہ اٹلی کا مال ہرگز ہرگز نہ منگائینگے۔ ایک بہت بڑا آرڈر جو اٹلی کی ٹوپیوں کا دے چکے ہیں۔ اُسے ہم نے کینسل کر دیا ہی۔ نیز ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہماری مشہور و معروف ترکی ٹوپیوں (محسن الملک پیٹنٹ و وقار الملک پیٹنٹ ساختہ کرسٹی لنڈن) کی جس قدر بکری یکم نومبر سے تا اختتام جنگ ہوگی۔ اُس میں سے فی ٹوپی ۱؎ معیت زدگانِ طرابلس فنڈ کے لئے نذر کرینگے۔

محسن الملک پیٹنٹ - استر تمام اونی چمڑے کا ہمارا دعوی ہی کہ اس سے بہتر ٹوپی دستیاب ہونی محال ہی۔ **قیمت** مع پھندنا استنبول اعلی قسم ۸؎

وقار الملک پیٹنٹ بشرح صدر۔ مگر استر ریشمی کپڑے کا اور کناروں پر چکنائی سے حفاظت کیلئے چمڑے کی پٹی **قیمت** مع پھندنا استنبولی اعلی قسم ۸؎

تازہ مال آگیا ہی { اس میں بہت رنگ اور سائز موجود ہیں۔ فرمائش کے ساتھ ناپ۔ رنگ وغیرہ کی تشریح فرما دیں۔

سردیوں کیلئے تازہ مال - سویٹر۔ بنیائن۔ کمبل۔ موزے وغیرہ وغیرہ

(مفصل فہرست دوکان مفت)

عبد الرشید زرگر مرچنٹ انارکلی جنرل و سپیشل لاہور

اعلیٰ حضرت ملک معظم جارج پنجم و علیا حضرت ملکہ معظمہ دام اقبالہا کی تشریف آوری

و تاجپوشی کی خوشی میں

دیش اپکارک اوشدھالیہ کی تمام ادویات و کتب

مع مشہور و معروف دوائی

(رجسٹری شدہ) **امرت دھارا** (رجسٹرڈ)

سن ۱۹۱۲ء ۳۱ جنوری تک ۳/۴

قیمت پر ملینگی - گویا روپیہ میں ۴ کی رعایت ہوگی

اس حساب سے امرت دھارا کی بڑی شیشی کا دام ایک روپیہ (۱۲) چودہ آنے اور نمونہ کا چھ آنے ہوگا!

ایک پیسہ کا کارڈ بھیجکر مکمل فہرست ادویات جلدی طلب فرماویں

یاد رہے کہ رسالہ کام ورتی شاستر جس کے اندر ۲۴ دستی اور ۵ فوٹو بلاک کی تصاویر ہیں - بجائے پانچ روپیہ (ہ) کے چار روپے (عہ) میں ملیگا - اور اخبار دیش اپکارک ہندی اردو کی قیمتوں میں کوئی رعایت نہیں ہوگی!

خط و کتابت و تار کا پتہ اتنا کافی ہے } "امرت دھارا" (۲۹ - برانچ) لاہور

المشتہر

ٹھاکر دت شرما ایڈیٹر اردو ہندی دیش اپکارک و مصنف متعدد رسالہ جات طبی موجد

امرت دھارا - لاہور

جملہ حقوق محفوظ

بابت ماہ ... ۱۹۱۰ء

ایڈیٹر شیخ عبدالقادر

مخزن



اردو علم ادب کی دلچسپیوں کا ماہوار مجموعہ

نظام شمسی - خواجہ دل محمد صاحب ایم اے پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور ۱

طفیل - خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب ... ریاست ... ۱۵

روزنامچہ نواب سر بلند جنگ بہادر - از مولوی حمید اللہ صاحب چیف جسٹس عدالت العالیہ حیدرآباد ۲۰

تنہائی - عبد الحی خاں پٹنہ ۳۵

آفتاب کے سیاہ دھبے - پروفیسر علی حیدر صاحب طباطبائی حیدرآباد دکن ۳۸

نظم

کلام اکبر - سید اکبر حسین صاحب پنشنر جج الہ آباد ۴۳

گذشتہ زمانے کی یاد - محمد عبد الرحیم صاحب رحیم حیدرآباد ۴۴

کلام عزیز - مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی ۴۶

جونپور کی خوشبو - حفیظ جونپوری ۴۶

گرچہ پارہ (قطعہ) صفیر بلگرامی ۴۷

پھول ... ۴۹

محمد اور صوفی (نواب الدین ...) ۵۱

ساقی نامہ (مسلم یونیورسٹی) انجم ... ۵۴

فغان سخن - ثاقب بدایونی ۵۷

غزلیات

از جناب امین الحسن بسمل ۶۳

از جناب حفیظ جونپوری ۶۴

از جناب معراج صاحب ۶۵

از جناب محمد شفاعت احمد برق دہلوی ۶۶

از جناب سید سلطان ... ۶۷

از جناب مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی ۶۸

از جناب منشی محمد صدیق صاحب ... ۶۸

از جناب سید رضا حسین صاحب ... ۶۹

از جناب ... ۷۰

از جناب بیتاب عظیم آبادی ۷۰

از جناب امین الحسن ... بسمل ۷۲

دس کروڑ ہندوستانی اردو بولتے ہیں اور اسی قدر اور ہندوستانی اردو سمجھتے ہیں

○ ان شہروں میں اردو ... ● ان شہروں میں اردو سمجھی جاتی ہے

باہتمام ... نول کشور پریس لاہور میں چھپا اور منشی فضل الٰہی پبلشر نے شائع کیا۔

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک قسم دوم ... فی پرچہ ...

مخزن

نظامِ شمسی[1]

برجہا دیدم کہ از مشرق برآوردند سر
جملہ در تسبیح و در تہلیلِ حیِّ لا یموت
چوں حمل چوں ثور چوں جوزا و سرطان و اسد
سنبلہ میزان و عقرب قوس و جدی و دلو و حوت

کہنے کو تو نظامِ شمسی دو حرفی بات ہے مگر غور کیجئے تو ہزار ہا حیرت آفرینیوں کا معاملہ۔ لکھوکھا قسم کے عجائبات۔ کروڑہا کروڑ میلوں کی مسافت ارب ہا ارب ٹنوں اور منوں کے بوجھ اس مختصر سے جملہ میں موجود ہیں۔ قلم اپنا دُنبالہ دار پر لئے بارہ برجوں اور سبع تسع سیارگان کی سیر کو نکلا ہے۔ مگر کیا کرے؟ وقت کہ دونوں ہاتھوں انسان کی زندگی اور اس کے کارناموں کو شپاشپ لپیٹنے میں مصروف ہے۔ فرصت نہیں دیتا کہ بہت کچھ کہا جائے۔ مضمون کی وسعت۔ ادھر وقت کی قلت۔ شوقِ تکلّم و تحریر بے پایان۔ اُدھر سمع خراشی و تنگا آزاریِ احباب کا ڈر۔ دقّتِ مناظر۔ اُدھر آلاتِ رصد کی نامجودگی کروں تو کیا کروں۔ قلم رُک رُک کے چلتا ہے۔ ہاں سیر سادی کوئی آسان کام نہیں

[1] یہ مضمون بزمِ اُردو لاہور کے ایک قریب ترین جلسہ میں پڑھا گیا تھا۔

اب حیرت میں ہوں کہ قدما کے علم نجوم اور تصورات و تصدیقات متعلقہ اجرامِ سماوی کا نقشہ کھینچوں۔ یا فلاسفہ یونان اور مسئلہ الواحد لایصدر عنہ الا الواحد کا ذکر چھیڑوں کہ کیونکر علۃ العلل کے ہاتھوں عقل اوّل مولود ہؤا۔ پھر عقل اوّل سے فلک اوّل اور عقل ثانی کو پیدا کیا۔ عقل ثانی نے آسمانِ ثانی اور عقل ثالث کو پیدا کیا۔ علیٰ ہٰذا عقولِ عشرہ اور سبع نہیں تسع سماوات کا بیان کروں جو ان کے خیال میں شفاف اور کُرے ہیں۔ جن میں نجوم لامعہ کے جواہر جڑے ہیں۔ اور آپ کے سامنے بلاخرق والتیام کھڑے ہیں۔ نہیں بلکہ چکر لگا رہے ہیں اور اپنی تاثیرات سے اہل زمین نہ فقط ابن آدم بلکہ جملہ حیوانات و نباتات و جمادات تک کو متاثر کر رہے ہیں۔ یا بسائط و مرکبات اور مقولاتِ عشر کی گرہ کھولوں؟ اور بتاؤں کہ ہیولیٰ کیا ہے۔ اجرام علوی و سفلی کے قوام میں اس کا کیا دخل ہے؟ یا یہ بیان کروں کہ کیونکر قدمائے ہند نے انسان کے نام اور سماوی اجرام میں پیوند لگایا۔ میکھ۔ برکھ۔ متھن۔ کرک۔ سنگھ۔ کنیا۔ تُلا۔ برچھیک۔ دھن۔ مکر۔ کنبھ۔ مین۔ بارہ راشیوں کا بیان کروں یا نکشتر۔ اسونی۔ بھرنی۔ کرتکا۔ روہنی۔ مرگسرا۔ اوا۔ پونربس۔ پوکھ۔ اشلیکھا۔ مگھا۔ پوربا۔ اوترا۔ ہست۔ چترا۔ سواتی۔ بسیاکھا۔ انورادھا۔ جیشٹھا۔ مول۔ پورباکھاڑ۔ اتراکھاڑ۔ سرون۔ دھنشٹا۔ ست بکھا۔ پوربا بھدرا۔ اوترابھدرا۔ ریوتی کا حال سناؤں یا حال کی اسٹرانومی کی طرف توجہ کروں کہ حکمائے یورپ اور مہندسہ دانان گرینچ۔ ڈنسک۔ وئینا وغیرہ بڑی بڑی

رصدگاہوں میں کیا کیا باتیں نکال رہے ہیں۔ آسمان ہوا ہو کر اڑ گئے۔ زمین چپٹی سے گول ہو گئی۔ آلاتِ رصد نے آسمانی دنیا میں عجیب و غریب انکشاف کئے اور کن کن پرانے دقیانوسی خیالات کا قلع و قمع ہو چکا ہے۔ وغیرہ وغیرہ

مجبوراً چونکہ اِس ۱۵-۲۰ منٹ کے لئے کچھ نہ کچھ آپ حضرات کے سامنے عرض کرنا ہے۔ لہٰذا صرف چند ایسی باتیں جو موجودہ تحقیق سے ثابت ہو چکی ہیں اور جن پر ایک زمانہ ایمان لا چکا ہے۔ عام فہم طریقہ پر پیش کرونگا تاکہ اردو دان پبلک کچھ نہ کچھ سمجھ سکے۔ لیکن جس قدر اب بیان ہوگا وہ تمہید سے بڑھکر قدر و قیمت نہیں رکھتا۔ اسی مضمون پر بندہ بہت کچھ کہہ سکتا ہے۔ آج صرف نظامِ شمسی کے مالک آفتاب شہریار کے متعلق دو تین باتیں عرض کرنے پر اکتفا کرونگا۔ اگر آپ نے اسے پسند فرمایا تو آئندہ اسی طریق پر قمر عطارد زہرہ مریخ مشتری زحل یورینس اور نیپٹون کے متعلق بھی گذارش سے دریغ نہ ہوگا۔ افسوس ہے اگر میجک لنٹرن (جادو کی لالٹین) کا انتظام ہو سکتا تو نقشہ جات وغیرہ دکھا کر وہ باتیں بھی عرض کر سکتا جن سے اب قاصر ہوں۔

آفتابِ عالمتاب

سبحان اللہ کیا روشن نام ہے۔ سحر ہوتی اور کاشانہ زرّین کی طرح خمِ فلک سے نکل اور آتشیں طلائی شعاعوں کا ہاتھ بڑھا کر جہان کو اپنے سیّال زر سے مالامال کرنے لگا۔ ذرّہ نوازی اسے کہتے ہیں۔ جدھر دیکھو اِس فیّاض کا ہاتھ ہر در و دیوار شجر و حجر دشت و جبل کو طلائی جامہ پہنا رہا ہے۔ نہر زرافشاں بن گئی۔ جس پر حباب کے رنگا رنگ موتی اپنی گوہر کاریاں دکھا رہے ہیں حتّیٰ کہ آسمان نے بھی جو صبح کے بادلوں کا دوشالا کندھے پر لئے ہے اس نووارد کی حاتمیت سے حریر و پرنیاں کے لباس پہن لئے۔ آفتاب کا مسافر نہ فقط سونے کا اُمڈتا ہوا دریا اپنی گرہ میں لایا ہے۔ بلکہ آبِ حیات کا سرچشمہ اسی کے انگشتِ شعاع سے رواں ہوتا ہے۔

آفتاب کی قدر ہم کیا کر سکتے ہیں اور کیا ہو سکتی ہے۔ ہمارے جسم کا بال بال اس کے احسان سے بندھا ہوا ہے۔ وہ کونسا وقت ہے جب ہم اس سرچشمۂ حیات سے فیضیاب نہیں ہوتے؟ آپ میرے اس فقرہ کو مبالغہ پر محمول نہ کریں۔ اس کا حرف حرف قانونِ قدرت کی کتاب میں درج ہے۔ انسان کا دارومدار کارپردازانِ قضا و قدر نے سورج پر ہی رکھا ہے۔ آپ پوچھینگے۔ خیر مان لیا کہ دن کو ہم حرارتِ آفتاب اور اس کی ضو سے کام لیتے ہیں۔ مگر سورج فقط دن کا بادشاہ ہے۔ رات کو ہمیں اس سے کیا فائدہ پہنچتا ہے؟ اس کا جواب اوّل تو یہ کہ

رات کی چاندنی اسی آفتاب کی وجہ سے ہے۔ سورج کی روشنی گو وہ افق سے بہت نیچے ہوتا ہے اور ہم اس کو نہیں دیکھ سکتے۔ قمر پر پڑتی ہے اور اس کا انعکاس پھر زمین پر آتا ہے۔ اور یہی چاندنی ہے۔ مگر اس کو بھی جانے دیجئے۔ فرض کر لیجئے۔ موسم سرما کی لمبی ٹھنڈی راتیں ہیں۔ شب شب دیجور ہے۔ آسمان پر بادل گھرے ہیں اور آپ دوشالا اوڑھے۔ کواڑ بند کئے انگیٹھی کے سامنے بال بچوں سمیت سردی کا بھوت اتارنے کی فکر میں ہیں۔ دسترخوان پر گرم گرم چائے اور نان خطائی دھری ہے اور آپ بچوں کی پیاری پیاری بھولی بھولی باتیں سن سن کر جی کو خوش کر رہے ہیں۔ آپ فرمائینگے کہ بتلائے اب حضرت آفتاب علیہ الرحمۃ کہاں ہیں اور اس وقت اس بند کمرے اور اس شب تار میں ہمیں ان کی ذات با صفات سے کیا فوائد حاصل ہو رہے ہیں۔ ہاں یاد رہے اب بھی گو شب تار اور موسم سرما ہے مگر آپ ان کے احاطہ کرم سے باہر نہیں نکلے۔ لیجے ہم ثابت کئے دیتے ہیں۔

ذرا آگ کو روشن کیجئے اور ملاحظہ فرمائیے کیا گرم گرم دلخوش کن لو نکلتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ لو کوئلوں سے آئی اور یہ پتھر کے کوئلے کان سے نکل کر آئے ہیں۔ جہاں سینکڑوں فیٹ زمین کے نیچے بہادر کان کنوں نے جنکا دن شب تیرہ و تار سے کم نہیں۔ ان کو کھود کر ڈھیر کیا اور سٹیم انجن کی محنت نے سطح زمین پر ابھارا اور ریل گاڑیوں نے کشاں کشاں آپکے مکان تک پہنچایا۔ آپ پوچھینگے کہ کوئلوں کو آفتاب سے کیا تعلق؟ سنئے حضرت! آنکھوں پر خوردبین لگائیے اور ان کوئلوں کو ملاحظہ کیجئے معلوم ہوگا کہ ان کی بناوٹ پتھر کی سی نہیں بلکہ یہ کوئلے بھی درختوں اور پودوں سے بنے ہیں۔ ان کے رگ و ریشے صاف ظاہر کرتے ہیں کہ یہ کیسی نرم نرم تازہ پھول

کی بنکھڑی کیسی ننھی ننھی تھی آغازِ بہار کی کونپل کیسی سایہ دار درخت کے پتوں۔ نسیمِ بہار سے جھومنے والی شاخوں دیو دار اور پیپل کے سے درختوں کی پوشاک یعنی چھال کی یادگاریں ہیں۔ جو کئی ہزار برس پہلے زمانہ ماضی میں کسی آبادی یا جنگل میں جانداروں کے لئے فردوسِ نظر تھے۔ میری طرف حیرت سے نہ دیکھو بلکہ سنئے کہ علمائے طبقات الارض یوں رقمطراز ہیں:-

یہی جگہ جہاں کوئلوں کی کان موجود ہے یہاں کسی زمانے میں ایک وسیع جنگل آباد تھا۔ تمازت پناہی حضرت آفتاب اس کے پتوں کی حرارت سے تواضع کیا کرتے تھے۔ حشرات الارض و دیگر جانور اسی جنگل کی غربا نوازی سے مستفید ہوا کرتے تھے۔

اپنے وقت پر یہ بھی گر گئے اور دوسرے درخت ان کی جگہ پیدا ہو گئے۔ ان کا بھی یہی حشر ہوا۔ اسی طرح کئی قرن گذر گئے اور پتوں پھولوں اور پھلوں کے ڈھیر لگ گئے۔ پاس ہی سمندر تھا اور تب ایک انقلاب عظیم واقع ہوا۔

آپ کو یاد رہے کہ زمین ساری کی ساری ایسی ہی ٹھوس نہیں جیسی یہ معلوم دیتی ہے بلکہ علمائے طبقات الارض (جیالوجی) نے ثابت کیا ہے کہ نیچے سیال مادے کے طبقات ہیں۔ جن پر یہ ہماری خشک زمین اور سمندر بعینہ ایسے ہیں۔ جیسے ابلتے ہوئے دودھ پر بالائی اسی اندرونی سیال مادے کی وجہ سے یہ بھونچال آیا کرتے ہیں۔ کوہِ آتش فشاں پھٹا کرتے ہیں۔ زمین کہیں نیچے ہو جاتی ہے کہیں اوپر۔ اور زمانے کے ہر حصہ میں یہ انقلاب جاری رہتا ہے۔ غرض اسی انقلاب کی وجہ سے وہی زمین جس پر جنگل آباد تھا آہستہ آہستہ نیچے ہوتی گئی اور سمندر اس پر آتا گیا تا آنکہ

تمام جنگل پر پانی پھر گیا اور یہ گلی سڑی نباتات سمندر کی تہ میں جا لگی - اب دوسرا دور شروع ہوا -

سمندر میں دریا اور ندی نالے گر گرا اپنے ساتھ کیچڑ لانے لگے اور یہ کیچڑ سمندر کی تہ پر جہاں یہ نباتاتی ذخائر پڑے تھے تہ در تہ جمتا گیا - صدیاں گذر گئیں اور یہ تہیں سخت ہو گئیں اور چٹان بن گئیں جن کے بوجھ سے نیچے کے نباتی ذخائر دب کر سخت ہو گئے اور ان کی رنگت سیاہ ہو گئی - اب تیسرا دور شروع ہوا -

خدا کی قدرت ہے - ہر زوالے را کمال سمندر کی تہ کو آہستہ آہستہ نیچے جاتے سینکڑوں سال گذر گئے پرانے جنگل پر اب چٹان بن چکے ہیں اور ان پر سمندر کی لہریں موجیں مار رہی ہیں لیکن اب صعود کا زمانہ شروع ہوا - تا آنکہ اوپر کا حصہ پھر سطحِ آب سے باہر نکل آیا - اب وہی پرانے جنگلات کے ذخائر گزوں نیچے ہیں - ان پر چٹان اور ان پر اوپر ہی سرزمین ہے جس پر اب نئے پھل پھول نکلے ہیں - آدمی بھی اس کی سرسبزی و شادابی دیکھ کر وہیں آباد ہو گیا اور اس کے قدموں کے نیچے وہی ہزاروں سال کی نباتی باقیات کوئلوں کی صورت میں مدفون ہیں جنکو وہ اپنی جانفشانی سے کھودتا اور استعمال کرتا ہے -

یہ جنگل جسکو ہزاروں برس کی گردشِ روزگار نے کیا سے کیا بنا دیا جس وقت شروع شروع میں سرسبزی اور شادابی کی لہریں لیتا تھا - اس وقت تمازت و حدتِ آفتاب ہی سے اس کے رگ و ریشے میں خون دوڑتا تھا - اور گرمی اور روشنی اس کے ذرہ ذرہ میں سرایت کر گئی تھی - یہی گرمی اور روشنی اس امینِ قدرت نے حضرتِ انسان کے لئے اپنے اندر جمع رکھی ہے اور

صد ہا انقلابات بھی اس سے چھین سکے ۔ آج جب آپ اس کوئلے کو پھر آگ پر رکھتے ہیں ۔ تو یہ کوئلہ وہی پہلی حرارت اور روشنی جو اس میں حضرتِ آفتاب نے ودیعت رکھی تھی ۔ آپ کے ٹھنڈے اور اندھیرے کمرے میں پھر پیش کرتا ہے ۔ تاکہ آپ اپنے سرد ہاتھوں کو سینکیں ۔ گرم کھانے تیار کریں اور شکرِ حق بجا لائیں ۔ غرض اس آگ کو آگ نہ سمجھئے ۔ یہ سالوں کی دھوپ ہی ہے جس کا منبع اور سرچشمہ چشمۂ آفتاب ہی ہے ۔

آفتاب نے نہ فقط آگ آپ کے گرمانے کے لئے پیش کی ۔ بلکہ چائے سے بھی آپ کی تواضع کی ہے ۔ آپ تو چائے اب پکا رہے ہیں حضرتِ آفتاب اس چائے کو آپ سے پہلے چین میں پکاتے رہے ہیں یعنی اُس وقت جب اُس کا پودا زمین سے نکلا تھا انہوں نے اپنی کرنوں سے اس میں حرارت ڈال کر یہی خواص جن سے اب آپ مستفیض ہو رہے ہیں ان میں پیدا کر دیتے تھے ۔

پھر نہ فقط یہ چائے کے پتے آپ کے لئے آفتاب نے پکائے بلکہ اُن جہازوں کو بھی یہی حضرتِ آفتاب کھینچ کر لائے ۔ جن میں یہ چائے دیگر ممالک کو جاتی ہے ۔ کیونکہ یہ جہاز کچھ تو سٹیم کی مدد سے چلتے ہیں اور کچھ بادبانوں کی ناخدائی سے ۔ آپ فرمائینگے ۔ ان بادبانوں کو تو ہوا کے جھونکوں نے دھکیلا آفتاب کا ہاتھ کہاں سے آیا ؟ میں تسلیم کرتا ہوں لیکن یہ تو فرمائیے ۔ ہوا میں حرکت پیدا ہوئی تو کیونکر ؟ سُنئے ۔

زمین حرارتِ آفتاب سے گرم ہوئی اور اس لئے وہ ہوا جو اس کے اوپر تھی وہ گرم ہو کر اوپر کو اٹھی ۔ اب خلا تو رہ نہیں سکتا ۔ اِدھر اُدھر کی ہوا بڑھ بڑھ کر اس کی جگہ لینے کے لئے تیار ہو گئی ۔ جو خلا اِدھر اُدھر کی ہوائیں آ گئے

بڑھنے سے پیدا ہوا۔ اس کی جگہ پوری کرنے کے لئے اور ہوائیں بڑھیں۔ غرضکہ اسی طرح ایک سلسلہ اور دور شروع ہو گیا۔ جس کو آپ آندھی کہیں باد شمال کہیں۔ بادِ سموم کہیں۔ باد بہاری کہیں۔ یا جیسا فائدہ یا نقصان آپکو اس سے ہوتا ہو ویسا اس کا نام رکھ لیں۔ غرضکہ جہازوں کی آمد و رفت کا مدار بھی اسی سورج پر ہی رہا۔

اور لیجئے گرم پانی کا بھی سورج ہی سے تعلق ہے۔ پانی گرم ہوا کیتلی میں۔ کیتلی گرم ہوئی۔ آگ پر۔ آگ میں حرارت آئی کوئلوں سے۔ کوئلوں میں آفتاب عالمتاب سے۔

خود پانی ہی کو لیجئے۔ آپ کہینگے یہ تو پائپ سے ہی آیا ہے لیکن پائپ میں کہاں سے آیا؟ پائپ میں واٹر ورکس سے۔ واٹر ورکس میں دریا سے دریا میں پہاڑوں کی برف پگھلنے سے۔ جنکو حضرت آفتاب نے پگھلایا۔ ایک اور صورت بھی ہو سکتی ہے کہ دریا میں پانی بارش کا آیا۔ بارش کا پانی بادلوں سے۔ لیکن بادل بھی تو ابخرے ہیں جو سمندر سے اُٹھے اور کیونکر اُٹھے؟ صاف ہے کہ سورج کی گرمی سے اب یہی پانی جو پہلے سمندر میں تھا پھر سمندر ہی کو جا رہا ہے اور رستہ میں کچھ تھوڑا سا آپ کی کیتلی میں چائے کے کام بھی آگیا۔ قدرت کے کارندے یوں کام کر رہے ہیں

آپ کہینگے خیر چائے کی تو اضع تو آفتاب نے کی۔ اب رہی نان خطائی یہ تو آٹے کی بنی ہوئی۔ شکر ہے حضرت آفتاب کی کرنوں کی تو نہیں۔ مگر ذرا صبر کیجئے آپ ابھی پورے پورے حضرت آفتاب ہی کے مہمان ثابت ہوئے جاتے ہیں۔

پھر وہی دور شروع ہوتا ہے۔ نان خطائی تو آگ پر پکی اور آگ میں حرارت کوئلوں سے آئی اور کوئلوں میں آفتاب سے۔ مگر صرف اسی قدر نہیں گندم کو

بھی سُورج ہی نے پکایا اور یہ آٹا بھی سُورج ہی نے پیسا۔ آپ فرماوینگے یہ کیونکر؟ جواب یہ ہے کہ آخر پسنہاری نے کہاں پیسا؟ پن چکی میں۔ ہوائی چکی میں مشین فلاور مل میں؟ یا اور نہیں تو اُسی پُرانی دقیانوسی دو پاٹ کی چکی میں جسے ہاتھ سے چلاتے ہیں۔ پن چکی کے لئے جیسا بیان ہوچکا دریا یا نہر میں پانی آفتاب نے چلایا۔ ہوائی چکی کے لئے ہوا کو حرکت آفتاب نے دی۔ مشین میں کوئلوں کی گرمی آفتاب کی وجہ سے آئی اور لیجے۔ اگر آپ ہاتھ ہی سے چکّی چلاتے ہیں۔ تو آپ کے بازو میں سکت کہاں سے آئی۔ ظاہر ہے کہ روٹی کھانے سے اب اناج کو کس نے پکایا ظاہر ہے کہ اسی آفتاب نے۔ غرض حضرتِ آفتاب کا کرم اس قدر وسیع ہے کہ آپ کہیں بھی اس کے احاطۂ کرم سے باہر نکل نہیں سکتے ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند — تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار — شرطِ انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نبری

اب ایسے بڑے محسن کا گھر دریافت کرنا چاہتے۔ کہ ہم سے کس قدر فاصلہ پر ہے؟ اس کے متعلق سُنئے سُورج کا فاصلہ ہم سے اس قدر زیادہ ہے کہ اس کا پُورا اندازہ لگانا ذرا مشکل کام ہے۔ یہاں سے کھڑے ہوکر اگر ہم یہ دیکھنا چاہیں کہ سامنے سڑک پر کا درخت ہم سے کس قدر دُور ہے تو اندازہ یوں لگائینگے۔ کہ محمڈن ہال اتنے فیٹ لمبا ہے اس کے آگے پلیٹ فارم اس قدر چوڑا ہے اور اس کے آگے سڑک اس قدر لہٰذا درخت کا فاصلہ ہم سے اس قدر ہوا۔ لیکن آفتاب کی طرف نظر اُٹھاتے تو رستہ میں کوئی شے حائل معلوم نہیں دیتی۔ نہ نظر کو کچھ منازل طے کرنے پڑتے ہیں۔ پس براہِ راست آفتاب کا فاصلہ دریافت

کرنا محال معلوم ہوتا ہے۔ مگر آجکل کے ریاضی دان ایسی کل کو مشکل سمجھتے ہی نہیں۔ انہوں نے ایسے طریق نکالے ہیں کہ یہیں سے بیٹھے بیٹھے تمام جائزہ لے آئے ہیں۔ اور ایسے صحیح نتائج نکالے ہیں گویا جریب سے پیمائش کی ہے۔ وہ اس طرح کہ علم مثلث (Trigonometry) کے اصول کے مطابق اگر ایک مثلث کا قاعدہ اور دو زاویہ معلوم ہو جائیں تو باقی اضلاع دریافت کرنا کوئی مشکل بات نہیں

اب فرض کیجئے ایک شخص شاہی مسجد کے مینار پر کھڑا ہے اور ہم دو شخص پریڈ میں ٹہل رہے ہیں۔ تو ہمیں سے کھڑے کھڑے ہم اس کا فاصلہ اور مینار کی بلندی دریافت کر سکتے ہیں۔ وہ اس طرح پر کہ ہم دُور دُور کھڑے ہو کر آپس میں کا فاصلہ ماپ لیتے ہیں اور پھر وہ زاویئے ماپ لیتے ہیں۔ جو اس فاصلے کے ساتھ ہماری پتلی اور مینار کی چوٹی کا خط بناتے ہیں۔ بس ایک قاعدہ اور دو زاویئے معلوم ہو گئے۔ اب سب کچھ نکل سکتا ہے۔ یہ زاویئے معلوم کرنے بھی مشکل نہیں۔ اور نہیں تو معمولی موٹے کاغذ سے قینچی کے ساتھ ذرا ہوشیاری سے کاٹے جا سکتے ہیں۔ غرضکہ اسی قسم کی تدابیر سے مغربی نجومیوں نے سورج کا فاصلہ دریافت کر لیا ہے۔ دو نجومی مل گئے اور زمین کے مختلف حصص پر سے ایک ہی وقت حساب لگایا اور سوال حل ہو گیا۔ اور نہ فقط ایک طریق سے بلکہ ہزاروں مختلف صورتوں سے وہی نتائج مترتب ہوئے۔ پس صحت کا یقین لازمی امر ہے۔

سورج کا فاصلہ زمین سے کم و بیش ۹ کروڑ تیں لاکھ میل کا ثابت ہوا ہے۔ اس عدد کو دیکھئے۔ کتنا بڑا ہے مگر پورا اندازہ لگانے کے لئے اس گھڑی کو ملاحظہ کیجئے۔ کوئی آئے کوئی جائے یہ اپنی ٹک ٹک برابر کئے

جارہی ہے۔ ایک دو تین چار پانچ چھ ..... ایک منٹ میں ساٹھ دفعہ آواز دیگی۔ دیکھئے کیسے جلدی جلدی آواز دے رہی ہے۔ ایک گھنٹہ میں ۳۶۰۰ دفعہ ایک دن رات میں ۲۴ × ۳۶۰۰ دفعہ غرض اسی طرح حساب کرتے جائیے ۹ کروڑ تیس لاکھ بار صرف ٹک ٹک کرنے کے لیئے ۳ سال سے زیادہ چاہئیں۔ گویا اب سے آپ گننے بیٹھ جائیے اور دن رات تین سال کے دراز عرصہ تک نہیں بیٹھے گنتے جائیے جتنی دفعہ یہ گھڑی اتنے عرصہ میں ٹک ٹک کرے گی۔ حضرتِ آفتاب آپ سے اتنے ہی میلوں کے فاصلہ پر ہیں۔ یا یوں سمجھئے آپ روز بمبئی میل اور کلکتہ میل پر سوار ہوتے ہیں اور کس قدر تیزی کے ساتھ سفر کر سکتے ہیں۔ آپ بعض دفعہ ۶۰ میل فی گھنٹہ کے حساب سے راستہ طے کرتے ہیں۔ فرض کر لیجئے ایک آفتاب میل تیار ہوئی ہے اور آپ بجائے بمبئی اور کلکتہ کے چشمۂ آفتاب کی طرف جانے کو ۶۰ میل فی گھنٹہ کے حساب سے جانا شروع کرتے ہیں۔ اگر یہ ریل دن رات چلتی رہے اور کہیں نہ ٹھہرے تو آپ سال بھر میں ۵،۲۵،۶۰۰ لاکھ میل طے کرینگے۔ اب ۹ کروڑ تیس لاکھ میل طے کرنے کے لیئے آپ کو ۱۷۶ سال سے زیادہ سفر کرنا چاہیئے تب آپ کہیں آفتاب کے کنارے کو چھو سکتے ہیں۔ محمد شاہ رنگیلا اگر نادر شاہ سے بھاگ کر ایسی ریل میں سوار ہو جاتا اور ۶۰ میل فی گھنٹہ سفر کرتا رہتا تو شاید آج آفتاب تک پہنچ جاتا۔

اب خیال فرمایئے کہ اگر بادشاہی مسجد لاہور کے مینار پر آدمی کھڑے ہوں تو نیچے سے بالکل بالشتئے نظر آتے ہیں۔ وُہ پہاڑ جس کے دامن میں کھڑے ہونے سے اُن کی چوٹیاں فلک سے لگی ہُوئی معلوم ہوتی ہیں۔ اگر انہیں

تین چار میل سے دیکھا جائے تو بمشکل کنارۂ افق کو ڈھانپ سکینگے۔ لہذا کوئی چیز جتنی دُور ہو اُسی قدر وُہ چھوٹی معلوم دیتی ہے۔ پس آفتاب جو ہم سے ۹ کروڑ تیس لاکھ میل کے فاصلہ پر ایک طاس کے برابر نظر آتا ہے اس کا حجم کس قدر ہوگا؟ جب اسٹرانومر (نجومی) حساب لگاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سُورج بہت بڑی چیز ہے۔ معلوم تو ایک چپاتی جتنا ہوتا ہے لیکن سارے محمڈن ہال سے بڑا ہے بلکہ سارے لاہور سے نہیں۔ سارے پنجاب سے نہیں سارے ہندوستان سے۔ بلکہ ساری دُنیا سے۔ ہماری زمین کا گولہ جب اس کا سُورج سے مقابلہ کیا جائے تو یہ مقدار میں ہیچ نکلتا ہے۔ آپ حیران ہونگے اگر آپ کو بتایا جائے کہ سُورج اس قدر بڑا ہے کہ اگر ایک لاکھ کُرے زمین کے کُرے کی مانند ایک جا رکھے جائیں تب بھی وُہ سب مل کر سُورج کے کُرے سے حجم میں کم ہی رہینگے۔ اگر سُورج کا کُرہ ایک فٹ بال کے برابر سمجھا جائے تو زمین بندوق کے چھرے کے ایک دانے کے بمشکل مطابق ہوسکتی ہے۔ فسُبحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یَصِفُونَ۝

اَے نادان انسان! ذرا ایک منٹ کے لئے سوچ تو کیا ناچیز ہستی ہے۔ اپنا مقابلہ اُن قدرت کی مصنوعات سے کر جن سے تو گھرا ہے۔ پہاڑوں کا ایک ایک پتھر تیری ہستی کو نابود کرنے کے لئے کافی ووافی ہے۔ پھر سوچ کر تیری ہستی اس کرۂ زمین کے سامنے محض صفر کے برابر ہے اور جب یہ سوچ چکے تو خیال کر کہ یہ دُنیا اُن اجرام سماوی کے سامنے پاسنگ کے برابر بھی نہیں جو تیرے سامنے لڑھکتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں تجھ جیسی لاکھوں جانیں تلف ہوجائیں تو جہان کو پرواہ نہ ہو اور تیری دُنیا جیسے لاکھوں اور کروڑوں گنی دُنیائیں نابود ہوجائیں تو نظامِ عالم

میں کوئی تغیر معلوم نہ ہو۔ اس پر سوچ کہ تیرا کبر تیرا غرور تیرا ہمچو من دیگرے نیست کس قدر ہے گویا معاذ اللہ تو اپنے تئیں خدا جانتا ہے۔ ہاں بیشک تو نہ اہی ہے لیکن تو اپنی خدائی کو فریب ہستی کے ہاتھوں لٹا چکا ہے۔ تجھے دُنیاوی تعلقات اور بھائیوں کے ساتھ جھگڑے اور تنازعے ہی اتنی فرصت نہیں دیتے کہ تو اُس وسیع برادری کی طرف توجہ کرے جو آسمانی برادری ہے اور اُن عجائبات کو دیکھے جو دن رات تیرے سامنے اپنے فرائض کے گیت گاتے ہوئے اچھلتے کودتے انکو انجام دیتے ہیں۔

خواجہ دل محمد صاحب دل ایم اے
پروفیسر اسلامیہ کالج۔ لاہور

کھیل

یہ مضمون ہمارے محترم قلمی معاون خان بہادر مرزا سُلطان احمد خاں صاحب ممبر ہائی - کونسل آف ریجنسی ریاست بہاولپور کے دماغ نکتہ آفرین اور قلم بلاغت رقم کا چکیدہ ہے - اور ایسے ہی مضامین کی مُلک کو ضرورت بھی ہے - جن سے نئی نئی اُمنگوں کا اُبھار ہوتا اور دماغوں میں جدت کا نور پرتو فگن ہو سکتا ہے -

قدرت نے مختلف اقسام کی اشیاء اور چیزیں پیدا کیں اور مختلف الوان اور صور سے انہیں ترتیب دیا - تو کیوں ؟ اس لئے کہ انسان جو مخلوقاتِ عالم میں سب سے اشرف اور نجیب الخلقت ہے - اُن مصنوعاتِ باری تعالیٰ سے عملی رنگ میں ہر نوع کے ذہنی - جسمانی اور رُوحانی - بلکہ ہر قسم کے حسّی فوائد تک حاصل کرے اور اپنی ظاہری اور معنوی دونوں زندگیوں کے خوش آئند اور مفید بنانے میں کوشاں ہو -

اگر ہم چشم غور سے دیکھیں تو جو کچھ ہمارے اردگرد سجا سجایا سامان پایا جاتا ہے - یہ ہمارے واسطے ایک بہت بڑا دلچسپ سامان ہے - سُرخ - سفید - زرد ارغوانی اور آسمانی رنگ کی مختلف الالوان چیزیں - حیوانات - نباتات - جمادات یہ ایک ایسا خوش آیند سامان ہے - جس سے ہم مختلف صُورتوں میں بشاشت اور فرحت حاصل کرتے ہیں - سماعت - بصارت - دماغ - ذہن - احساس اور دِل اس سارے سامان سے ساعت بساعت بلا کسی معاوضہ کے جو حظ جو سرور اور فرحت حاصل کرتے یا پاتے ہیں - اگر اس کی قیمت اور معاوضہ لگایا جائے تو ایک بڑی بھاری رقم ہو سکتی ہے اور تیسیر

بھی اس آسانی سے ان کا مہیا ہونا مشکل ہے۔

قدرت نے یہ کیوں کیا اور کیوں اس سامان کو ضروری سمجھا؟ اس واسطے کہ انسان کی زندگی اس کے بغیر کسی حد تک رائگاں اور دوبھر ہے۔ انسان خود بھی ایک مشغلہ ہے اور مشغلہ کا خواہاں بھی ہے۔ انسان کی زندگی شروع سے مشغلہ پسند ہے اور سلطان بھی۔ جاہل بھی اور ایک فلاسفر بھی۔ ایک رکھی بھی اور ایک دنیادار بھی۔ یہ کہا جائیگا کہ مشغلوں میں فرق ہے۔ لیکن یہ نہیں کہا جائیگا کہ کوئی ہستی مشغلہ سے خالی ہے۔ قدرت نے کس مقصد و مرکز پر یہ بنا رکھی ہے؟ صرف اس پر کہ سوائے ان مشاغل کے انسان کی زندگی محض بے لطف ہی نہ رہ جاتی۔ بلکہ اسباب صحت میں بھی گونہ کمی رہتی اور اس کی قوتوں اور جذبات میں وہ جدت نہ پیدا ہوتی جس کی ضرورت ہے اور جس کے واسطے انسانی زندگی اور انسانی ہستی رشک مخلوقات بن رہی ہے

بچہ پیدا ہوتے ہی کوئی نہ کوئی مشغلہ چاہتا ہے۔ کبھی یہ مشغلہ خوشی اور فرحت سے پورا کرتا ہے اور کبھی کھیل اور ہنسی میں اور کبھی رو دھو کر اس منزل سے گذرتا ہے۔

کہتے ہیں جب کوئی بچہ کسی نہ کسی مشغلہ میں نہ ہو اور خاموشی سے وقت گذار دے تو اس کے طبعی جذبات یا اس کی فطری حالت کی چلتی گاڑی میں ضرور کوئی نہ کوئی روڑا اٹک جاتا ہے۔ اس کا خاموش ہونا بلا مشغلہ رہنا علامت ہے اس بات کی کہ اس کی طبیعت کسی نہ کسی وجہ سے بگڑ گئی ہے۔ اور اس میں کوئی نہ کوئی نقص آ گیا ہے۔ بچہ بچپن میں جو حرکتیں کرتا ہے اور جن امور میں اس کی الہڑ زندگی کے دن گذرتے ہیں وہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ انسان کہاں تک خوشی اور فرحت کا خواہاں ہے۔

اگرچہ انسانی زندگی کے ساتھ غم اور کلفت لازمی ہے۔ لیکن باایں ہمہ انسان ہمیشہ سرور اور خوشی کا خواہاں ہے۔ قدرت کی رعایات اور عنایات دیکھ کر انسان نے خود بھی اپنے واسطے سرور۔ خوشی۔ فرصت اور مسرت کے سامان پیدا کرنے میں کمی نہیں کی۔ یہاں تک کہ اس بیابانِ جنون میں وُہ بہت کچھ دُور تک چلا گیا ہے اور اُس نے اِن باتوں سے بجائے فوائد کے نقصان بھی اُٹھائے ہیں۔ اس دُھن میں بدقسمتی سے ایسی ایسی منزلوں سے گذرا ہے کہ اصل منزل ہی بھول گیا یا پیچھے چھوڑ گیا۔

تمام قوموں اور سارے ملکوں میں کسی نہ کسی رنگ میں کھیلوں کا وجود ضرور پایا جاتا ہے اور لوگ کسی نہ کسی حد تک اُن کے عادی ہیں۔ کوئی کسی رنگ میں اور کوئی کسی رنگ میں۔ جس سرزمین میں انسان گیا اور جہاں اِس ہستی کے قدم پڑے وہاں ہی کوئی نہ کوئی کھیل یا تماشا مہیّا کیا گیا۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ انسان ہمیشہ اس کا عادی اور خواہشمند ہے اور وُہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

یہ اس کی خواہش محض نفسانی یا عارضی نہیں ہے بلکہ یہ ایک طبعی خواہش ہے اور اس سے اس کی زندگی پر ایک خاص اثر پڑتا ہے اور اگر وہ اس سے تمام عمر خالی رہتا ہے تو اپنی زندگی کے واسطے ایک قسم کی بُرائی اور خرابی خود پیدا کرتا ہے۔ اگرچہ کھیلوں اور تماشوں میں بہت کچھ خرابیاں اور اخلاقی بُرائیاں بھی پیدا ہوگئی ہیں۔ لیکن ہمیں بالذات اور نفسِ کھیل سے کبھی انکار نہیں کرنا چاہئیے۔

بعض لوگ یہ سمجھے ہُوئے ہیں کہ کھیل صرف ایک کھیل ہی ہے۔ یعنی کھیل سے ایک فضول اور عبث حرکت یا حرکات مراد ہیں۔ یہ ایک بُرا پہلو لیا گیا ہے

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض شخصوں نے کھیل کی صحیح فلسفی پر غور نہیں کیا اور یہ سوچا نہیں کہ یہ ہے کیا! اور اس کی کیا ضرورت ہے۔ کھیل بمعنی کھیل یعنی فضول حرکات کے نہیں ہے بلکہ کھیل سے مراد وہ تفریح اور وہ ورزش اور وہ فعل ہے جس سے انسانی زندگی کے کل اور پرزوں میں یک رنگ عمل ایک قسم کی صحیح حرکت اور صحیح دَور پیدا ہوتا ہے اور انسان اُن افعال سے اپنے دماغ اور دل میں ایک قسم کا تفریحی مواد بہم پاتا یا دیا کیا کرتا ہے۔ انسان کیوں اور کب کھیلنا چاہتا ہے۔ جب اس کی طبیعت پر کسی قسم کی اُداسی۔ تردد۔ کاہلی۔ سستی یا کلفت موثر اور غالب ہو۔ جب وہ ایک لگاتار مصروفیت اور کام سے تھک جائے۔ جب اس کا دماغ اور دل کام کرتے کرتے آرام کا خواہاں ہو جب وہ ایک رواں حالت یا طاری کیفیت سے ایک دوسری قسم کی آزادانہ کیفیت کا ضرورتاً متلاشی ہو۔

ان حالات میں کھیل کا نام ۔ دوسرے الفاظ میں ایک ایسا مشغلہ ہوا جو بجائے خود ایک کام بھی ہے لیکن اس میں بجائے تکان اور کلفت کے ایک قسم کی آزادی اور سیر ہے اور دل و دماغ ایک خاص وقت تک اسے پسند کرنے پر مجبور ہیں۔ کھیل سے بھی جب دل و دماغ اُکتا جاتے ہیں تو وہ بھی ایک کام اور پابندی ہو جاتا ہے اور اصل کام اور مصروفیت سے جب انسان اُکتا جاتا ہے اور کوئی کھیل چاہتا ہے تو وہ کام بھی وبال جان ہو جاتا ہے۔ اس کی کلفت دور کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی کھیل تلاش ہوتا ہے۔ لگاتار۔ کام اور مصروفیت بھیا بدن ماندہ ہوتا اور تھک جاتا ہے اور بدن میں ہی نہیں بلکہ قوتوں

اور جذبات میں بھی ایک قسم کی ناتوانی اور کمزوری پیدا ہونے لگتی ہے لیکن مناسب حد تک کھیل سے بدن میں توانائی اور رونق آیا کرتی ہے۔ اور قوتوں اور جذبات میں ایک قسم کی جدت صفائی مضبوطی۔ روشنی اور طاقت پیدا ہوتی ہے۔

جب کبھی انسان صبح سے شام تک کام کرتے کرتے انگڑائی یا جمائی لیکر اُٹھتا اور اِدھر اُدھر پھرتا چلتا ہے تو اس کی جان یا اس کی طبیعت ایک قسم کی طمانیت میں آجاتی ہے اور جب وُہ کوئی خوش نما یا خوش آیند سماں دیکھتا ہے تو اس کو اَور بھی آسائش ملتی اور اس کی کلفت دور ہوتی جاتی ہے۔ کھیل کیا ہے؟ یہ بدن کی جسمانی اور رُوحانی قوتوں اور بڑھنے اور گھٹنے والے جذبات کو سماعی۔ بصری اور عملی نظاروں اور تصورات، مشاہدات اور حرکات سے مستفید کر کے انہیں اپنے مرکز اور مواقع پر ٹھہرانے والا ہے اور وُہ غذا ہے جو قدرت نے عملی رنگ میں انسان کے جذبات او اعصاب کے واسطے خود اسی کی طبع میں ودیعت کر رکھی ہے۔

ہر انسان اپنی ہی ذاتی نظر سے یہ معمّا۔ آسانی سے حل کر سکتا ہے۔ روزمرہ ورنہ ہفتہ میں ایک یا دو بار ضرور ہر انسان ایسے مشاہدات کرتا ہے کبھی کبھی ایک متردد اور پریشان انسان خوش آواز سنکر یکایک اپنی جان اپنے بدن اور اپنے خیالات کے سمندر میں ایک قسم کی ایسی خاص کیفیت اور توجہ پاتا ہے کہ وہ اس کے غم زدہ اور افسردہ جذبات کے واسطے ایک مخصوص مشغلہ کی صورت میں کمال فرحت بخش اور آسائش دہ یا سرور انگیز ہوتا ہے۔ بدن کے اعصاب میں ایک گرم جوشی اور امید آمیز حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور انسان اپنے تئیں کسی اَور ہی رنگ اور صورت میں پاتا ہے۔ اس قسم کی تمام صورتیں اور واقعات ثابت کرتے ہیں کہ

انسان اور اس کے جذبات یا اس کی زندگی بالخصوص اُن افعال اور اُن حرکات سے آسائش پاتی ہے۔ جو اس کے معمولی یا روزمرّہ کے کاموں سے علاوہ کچھ اور ہی صُورت اور مختلف پہلو رکھتے ہیں ۔

اس بحث سے ثابت ہے کہ کھیل یا کھیلنا اس حد کے اندر ہے جس کو ضرورت جائز رکھتی ہے۔ فضول اور عبث نہیں ہے اور واقعی نظام بدنی کے واسطے اسکی سخت ضرورت ہے اور اس سے اِنکار نہیں کیا جا سکتا۔

یہ سوال ہو سکتا ہے کہ

ہر ملک اور ہر قوم کے کھیل جداگانہ کیوں ہیں ؟ اس کا یہ جواب ہے کہ جس طرح انسانی زندگی میں ۔

"آب و ہوا ۔

"ضروریات ۔

"آداب معاشرت

کو بہت کچھ دخل ہے۔ اسی طرح ہر کھیلوں اور کھیلوں کی ترتیب میں بھی ان امور کا بہت کچھ دخل ہے۔

سرد ممالک کے کھیل کوئی اور کیفیت رکھتے ہیں اور گرم ملکوں کے کھیلوں کا طور طریقہ کچھ اَور ہے۔ جو قومیں سرد ممالک میں رہتی ہیں اُن کے کھیل گرم ممالک کی قوموں سے عموماً مختلف ہونگے۔ پہاڑی ملکوں اور پہاڑی قوموں کے کھیل کچھ اور کیفیت رکھتے ہیں اور میدانی اقطاع کے کھیل نسبتاً کچھ اور ہوتے ہیں اسی طرح مردوں عورتوں اور عوام اور خواص کے کھیلوں میں بھی فرق ہوتا ہے ۔

اس سے ثابت ہے کہ نسبت کے اعتبارات سے کھیلوں کی تقسیم کی جا کر ترتیب دی گئی ہے۔ چونکہ لوگوں نے کھیلوں کی ہستی تقریباً لغو سمجھ رکھی ہے۔

اور یہ ورثہ ہمارے مُلک یا ہماری قوموں میں صرف نو عمر لڑکوں اور لڑکیوں کو ہی دیا گیا ہے ۔ اس واسطے ان کی بابت کوئی صحیح مجموعہ ہماری زبانوں میں نہیں مل سکتا ۔ یہ ایک علمی اور عملی نقص ہے ۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے ملک کے کھیلوں میں کبھی کوئی ترمیم اور تجدید نہیں ہوتی اور دِن بدن اُن کا مشغلہ موقوف اور ان کی تعداد کم ہوتی جاتی ہے ۔

صرف صوبہ پنجاب میں لڑکوں اور لڑکیوں کے کوئی ۶۰ ۔ ۷۰ کھیل ہونگے ۔ اور اُن میں سے بعض کھیلوں میں نظامِ بدنی کے متعلق ایک ایک حکمت اور مفید کیفیت رکھی گئی ہے ۔ لیکن اُن کی صحیح تفصیل ایک مجموعہ میں بہت مشکل سے ملیگی ۔ پنجاب میں جس قدر پُرانے کھیل پائے جاتے ہیں ۔ وُہ مردوں اور عورتوں میں ایک نہایت خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ تقسیم شدہ ہیں ۔ یہاں جو کھیل مرد کھیلتے ہیں وُہ عورتیں نہیں کھیلتیں اور جو کھیل عورتیں کھیلتی ہیں انہیں مرد پسند نہیں کرتے یا وُہ اُن کے مناسب حال نہیں ہیں ۔ مردوں کے کھیلوں میں طاقت ۔ مرزور اور دوڑ دھوپ زیادہ ہے ۔ جسے عورتیں پسند نہیں کرتی ہیں یا اُن میں پُوری نہیں اُتر سکتیں مرد عورتوں کے خاص کھیل اس واسطے بھی نہیں کھیلتے کہ اُن میں واقعی ایک قسم کا زنانہ پن پایا جاتا ہے اور بعض کھیل ایسے بھی ہیں ۔ جو مشترکہ کہے جا سکتے ہیں ۔ کھیلوں کی کیفیتی تقسیم اور اس کی قسمیں حسب ذیل ہو سکتی ہیں :-

(الف) دماغی کھیل ۔

(ب) جسمانی کھیل ۔

(ج) عملی کھیل ۔

(د) علمی کھیل ۔

دماغی صرف وہ کھیل ہیں جن سے دماغ کو خاص تعلق ہو اور سوائے دماغ سوزی کے اُن کی تکمیل نہ ہو سکے جسمانی کھیلوں میں دماغ سوزی کم ہوتی ہے لیکن زور اور طاقت یا حرکات کا زیادہ خرچ ہوتا ہے۔

علمی کھیلوں میں کفایت اور حکمت پر بحث ہوتی ہے۔

عملی کھیلوں میں عمل اور پابندی واجبات پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔

غرضیکہ چاہے کسی قسم کا کھیل ہو ہر کھیل ایک تفریح اور ایک نتیجہ ضرور رکھتا ہے۔ تفریح کے لحاظ سے وہ دل و دماغ پر اثر کرتا ہے اور نتیجہ کے اعتبار سے جسم اور ضروریات جسمانی پر موثر ہوتا ہے۔ کوئی کھیل ان دونوں مواد سے خالی نہیں۔ اور اگر کوئی کھیل ان اُمور سے خالی ہے تو یہ کہنا بجا ہوگا کہ وُہ ابھی تکمیل طلب ہے۔ یا اس کی کیفیتِ تفریحیہ اور ضرورت پر کامل غور نہیں کیا گیا۔

کھیلوں کی بابت ہماری قوموں اور ہمارے ملکوں میں ایک ایسی بڑی عملی یا ترتیبی غلطی پائی جاتی ہے جسکی وجہ سے اُنکی حقیقت مستتر اور اُنکا فائدہ مشکوک ہو گیا ہے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کھیل صرف نوعمر یا نوخیز نسلیں ہی کھیل سکتی ہیں اور لہو ولعب محض انہیں کا حصہ ہے۔ یہ ایک غلطی ہے۔ بہ نسبت نوخیزوں اور نوعمروں کے بڑی عمر والوں کو تفریح اور ورزش کی زیادہ تر ضرورت ہے۔ نوعمروں کے جذبات اور اعصاب خود بخود نشو و نما کے گہوارہ میں پرورش پاتے رہتے ہیں اور وُہ سوائے اس کے کہ کوئی روک ہو جائے خود بخود ہی بڑھتے جائینگے۔ لیکن عمر رسیدہ لوگوں کے جذبات خصوصیت سے ارتقا اور مواد محبتیہ اور اسباب نشویہ کے خواستگار ہیں اُنہیں تفریح

اندر ورزش کی زیادہ ضرورت ہے۔ جو شخص ایسی عمر میں کوئی مہذب اور مفید ورزش کر سکتا ہے اور کوئی کھیل کھیل سکتا ہے۔ تو یہ اس کا طبعی حق ہے۔

ہمارے ملک میں جب کوئی بڑا بوڑھا آدمی ایسا کرتا ہے تو اُسے خواہ مخواہ نکو بنایا جاتا ہے۔ جاپان میں بوڑھے آدمی بعض ایسے خاص کھیل کھیلتے ہیں کہ لڑکے اور نوجوان اُن کی صرف سیر دیکھتے ہیں۔ یہاں جب کوئی صاحب مرکز ورتبہ یا صاحبِ عزت ومرتبہ کوئی ورزش کرتا یا کھیل کھیلتا ہے تو لوگ اس پر بھی نکتہ چینی کرتے ہیں۔ گویا انکی نگاہوں میں ایسے لوگ تفریح اور ضرورتِ زندگی سے فارغ خطی لے چکے ہوتے ہیں۔ اور انکی زندگی صرف اپنے مرتبہ کے رکھ رکھاؤ کے خیال ہی پر بسر ہو سکتی ہے۔ یورپ میں رات کے کھانے کے بعد کوئی نہ کوئی کھیل یا مہذب مشغلہ ضرور ہوتا ہے۔ اور یہاں رات کے کھانے پر ہی سب قسم کی کلفتوں کا باب کھلتا ہے۔ اب ہمارے ملک میں بعض انگریزی کھیل بھی آ گئے ہیں بیشک اُن میں سے بعض کھیل بہت مفید ہیں۔ ضروری ہے کہ اُن کا چربہ بھی اُتارا جائے۔ اور وہ بھی کام میں لائے جائیں لیکن اس کا یہ اثر نہیں ہونا چاہیے کہ ملکی اور گھر کے کھیل بالکل ہی ترک کر دیئے جائیں۔

جدید پیشی سے کوئی حرج نہیں لیکن کمی موجب نقص ہے ہاں غیر مہذب مضرِ صحت اور مزیل ناموس کھیل بیشک قابل ترک ہیں۔ اس میں بحث ہے کہ ہمارے ملک میں جس قدر کھیل پائے جاتے ہیں۔ اُن سب کو کھیلوں کے زمرہ میں رکھا جا سکتا ہے یا نہیں؟ پنجاب میں جس قدر کھیل پائے جاتے ہیں وہ سب ہمیں یاد نہیں ہیں۔ مگر اُن میں سے چند کا ہم کچھ بیان لکھتے ہیں۔ ان کھیلوں کے نام پنجاب کے مختلف حصوں میں مختلف بھی ہونگے

اور اس حد تک کے طرز عمل میں بھی فرق ہوگا اور بعض کھیل ایک جگہ کے سوا دوسری جگہ میں پائے بھی نہ جاتے ہونگے :-

مردانہ کھیل

(۱) کبڈی یا کوڈی۔

(۲) سونچی۔

(۳) اتہ پتا گلوگل پہاڑیا۔

(۴) تتر مور کسنا بہاسا۔

(۵) جیحو جیج کھدولیا۔

(۶) گرل گرڈی۔

(۷) اٹ کھڑکا۔

(۸) کھدو بٹی۔

(۹) ممولی گھوڑی۔

(۱۰) اٹنی پٹنی پون سلائی جھٹ ایں گئی۔

(۱۱) میری میری گھو یاں۔

(۱۲) کوڈہ چھپائی جمعرات آئی۔

(۱۳) لال پٹی۔

(۱۴) اچپکنا مچکویا۔

(۱۵) خان خان متو نیا۔

(۱۶) تیج گتا۔

(۱۷) لینگی ٹیرۃ

(۱۸) گلی ڈنڈا۔

(۱۹) لاٹو۔
(۲۰) اک منکی چک لے دوجی تیار۔
(۲۱) اپنی گھوڑی یا ہاتھ کھودانہ۔
(۲۲) رسّہ۔
(۲۳) چھکڑی۔
(۲۴) چکڑلوہا۔
(۲۵) لوکن چھپی۔
(۲۶) فیتہ۔
(۲۷) پھینک۔
(۲۸) تاش۔
(۲۹) شطرنج۔
(۳۰) سودی یا گیڑی۔
(۳۱) کنکوا یا پتنگ بازی۔
(۳۲) مگدر۔
(۳۳) منگلیاں یا موگریاں۔
(۳۴) توہر۔
(۳۵) لون چٹنا۔
(۳۶) چھلّہ
(۳۷) کوڈیاں۔
(۳۸) چھڑی چھپیا۔
(۳۹) لال یا دودا۔

عورتوں کے کھیل

(۴۰) کھینوں -

(۴۱) گوڈیاں -

(۴۲) کلکلیاں -

(۴۳) کھدو کھیلے تھال پانے -

(۴۴) کانوڑ -

(۴۵) بجال تلیاں -

مشترکہ کھیلوں نیں مثل کھیل ٹاٹ نمبر ۲۵ + ۲۸ + ۲۹ ہیں - پنجابی کھیلوں کی تاریخی کیفیت ابھی تک اخفا میں ہے - ممکن ہے کہ بعض کھیل کسی دوسرے ملک سے بھی آئے ہوں +

خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب ممبر آل

کونسل ریاست بہاولپور (پنجاب)

روزنامچہ نواب سربلند جنگ بہادر

(چیف جسٹس حیدرآباد دکن)

۱۱۔ جنوری سنہ ۱۸۸۵ء قریب ڈھائی بجے کے میں محمد علی صاحب روگھی سے ملا اور اُنکو بیگم مورلیس صاحب کے خاندان کے لوگوں سے جو پارک لین میں رہتے ہیں ملنے گیا۔ بعدازاں روگھی صاحب کے مکان پر کھانا کھایا اور ۱۰ بجے تک وہاں ٹھہرا۔ بانڈ اسٹریٹ میں میں نے دیکھا کہ بعض دوکانوں میں شہزادہ البرٹ وکٹر کی تقریب سالگرہ میں روشنی کی گئی ہے۔ میں سرکس تک اور تھوڑی دور ریجنٹ اسٹریٹ میں گیا لیکن اس کے آگے روشنی نہ ہونے سے ویگو اسٹریٹ کی طرف پلٹا۔ اور بانڈ اسٹریٹ ہوکر میں اپنے کمرہ واقع کانڈوِیٹ اسٹریٹ نمبر ۱۴ کو چلا گیا۔ بانڈ اسٹریٹ میں بہت سی دوکانوں میں روشنی کی گئی تھی۔ اور پیکوڈلی میں اور کانڈوِیٹ اسٹریٹ کی دو ایک دوکانوں میں اچھی روشنی تھی۔

۱۲۔ جنوری آج تیسرے پہر مسٹر و مسز ہوم شم کاکس حسب وعدہ مجھ سے ملنے آئے اور چائے نوشی کے وقت تک ٹھہرے۔ میں اُن کے آنے سے بہت خوش ہوا۔

۱۳۔ جنوری آج کا دن اچھا نہیں ہے۔ برف باری ہو رہی ہے۔ قریب چار بجے کے میں اوپرا ہیٹ (کلاہ) خریدنے اور شمپو کرانے (یعنی صابن لگا کر سر دھلوانے) کے لئے باہر نکلا۔

۶ ساعت ۱۰ دقیقہ پر میں روگھی صاحب کے یہاں گیا اور اُس کے بعد ہم سب ملک نیشنل انڈین ایسوسی ایشن کے جلسہ میں گئے۔ یہ کمرے کینڈ اس

اسٹریٹ نمبر ۱۱ میں واقع ہیں اور یہ وہ مکان نہیں ہے جہاں سابق میں جلسے ہوا کرتے تھے۔ موجودہ کمرے بہ نسبت اُن کے بہت اچھے ہیں۔

بہت سے ہندوستانی احباب سے ملاقات ہوئی۔ لیڈی لمسڈن اور مسز ہیگاٹ اور اُن کی بھتیجی سے مجھ سے تعارف کرایا گیا۔ لیڈی لمسڈن ہندوستان ہو آئی ہیں۔ مس مورس اور مجھ سے ایک عرصہ دراز تک تھیو سافی (علم صوفیہ) اور قدیم مصری عمارتوں کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ ان مضامین پر ہم دونوں میں ہمیشہ بحث ہوتی رہتی ہے اور کوئی نہ کوئی تازہ بحث نکل آتا ہے اور بروقت علیحدگی ہم دونوں سمجھتے ہیں کہ ہماری رائیں متفق نہیں ہو سکتیں گو ہم دونوں میں باہم یکساں ہمدردی ہے۔ ہم باتوں میں ایسے مصروف ہوئے کہ بہت ہی تھوڑے مہمان باقی رہ گئے۔ میں اپنے کمرے (مسکن) کو قریب ½ ۱۱ بجے کے واپس ہوا جو کیونڈش اسکوائر سے بہت دُور نہ تھا۔ اور کتاب دی پرائم منسٹر کے چند صفحہ دیکھ کر میں نے آرام کیا۔

۱۴۔ جنوری | میں کلب کو واپس گیا۔ اور میں نے اپنے اُستاد کو جو کیمبرج میں تھے لکھا کہ میں اُن سے کل ملنا چاہتا ہوں۔ دفعتاً میرا ارادہ پھر کیمبرج جانے کا ہوا۔

۱۵۔ جنوری | کنگس کراس سے ½ ۱۱ بجے روانہ ہو کر ½ ۱۲ بجے کیمبرج پہنچا اور مسٹر کارٹ مل سے ملاقات ہوئی۔ مختلف امور پر اُن سے باتیں ہوئیں۔

ڈاکٹر پول جو محبتہ جانی کہے جاتے ہیں۔ کیمبرج میں نہ تھے۔ مسٹر کارٹ مل نے مجھے ان کا لنڈن کا پتہ دیا اس لئے میں ½ ۴ بجے کی گاڑی میں واپس ہوا اور ان سے مڈلینڈ ہوٹل میں ملا۔

۱۶۔ جنوری | آج میں نے ہندوستان کو خطوط لکھے جن میں مختصر طور پر امتحان بیرسٹری

کے نتیجہ کا ذکر درج کیا۔ لیکن کیمبرج واپس جانے کے ارادہ کا کچھ ان میں ذکر نہیں لکھا۔

مَیں نے لنکلن اِن میں کھانا کھایا اور بار ٹیبل پر دوبارہ پیش کیا گیا۔ ہمارے ان کا یہ ایک خاص طریقہ ہے۔ ایک مرتبہ مَیں اپنے تیسرے اور چوتھے ٹرم میں پیش کیا گیا تھا اور اب اپنے بارھویں ٹرم میں پیش کیا گیا۔

مَیں مسٹر برڈ سے ملا۔ جو صرف اسی ٹرم میں ان میں شریک ہوئے ہیں۔

مَیں اپنے مقام سکونت پر واپس گیا اور اینٹونی ٹرالوپ کی کتاب پرائم منسٹر کو ختم کرنے کی غرض سے ایک بجے کے بعد تک جاگتا رہا۔ اس کتاب کے پڑھنے سے بہت تفریح ہوتی ہے لیکن غیر معمولی طور پر یہ کتاب عمدہ نہیں ہے اور تمام کتاب بلحاظ اپنی عمدگی کے یکساں ہے۔

۱۷۔ جنوری کیمبرج کی روانگی سے پہلے میں مسٹر روکہی کے پاس رخصت ہونے کے لئے گیا۔ اس کے بعد راس صاحب کے خاندان کے لوگوں کے پاس گیا۔ مسز راس کا مزاج اچھا نہ تھا۔ مس راس سے ملاقات ہوئی اس کے بعد کلب کو واپس گیا۔ اور لیونل ٹینی سن سے کلب کے باہر ہی ملاقات ہو گئی۔ اُنہوں نے مجھ سے کہا کہ مَیں آپ کے نام ایک چھٹی پورٹر کو دیکر آیا ہُوں۔ جس میں میں نے آپ کو کل ۱۰ بجے شب کو پارٹی میں (دعوت میں) بلایا ہے لنکلن اِن میں پھر کھانا کھایا اور جے کارٹ رل سے ملا جنہوں نے مجھ سے رخصت نہ ہونے کے متعلق بہت سے عذرات کئے۔ مَیں نے ان سے کہا کہ مَیں ٹرم کے واسطے کیمبرج آیا ہوں۔

۱۸۔ جنوری آج تیسرے پہر کو میں مس سپنگ سے ملنے گیا۔ اور دس بجے شب کو مسٹر ٹینی سن کے مکان پر گیا۔ وہاں بہت سے لوگ جمع تھے۔ امریکن جنرل گرانٹ کی بیٹی بھی وہاں تھیں جن سے مجھ سے پہلی کھانے کی دعوت میں ملاقات

ہوئی تھی۔ پروفیسر سیلی بھی معہ مسٹر و مسز بارنٹ کے وہاں تھے۔ مسز براتھرو اور مس بوچر س بیٹیاں اور بہت سے قابل اشخاص وہاں موجود تھے۔ مسز ایل ٹینی سن جو عمدہ میزبان تھیں خود بھی بہت قابل ہیں۔ کئی مردوں اور عورتوں نے گایا بجایا۔ سب سے عمدہ پیانو بجانے والی مس وائٹ تھیں۔

میں نے طے کر لیا ہے اور اپنے اُستاد سے آئندہ چارشنبہ کو کیمبرج جانیکی اجازت مانگی ہے۔

۱۹۔ جنوری | راس صاحب کے یہاں میں نے دعوت کا کھانا کھایا۔ وہ لوگ حسب دستور بہت مہربانی سے پیش آئے۔ مسز راس کا مزاج زکام اور کھانسی سے کسی قدر ناساز تھا۔ کھانے میں اور کئی آدمی شریک تھے۔ مسز ڈودی جن سے میں کئی مرتبہ سابق میں مل چکا تھا اُسی مکان میں قیام پذیر تھیں اُن کی دو بھتیجیاں مع اپنے بھائی کے کھانے میں شریک تھیں۔ کرنل راس کے فرزند ماسٹر سانڈی بھی دعوت میں آتے تھے۔ میں نے جو انکو پچھلی مرتبہ دیکھا تھا اُسوقت سے وُہ بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ کھانے کے بعد مس راس نے گانا گایا ان کی آواز بہت اچھی ہے۔ ۳ ½ بجے میں برخاست کر کے کلب گیا اور شب کو ڈنر کھایا۔ پھر واپس ہوا۔

۲۰۔ جنوری | دس پونڈ یعنی اشرفیوں میں ایک پورٹ منٹو میں نے خرید کیا جو فرمائش پر بنایا گیا تھا۔ مجھ سے غریب آدمی کے لئے یہ بہت زیادہ ہے لیکن اچھا وقت بھی آنے والا ہے۔ لنکلن ان میں جہاں میں کھانے کو بیس منٹ قبل پہنچ گیا تھا۔ کھانا کھایا اور خوش قسمتی سے لٹن اوریشن سُننے کا موقع ملا جو ایک طالب علم نے حاضرین کو سُنایا۔

اگرچہ میرے والد مجھے جلد ہندوستان واپس بلانا چاہتے ہیں۔ اور مجھے

بیرسٹری کا صرف ایک ہی مضمون میں امتحان پاس کرنا باقی رہ گیا ہے ۔ جو میں بآسانی پاس کر سکتا ہوں ۔ لیکن میری خواہش ہے کہ کیمبرج کی ڈگری کے بغیر واپس نہ ہوں اس لئے میں چپ چاپ لندن سے کیمبرج جاتا ہوں ۔

۲۲ جنوری | کیمبرج پہنچ گیا ۔ واس کے ساتھ صبح کا کھانا اور فاکس کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا ۔ ٹرنٹی اسٹریٹ اور کنگز پریڈ میں تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد نمبر ۱۶ کنگز پریڈ پر نہایت عمدہ کمرے اول منزل پر سولہ اشرفی (پونڈ) فی ٹرم پر کرایہ لئے ۔

رستہ میں بہت سے دوستوں سے ملاقات ہوئی جن سے میں سال گذشتہ رخصت ہو گیا تھا ۔ کیونکہ کیمبرج واپسی کا خیال اُس وقت نہیں تھا ۔ سب مجھ سے مل کر بہت خوش ہوئے ۔

۲۳ جنوری | آج میں نے ہندوستان کو خطوط لکھے ۔ میں نے دفعتًا خبر دینا مناسب نہیں خیال کیا ۔ اس لئے میں نے مختصر طور پر کیمبرج واپس جانے کے متعلق لکھا تاکہ وہ لوگ آنے والے نازک واقعہ کے واسطے تیار ہو جائیں ۔ آئندہ ہفتہ کو میں مفصل لکھونگا ۔ کہ مجھ کو بلانے سے کیا کیا نقصانات ہونگے ۔

میں کاکس صاحب اور واراکر صاحب کے مکان پر گیا اور پروفیسر سلی کے پاس اس خیال سے گیا کہ وہ ایک کنورسیشنل کلاس قائم کیا کرتے ہیں ۔ لیکن معلوم ہوا کہ ایسا نہیں کیا گیا ۔ مجھے خیال ہے کہ انہوں نے دن یا وقت کو تبدیل کر دیا ۔ بہرحال مجھے دریافت کرنا چاہئے ۔

میں یونین میں گیا اور کئی اخبارات و تار پڑھے ۔ جن میں یہ تعجب خیز خبر تھی کہ لندن میں تین ڈائنامیٹ پھوٹ گئے ۔ شام کو مباحثہ کالج یعنی کالج ڈبیٹ میں شریک ہوا ۔ کام کے بعد عہدہ داروں کا انتخاب کیا گیا ۔

اسے اسی شبلی سے ملاقات کی جن کا مزاج کسی قدر ناساز ہے۔

۱۵۔ جنوری | آج پلیٹو رپبلک کو میں نے پڑھا جس کا انگریزی ترجمہ ڈیوس اور آن نے کیا ہے۔

کس وار اکر مجھ سے ملنے آئے اور قریب ۴ ساعت ۱۵ دقیقہ کے میں سر و لنڈہ لیڈی سے ملنے کو گیا اور چائے نوشی تک وہاں ٹھہرا مسس نگس آف نیونہم (جنکو میں مس آرمس جانتا تھا اور جو قطرتا سائنٹسٹ (علوم طبیعات دان) ہیں اور ایک اور شخص اسی مدرسہ کے وہاں موجود تھے۔ اور بعد چائے نوشی کے کچھ تجربے ہم نے کئے جن میں سے دو میں کامیابی ہوئی۔ لیکن وہ آسانی سے بیان کئے جاسکتے ہیں۔ میں اپنا ڈنر کا وقت بھول گیا اور اس وجہ سے مجھے کھانے کے لئے بر رودٹ کے ہوٹل جانا پڑا۔ اس کا خرچ کسی قدر زیادہ یعنے ۸ شلنگ ہے۔

۲۵۔ جنوری | ۸ ساعت ۱۵ دقیقہ پر میں عنایت اللہ کے مکان پر مجلس میں گیا اور تقریباً ۱۰ ساعت ۵۴ دقیقہ تک وہاں رہا۔ اس کے بعد اپنے مکان واپس آیا۔

ایک جدید ممبر مرطا بھائی منتخب کئے گئے جو بلحاظ قومیت کے پارسی ہیں اور فی الحال کوئنس کالج کے ممبر ہیں وہ کا ڈنڈیشں سے جہاں وہ گذشتہ ٹرم میں داخل ہوئے تھے چلے آئے ہیں۔

۲۶۔ جنوری | آج میں سر و لینڈ ولسن کا لکچر سننے کے لئے گیا جو قانون فوجداری ہند کے متعلق تھا اور جس کا وقت ۹ سے ۱۱ بجے تک تھا۔ بعد ازاں واسطی لائبریری کو گیا اور گوڈیوں ولڈ پراپرٹی کے کچھ اجزاء دیکھے۔ ولیم کی جو کتاب اسی مضمون پر ہے اس سے یہ بہت عمدہ ہے۔ سہ پہر کو مسز برو تھرو کے مکان پر گیا۔ خوش قسمتی سے وہ مکان پر ملیں اور ان سے چائے نوشی کے وقت تک خوب باتیں ہوتی رہیں

۲۷ - جنوری | آج شام کو یونین میں کریمیشن پر مباحثہ ہوا جو کریمیشن کے موافق تھا - لیکن تقریریں بہت عمدہ نہیں کی گئیں -

۲۸ - جنوری | آج میں سر آر - کے ولسن کا لکچر سننے گیا - بعد ازاں کتب خانہ کو گیا - گوڈیو کو پڑھا اور قانون فوجداری ہند پر بہت اچھی اچھی کتابیں دیکھنے میں آئیں جنکو وقتاً فوقتاً میں دیکھا کرونگا -

پروفیسر سیلی صاحب کا لکچر سننے کو گیا جو انگلینڈس فارین پالیسی ان دی ایٹھ سنچری پر لکچر بہت اچھا تھا - وہاں سے گارڈنر صاحب کا لکچر سننے گیا جو یونانیوں کی خانگی زندگی پر تھا - لکچر بہت اچھا تھا - لیکن لکچرار صاحب بہت افسردہ معلوم ہوتے تھے - اور معلوم ہوتا تھا کہ اپنے مذاق کا لطف خود نہیں اٹھا سکتے -

۲۹ - جنوری | آج شام کو میں سر آر - کے - ولسن کے مکان پر کوئن کا ایک مضمون سننے کے لئے گیا - یہ میرے اس زمانے کے ملاقاتی ہیں - جبکہ ہم رن اور گرنی کے ہاں بھرتی تھے - وہ کاغذ انڈین سول سروس ڈیبیٹنگ کلب کے ہفتہ وار جلسہ میں پڑھا گیا تھا جس میں مجھے سر آر ولسن نے ازراہ مہربانی بلایا تھا - اس پرچہ کا مضمون "وارن ہیسٹنگ کا جرم" تھا - اس پرچہ کے پڑھنے والے اور درحقیقت تمام سول سروس کے لوگوں کی یہ رائے تھی کہ ہیسٹنگ کا رویہ درست تھا - سر ولیسنڈ نے ایک عمدہ اسپیچ دی جس میں انہوں نے یہ ثابت کیا کہ ہیسٹنگ کا رویہ قابل ملامت تھا - مجھے اس کے متعلق تفصیلی بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے - سر ولیسنڈ کی تقریر کا کچھ اچھا اثر ان لوگوں پر ہوا ہوگا - میں ۱۲ بجے واپس آیا -

۳۰ - جنوری | وطن کو خطوط روانہ کئے اور اب کے مرتبہ اپنے منشا سے جو کیمبرج

میں ڈگری حاصل کرنے کا تھا - اطلاع دی -

سہ پہر کو پروفیسر سیلی کے کنورسیشنل کلاس کو میں گیا - گذشتہ سال میں بھی کئی درجوں میں شریک ہوا تھا - چند مضامین لکھنے کا قصد ہے - میری مضمون نگاری کے لئے یہ اچھی چیز ہوگی -

۳۱ - جنوری | آج صبح کو ای - ایس اولیور میرے یہاں اُس وقت آئے جبکہ میں ناشتہ کرنے کو بیٹھا تھا اور مجھ سے کہا کہ گذشتہ شب کو سِول سائنس کلب نے مجھے سیکرٹری مقرر کیا ہے - مجھے یہ سنکر تعجب ہوا - کیونکہ جب مجھ سے دریافت کیا گیا تھا تو میں نے کہہ دیا تھا کہ میرے پاس کام اس قدر زیادہ ہے کہ میں سکرٹری کی خدمت نہیں انجام دیسکتا - لیکن اب چونکہ مجھے منتخب ہونے کی عزت حاصل ہو چکی ہے - اس لئے حتی الامکان کلب کی خدمت کرنی چاہئے مجھے جلسہ کی کارروائی کی کتاب و صندوق ملگیا ہے -

شام کو ۹ بجے اولیور کے ساتھ کافی پینے گیا اور وہ ویں کپس و ایرین اسٹوارٹ وغیرہم سے ملا -

رُباعی

اَے رُعب خُدا کے واسطے چھوڑ گناہ کمبخت نہ کر نامۂ اعمال سیاہ
اللہ کا بندہ اور شیطاں کا مطیع لَاحَولَ وَ لَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ

رُعب شاہ آبادی

تنہائی

تنہائی! تیرے احسانات دُنیا اور اہلِ دُنیا پر بیشمار ہیں - تو ہی نے منطق - فلسفہ اور علوم سائنس کو ترقی دی - تیری ہی صحبت میں شاعروں نے شاعری سیکھی - تیرے ہی گوشہ میں بیٹھکر اُنہوں نے خامہ فرسائی کی اور زورِ قلم کی داد دی - تیرے ہی کان سے انہوں نے دُرہائے مضامین عوام کی پسندیدگی کے لئے منتخب کئے - تو ہی نے انگریزی میں شیکسپیئر - ملٹن - ٹینیسن - فارسی میں فردوسی - سعدی - حافظ - اُردو میں انیس - دبیر - غالب ایسے شعرائے نامدار کو پیدا کیا - جن میں سے ہر ایک کا نہ مٹنے والا نام تاقیامت قدر شناسوں کی نظر میں آفتاب کی طرح روشن رہیگا - یہ تیری ہی تعلیم کا کرشمہ ہے کہ نیچر پرستوں نے ایک ایک پتی ایک ایک درخت سے ہزاروں پند سیکھے - چنانچہ شیخ سعدی کہتے ہیں ؎

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

جب کبھی کسی کو کوئی بہت ہی مشکل مقدمہ حل کرنا ہوتا ہے تو وہ تجھی سے مشورہ لینے آتا ہے - ہر جگہ سے مایوس ہو کر وہ تیرے ہی دروازہ پر سر رگڑتا ہے اور آخر الامر صرف تیری ہی مدد سے اپنے مقصد کو پہنچتا ہے - کوئی زمانہ کا ستایا مصیبت کا مارا عاشق ناکام و نامراد جب حد سے زیادہ بیچین و مضطر ہو جاتا ہے اور ناصح کے پند و نصیحت - اغیار کے طعنوں ہم نشینوں کی چھیڑ چھاڑ سے دق ہو جاتا ہے تو تیرے گوشہ میں آکر پناہ

لیتا ہے۔ اور تیری ہی صحبت میں اُسے کچھ تسکین حاصل ہوتی ہے۔ تو ہی اس کے حالِ زار پر مہربان ہو کر تصویرِ جاناں اس کے خیال کے سامنے کھینچ دیتی ہے جس کے نظارہ سے اُس کے دِل کو کچھ چین آجاتا ہے۔ تیری ہی نوازش سے عالمِ خیال میں وُہ اپنے محبوب اور آرامِ جاں سے دو چار باتیں کرکے اپنے دلِ ناشاد کو خوش کر لیا کرتا ہے اور جب کبھی نہایت ہی بیتاب و بیقرار ہو جاتا ہے۔ تو تیرے ہی پردہ میں عوام کی نظروں سے پوشیدہ اپنی بدقسمتی پر چار آنسو بہا کر دل کی کچھ بھڑاس نکال لیتا ہے۔

شہر اور آبادی کی زندگی کا کوئی لمحہ خطرے سے خالی نہیں لیکن تنہائی! تیری صحبت کی زندگی ہر قسم کے خطرات و تفکرات سے مبرا ہے۔ نہ چور کا ڈر نہ ڈاکو کا خوف۔ بھلا درویش کے پاس دھرا ہی کیا ہے۔ جو کوئی لیگا۔ اپنی جان۔ اُس کے آنے جانے کا غم ہی نہیں۔ کیا خوب مصرع ہے ع

ہیچ آفت نرسد گوشۂ تنہائی را

وُہ تارک الدنیا درویش جنکی طبیعت دُنیائے فانی اور اس کی عیاریوں سے ہٹ جاتی ہے اور جو اس کے چندروزہ عیش و عشرت سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ تیرے ہی گوشہ میں آرام پاتے ہیں اور تجھی میں ابدی راحت محسوس کرتے ہیں۔ تیری ہی پاک صحبت میں اُن کا آئینۂ دِل ہر قسم کی کدورت سے صاف ہو جاتا ہے۔ جس میں وُہ جلوۂ حقیقی دیکھتے ہیں۔ تیرے ہی گوشہ میں اور تنہا تیری ہی نصیحتوں سے متاثر ہو کر کوئی گنہگار اپنے گناہوں سے تائب اور اپنے جرائم پر پشیمان ہوتا ہے۔

تیری ساری خوبیوں کو بیان کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیئے۔ تجھ میں پند و نصائح کوٹ کوٹ کر قدرت نے بھر دیئے ہیں۔ اگرچہ تو خاموش ہے

لیکن تیری خموشی میں اخلاقی تقریریں بھری ہیں۔ تو بے زبان ہے لیکن زبانِ حال سے عجیب غریب داستانیں بیان کرتی ہے جنہیں صرف روشنضمیر ہی سمجھ سکتے ہیں۔ تجھ میں عجیب عجیب راگ ہیں جو عوام کو سنائی نہیں دیتے۔ تیرے دلکش ترانوں کو وہی سُن سکتا ہے جو گوشِ حقیقت نیوش رکھتا ہو تیری خوبیوں اور دلفریبیوں کا وہی نظارہ کرسکتا ہے جو چشمِ بصیرت رکھتا ہو۔ تیرے مخفی رازوں کو وہی سمجھ سکتا ہے جو حقیقت نما ہے۔ تجھ میں جس نے جو تلاش کیا پایا۔ تو درویشوں کے لئے آرام۔ گنہگاروں کے لئے راہِ نجات۔ شاعروں کے لئے بحرِ معنی اور عاشقانِ نامراد کے لئے تسلی ہے +

عبد الحی خاں پٹنہ کالجیٹ اسکول

آئینہ شوق - منشی جگناتھ پرشاد صاحب شوق تخلص دہلوی زبانِ اُردو کے اُن قدردانوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنے خونِ دل اور ہوائے دماغ سے اس زبان کی کھیتی کو سینچا اور لہلہایا ہے۔ حال میں آپنے اپنے نتائج افکار منظومہ کا مجموعہ "آئینہ شوق" کے نام سے اُردو دان پبلک میں پیش کیا ہے۔ اور اسکی ایک کاپی ہم کو ریویو کیلئے ارسال فرمائی ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ اس دیوان میں ایک فطرتی شاعر کے دلنشین کلام کا بہت ہی پیارا مجموعہ موجود ہے۔ اور مذاقِ سخن رکھنے والے اصحاب اس سے چاشنی گیر ہو سکتے ہیں۔ زیادہ تر خوبی یہ ہے کہ مصنف چھپوانے والے۔ چھاپنے والے۔ اور چھاپنے کی تحریک کرنیوالے یہ تمام اصحاب ہمارے ہندو بھائی ہیں جنکو آج بہت زیادہ ہندی زبان اور دیوناگری رسم الخط کی ترقی دینے کا خیال ہے۔ اور وہ اسبارہ میں مسلمانوں کے مخالف تصوّر کئے جاتے ہیں۔ لیکن ہم نے اور دیگر منصف مزاج مسلمان اہلِ قلم نے بہت مرتبہ اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ہندوؤں میں ابھی اکثر بلکہ بیشتر اصحاب زبانِ اُردو کے سچے حامی اور باہر سرپرست ہوئے ہیں۔ اور رہینگے۔ وہ اسکو خاص اپنی ملکی زبان جانتے اور مانتے ہیں اور اسکی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ شوق دہلوی بھی انہیں بزرگوں میں سے ہیں۔ اور آپنے

آفتاب کے سیاہ دھبّے

یورپ کے حکما واعظہائے آفتاب کا راصد اوّل حکیم اندلس ابنِ رشد کو بتاتے ہیں۔ کہ اُس نے ۱۱۶۱ء میں آفتاب پر سیاہ داغ دیکھا۔ عجب امر یہ ثابت کا ہوتا ہے کہ کہیں عربی کتابوں میں یہ ذکر نہیں دیکھنے میں آیا۔ شرح مواقف میں اتنا اشارہ ہے کہ قد زعم بعض الناس ان فی وجہ الشمس نقطۃ سوداء فوق مرکزہ بالقلیل ابنِ رشد و شارح مواقف کا زمانہ دُوربین کے ایجاد ہونے سے بہت پیشتر ہے۔ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض داغ آفتاب کے اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ بغیر دُوربین کے دکھائی دیتے ہیں شرح مواقف میں ایک قول یہ بھی دیکھنے میں آیا ومنہم من ادعی انہٗ رای الزہرۃ و عطارد کشامتین علےٰ صفحۃ الشمس یعنی بعض متاخرین نے ادعا کیا ہے کہ اس نے زہرہ و عطارد کو آفتاب پر اس طرح سے دیکھا جیسے کسی رخسار پر دو تل ہوتے۔ مگر حسبِ تحقیقِ جدید یہ امر ممکن الوقوع نہیں کہ زہرہ و عطارد ایک ہی وقت میں آفتاب پر سے گذریں۔ مسٹر چیمبرس نے کتاب الہیئۃ جلد اول میں اس کی تصریح کر دی ہے۔ کہ زہرہ کا مرور آفتاب پر جُون یا دسمبر کے سوا کسی دُوسرے مہینہ میں نہیں ہوتا۔ اور عطارد کا مرور نومبر اور مے کے سوا کسی اَور مہینہ میں نہیں واقع ہوتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ دونوں ایک وقت میں آفتاب پر سے مرور نہیں کر سکتے۔ اس شخص نے بھی آفتاب کے داغ کو دیکھا تھا جس کو زہرہ یا عطارد سمجھا۔ عطارد بہت کم دکھائی دیتا ہے اور اکثر آفتاب کے قریب ہی رہتا ہے۔ لوگ اس کے مشتاق

رہتے ہیں۔ اِس سبب سے مسٹر چیمبرس کی کتاب سے اُنیسویں صدی میں جس ترتیب سے عطارد نے آفتاب پر سے مرور کیا ہے میں یہاں پر اسکی تفصیل نقل کئے دیتا ہوں ۔ تا اُسی ترتیب سے اس بیسویں صدی کی زیچ بھی ہم بنا سکیں۔ اور عطارد کو آفتاب پر سے گذرتے ہوئے دیکھ سکیں۔

انیسویں صدی میں پہلی دفعہ	نومبر ۱۸۰۲	میں عطارد نے آفتاب پر سے مرور کیا
اس کے تیرہ برس بعد	نومبر ۱۸۱۵	؍؍ ؍؍
اس کے سات برس بعد	نومبر ۱۸۲۲	؍؍ ؍؍
اس کے دس برس بعد	مئی ۱۸۳۲	؍؍ ؍؍
اس کے تین برس بعد	نومبر ۱۸۳۵	؍؍ ؍؍
اس کے دس برس بعد	مئی ۱۸۴۵	؍؍ ؍؍

تینتالیس سال کا دَورہ ختم ہونے کے بعد پھر وُہی سلسلہ شروع ہوا۔ یعنی

اس کے تین برس کے بعد	نومبر ۱۸۴۸	میں مرور عطارد آفتاب پر سے ہوا
اس کے تیرہ برس کے بعد	نومبر ۱۸۶۱	؍؍ ؍؍
اس کے سات برس کے بعد	نومبر ۱۸۶۸	؍؍ ؍؍
اس کے دس برس کے بعد	مئی ۱۸۷۸	؍؍ ؍؍
اس کے تین برس کے بعد	نومبر ۱۸۸۱	؍؍ ؍؍
اس کے دس برس کے بعد	مئی ۱۸۹۱	؍؍ ؍؍

غرض ہر ۴۳ سال میں چھ دفعہ اسی ترتیب سے مرور ہوا کرتا ہے۔ یعنی نومبر نومبر نومبر مئی نومبر مئی اسی ترتیب کے بموجب انیسویں صدی کا آخری مرور۔

اس کے تین برس بعد نومبر ۱۸۹۴ میں ہُوا اور

بیسویں صدی کا پہلا مرور۔
اس کے تیرہ برس بعد نومبر ۱۹۰۷ میں ہُوا۔
اور اب اس کے سات برس بعد نومبر ۱۹۱۴ میں ہوگا۔
وَہَلُمَّ جَرًّا۔

غرض کہ زہرہ و آفتاب کے اجتماع کے مہینے عطارد و آفتاب کے اجتماع کے علاوہ ہیں۔ بعض متاخرین کا یہ قول کہ میں نے زہرہ وعطارد کو آفتاب پر سے ساتھ ہی گذرتے دیکھا ہے جیسا کہ شارح مواقف سید علّامہ نقل فرماتے ہیں۔ کسی طرح ممکن الوقوع نہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وُہ دو سیاہ تِل رخسارہ آفتاب پر جو اُسے دکھائی دیئے اُن میں سے ایک ستارہ تھا اور ایک داغ آفتاب کا تھا۔ اِس سبب سے کہ دونوں ستارے تو ہو نہیں سکتے۔ جس کی دلیل بیان ہُوئی۔ دونوں داغ بھی نہیں ہو سکتے۔ اس وجہ سے کہ ہیئتِ جدیدہ کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک ہی آدھ داغ اِتنا بڑا ہوتا ہے کہ بغیر دوربین کے دکھائی دیتا ہے۔ اور اس کے دیکھنے کی دو صُورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی شیشہ کے پرکالہ پر کاجل پار کر اس میں سے آفتاب کو دیکھیں۔ دُوسری یہ کہ اندھیری کوٹھری میں کسی روزن سے شعاع آفتاب کی جو مدوّر ہوکر دیوار پر پڑے اس عکس میں بھی وُہ دھبہ دکھائی دے سکتا ہے مگر اُلٹا دکھائی دیگا۔ یعنی اگر آفتاب کے مشرقی جرم میں ہے تو مغربی حصہ میں نظر آئیگا جس کی وجہ علم مناظر کے جاننے والوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔

جب سے دُوربین ایجاد ہُوئی آفتاب میں متعدد داغ نظر آنے لگے کہ مشرقی کنارہ سے نکل کر مغربی کنارہ کی طرف حرکت کر رہے ہیں۔ یہ حرکت جب صعودی یا نزولی ہوتی ہے تو صاحب رصد کو بطئی معلوم ہوتی ہے۔ جب ذروہ آفتاب کے

قریب وُہ داغ پہنچتا ہے تو اُس کی اصلی حرکت معلوم ہوتی ہے - جو بہ نسبت حرکت صعودی و نزولی کے سریع ہے - اور تقریباً تین دن میں ایک داغ شرقی کنارہ سے مغربی کنارہ تک پہنچ جاتا ہے اور پھر اتنے ہی زمانہ تک آفتاب کے دُوسرے رُخ پر ہماری نظر سے غائب رہ کر مشرقی کنارہ سے دُوبارہ نمودار ہوتا ہے -

اہل رصد کو پہلے یہ اشتباہ رہا کہ یہ داغ جرم آفتاب سے خارج کوئی جسم ہے جو اس کے گرد گردش کر رہا ہے - مگر جب کئی داغ ساتھ ہی دیکھے اور یہ دیکھا کہ اُن کی حرکت میں اور باہمی فاصلوں میں تناسب باقی رہتا ہے - تو یہ اشتباہ رفع ہو گیا - اور یہ امر ثابت ہوا کہ یہ سب داغ خود جرم آفتاب میں ہیں اور اس کی حرکت علیٰ نفسہا کرنے کی دلیل بیّن ہیں - جس کا زمانہ ۲۵½ دن کا ہے - عجیب بات یہ ہے کہ یہ حرکت وضعی آفتاب کی جو داغوں کے مرصود کرنے سے ثابت ہوتی ہے - جس رُخ پر اور جس سطح پر پائی جاتی ہے تمام سیّارات کی حرکت سالانہ تقریباً اسی رُخ پر اور اسی سطح پر نظر آتی ہے -

کانٹ جو مشاہیر اہل رصد میں سے ہے اُس نے اس سے قیاس کیا ہے کہ کسی زمانہ میں آفتاب و سیارات سب مل کر ایک جسم واحد تھے اور اسی زمانہ سے مبدء میل مستدیر ان سیارات میں ایک ہی معیّن رُخ پر اور ایک ہی معیّن سطح میں حرکت کرنے کا موجود ہے -

آفتاب و سیّارات کے ایک جسم متّصل واحد ہونے کی تائید ایک جدید مسئلہ کے انکشاف سے بھی ہوئی - جسے واشنگٹن کے ایک حکیم مسٹر ہومر لین نے ۱۸۷۰ء میں مشتہر کیا - وُہ مسئلہ یہ ہے کہ جتنے اجسام بشکل دخان پائے جاتے ہیں - جُوں جُوں اُن کی حرارت کم ہوتی جاتی ہے اُسی قدر ضخامت بھی گھٹتی جاتی ہے - لیکن جسم کے سمٹ جانے سے حرارت پہلے سے بھی زیادہ

پیدا ہو جاتی ہے - یہاں تک کہ جب جسمِ سیّال یا منجمد ہو جائے تو یہ خاصہ زائل ہو جاتا ہے -

اِس مسئلہ کے امتحانات کے بعد یہ استدلال کیا گیا کہ آفتاب چھوٹا ہوا چلا جاتا ہے اس کے جِرم میں تکاثف واقع ہوتا ہے - حرارت اس کی بڑھتی جاتی ہے - اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتدا میں اس کا جُرم بہت بڑا تھا - یہاں تک کہ نظامِ شمسی کی ساری فضا اِس سے بھری ہُوئی تھی - اور آفتاب وسیارات یہ سب مل کر بشکل نطفۂ سحابیہ ایک جسم متصل واحد تھے -

ان داغوں کی حرکت کا رُخ اکثر ہم کو بدلا ہوا دکھائی دیتا ہے لیکن داغوں کی حرکت میں دراصل یہ تغیر نہیں ہے - بلکہ ہمارے دیکھنے کا رُخ بدلتا رہتا ہے - یعنی زمین اپنی گردش سالانہ میں کبھی آفتاب کے اس رُخ پر آجاتی ہے - کبھی اس رُخ پر -

گر کسی زمانہ میں آفتاب پر متعدد داغ دکھائی دیتے ہیں - اور کبھی مہینوں ایک بھی نظر نہیں آتا - اس کی لم دریافت کرنے میں اہلِ رصد کو ڈھائی سو برس سے زیادہ ہُوئے - اکثر لوگوں نے داغوں کی روزانہ رصد لینے میں اپنی عمریں صرف کیں - اور ہنوز قابلِ وثوق کوئی ضابطہ نہ ہاتھ آیا - یہ معلوم ہوتا ہے کہ گیارہ برس اکتالیس دن میں داغہائے آفتاب کا سلسلہ ختم ہو کر نئے سرے سے پھر شروع ہوتا ہے - اور یہی مدت قطب نما کی سُوئی کے انحرافات کی ہے - یعنی نقطۂ قطب سے سُوئی کا انحراف جہت مشرق و مغرب میں ایک خاص ترتیب سے ہوا کرتا ہے - اس کا سلسلہ بھی اتنے ہی زمانہ میں ختم ہو کر پھر نئے سرے سے شروع ہوتا ہے - جس زمانہ میں آفتاب کے داغوں میں کمی ہوتی ہے - اس زمانہ میں سُوئی میں انحرافات کم ہوتے ہیں لیکن ان دونوں میں کیا تعلق ہے - ابھی تک کسی کی سمجھ میں نہیں آیا -

علی حیدر طباطبائی

کلامِ اکبر

ہم کمال امتنان کے ساتھ اپنے مخدوم جناب خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر کا مندرجہ ذیل تازہ کلام چھاپتے ہیں - جو انہوں نے ایک تازہ عنایت نامہ کے ہمراہ ارسال فرمایا ہے :-

مشرقی کو ہے ذوقِ رُوحانی — مغربی میں ہے میلِ جسمانی
کہا منصور نے خدا ہوں میں — ڈارون بولا بوزنہ ہوں میں
ہنس کے کہنے لگے مرے اک دوست — فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست

جہاں اُٹھی نظر نافذ ہوا قانون فطرت کا — نظر نیچی رہے یہ وعظ اصلی ہے شریعت کا
فرشتے پوچھتے ہیں تو نے کیوں دیکھا اُدھر اکبر • نہیں کہتے کہ کیوں عاشق ہوا اس بت کی صورت کا
میں کہتا ہوں انہیں نے غل مچا کر آنکھ اُٹھوائی — مرا سودا نتیجہ ہے فقط ارشادِ حضرت کا

کیا کام ہمیں اوولیوشن سے نیچر سے ہمیں کیا حاصل ہے
بندر کی ترقی آساں ہے بینٹو کی ترقی مشکل ہے

یہ اتنی ستر پوشی تیری اے ترقی غنیمت ہے — دئے جا چندہ بس تعلیم کی غرقی غنیمت ہے

حریفوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں — کہ اکبر ذکر کرتے ہیں خدا کا اس زمانے میں
لکھے ہیں مشاغل حضرتِ اکبر کے ان روزوں — الم تر کیف بیٹھے رٹ رہے ہیں فیلخانے میں

گذشتہ زمانے کی یاد

کوئی ایسا زمانہ تھا کہ ہمدم یار تھا اپنا　　کبھی ہم اُس پہ مرتے تھے کبھی وُہ ہم پہ مرتا تھا
ہمیشہ بزم میں چلتا تھا دَورِ ساغر و مینا　　نہ اب باقی ہے وہ صحبت نہ وُہ جلسہ مسرت کا

اگر دانستم از روزِ ازل داغِ جدائی را
نمیکردم بدل روشن چراغِ آشنائی را

بہارِ کامرانی کی ہوائیں تھیں رواں ہر سو　　کیا کرتا تھا دلجوئی ہمیشہ وُہ بُتِ دلجو
دلِ ناشاد تھا اپنا اسیرِ حلقۂ گیسو　　رہا کرتا تھا ہم سے رات دن افسوس ہر پہلو

اگر دانستم از روزِ ازل داغِ جدائی را
نمیکردم بدل روشن چراغِ آشنائی را

چلے آتے تھے ہم محفل میں تیری ۔ اوبتِ خودسر　　نہ کھٹکا تھا کسی حاجب کا ۔ اور نے پاسباں کا ڈر
رہا کرتے تھے یُوں پہلو بہ پہلو تجھ سے مِل جُل کر　　کہ جسکو دیکھ کر تڑپا کیا کرتے تھے غیر اکثر

اگر دانستم از روزِ ازل داغِ جدائی را
نمیکردم بدل روشن چراغِ آشنائی را

تھے تیری چاہ میں ڈُوبے ہُوئے اے یوسفِ ثانی　　نہ غم اس کا تھا پلوائیگی تیغِ غم ہمیں پانی
یکایک بیٹھے بیٹھے مول لی ہم نے پریشانی　　چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

اگر دانستم از روزِ ازل داغِ جدائی را
نمیکردم بدل روشن چراغِ آشنائی را

سمجھتے تھے تجھے اپنا رفیق و مونس و ہمدم　　رُخِ زیبا پہ تیرے جاں کو کرتے تھے فدا ہیہم
جو ہوتی یہ خبر اِک روز ٹوٹیگا سپہرِ غم　　تری راہِ محبت میں قدم دھرتے نہ ہرگز ہم

اگر دانستم از روز ازل داغِ جدائی را
نمیکردم بدل روشن چراغِ آشنائی را

سمجھ کر آئے تھے ہم باوفا۔ او بیوفا تجھ کو — مگر ہے ہے نہ کچھ بھی پاسِ اُلفت کا رہا تجھ کو
رقیبوں سے رہا کرتی تھی نفرت ہی سدا تجھ کو — خیال اُن کی محبت کا ہے اب حد سے سوا تجھ کو

اگر دانستم از روز ازل داغِ جدائی را
نمیکردم بدل روشن چراغِ آشنائی را

چھٹی صحبت وہ تیری دم میں یوں اے گلعذار آخر — کہ آئی بھی نہ تھی اور ہو چکی فصلِ بہار آخر
ہماری خواہشِ دل کا نہ پھولا لالہ زار آخر — نہ تھا معلوم۔ ہوگا ہائے کیا انجامِ کار آخر

اگر دانستم از روز ازل داغِ جدائی را
نمیکردم بدل روشن چراغِ آشنائی را

نہ ہوتے ہم تجھے دیتے تھے نظروں سے جدا دم بھر — رحیمِ شیفتہ کی تھی فدا جانِ حزیں تجھ پر
مگر اب سوزشِ فرقت نے کر رکھا ہے دل میں گھر — بنا ہے حلقۂ زنجیرِ پا تقدیر کا چکر

اگر دانستم از روز ازل داغِ جدائی را
نمیکردم بدل روشن چراغِ آشنائی را

بتائیں کیا کہ وہ گل پہلے کیا تھا اور کیا نکلا — غضب کا سنگدل۔ بے مہر۔ ظالم۔ پُردغا نکلا
سمجھتے تھے جسے ہم آشنا۔ نا آشنا نکلا — وفا کی جس سے ہم کو تھی توقع بیوفا نکلا

اگر دانستم از روز ازل داغِ جدائی را
نمیکردم بدل روشن چراغِ آشنائی را

محمد عبد الرحیم رحیم (دلاور گنج) حیدرآباد دکن

کلامِ عزیز

دُنیا کی ایک مثال

(مقتبس از خیالاتِ سقراط)

کیا ہے یہ دُنیائے دُوں، اک آتشِ افروختہ　　لے مدد حسبِ ضرورت اس سے اے دلِ سوختہ
شعلۂ جانسوز روشن ہیں میانِ شاہراہ　　غیر ممکن ہے کہ قربت میں ملے تجھ کو پناہ
جانتا ہوں میں کہ اس دُنیا سے تجھ کو لاگ ہے　　ہوشیار اے جانے والے یہ دہکتی آگ ہے
ہر شرارے میں ملیگی تجھ کو تاثیرِ فنا　　اس کے ہر شعلے میں تو پائیگا تصویرِ فنا
اس کی قربت سے بڑھیگا رات دن تجھ پر عذاب　　بعد وصلت تو بھی ہوگا شعلۂ پُر پیچ و تاب
نقش بر آب آہ اس دُنیا کے ہیں نقش و نگار　　جلتی پھرتی چھانو ہے یہ ہستیِ بے اعتبار
گرمیِ بازار اس دُنیا کی بس کچھ روز ہے　　دوزخ آشام اس کا ہر اک شعلۂ جانسوز ہے
جل رہے ہیں جلنے والے زندگی بیکار ہے　　عشق میں دُنیا کے دل پر داغِ آتشخوار ہے
راستہ چلنے کو جتنی روشنی درکار ہے　　فائدہ حاصل کر اتنا ورنہ توفی النار ہے

مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی

جونپوری خربزہ

سردے کابل کے کھا کے دیکھے　　چتلے بھی لکھنؤ کے چکھے
پر دونوں جونپور کے پھل　　ہر طرح ہیں ذائقے میں افضل

کھائیے اِک قاش تو ہوں لب بند
پہنچے گا نہ اس مٹھاس کو قند

سبزے کی وُہ قاشوں میں نمائش
دیکھا کرو آنکھ کی یہ خواہش

قاشیں ہیں سفیدے کی وہ شفاف
کوزے مصری کے جس طرح صاف

بھینی بھینی وُہ میٹھی خوشبو
ہو تازہ دماغ ایسی خوشبو

دولت کی چاٹ کہہ رہی ہے
لذّت کی زبان جوہری ہے

اِس کھیت کا ہے عجیب پانی
جذب اس میں ہے آب زندگانی

مرکز ہے بشیر پور[۱] مشہور
ہے شہر سے یہ مقام کچھ دُور

اس کاشت کو یہ زمیں ہے اکسیر
کیا آب و ہوا کی کہئے تاثیر

کھیت اَور بھی یُوں تو جابجا ہیں
شکل ایک مگر مزے جُدا ہیں

صُورت کو نہ دیکھئے پھلوں کی
سیرت کی ملاحظہ ہو خوبی

صُورت تو نہیں ہے خوبصورت
سیرت کی فقط ہے قدر و قیمت

جو لطف و مزے ہیں کہتے کس سے
چکھے جو کوئی تو یاد رکھے

حفیظ جونپوری

کُوچۂ یار

قطعہ

بڑے شوق سے بھیجتا ہُوں میں قاصد
رہیگی نظر راہ پر - دیکھ لینا

نہ تو جبر سے پھر کے آئے گا جب تک
نہ ٹھہرے گا دل تھے جگر دیکھ لینا

---

[۱] نام موضع جہاں خربزے کی زیادہ کاشت ہوتی ہے ۱۲

پتا کوئے قاتل کا بتلا دوں تجھ کو — جو کہتا ہوں میں ڈھونڈھ کر دیکھ لینا
پڑے ہر جگہ پر ہیں ٹکڑے جگر کے — تڑپتے ہیں دل خاک پر دیکھ لینا
کہیں خاک اڑاتے ہیں گیسو کے الجھے — کسی کا ہے دم ہونٹوں پر دیکھ لینا
کوئی ہوگا ایڑی رگڑتا زمیں پر — کسی کا عدم کو سفر دیکھ لینا
کہیں چاک دامن کئے ہیں ہزاروں — کھڑے ہیں کہیں بخیہ گر دیکھ لینا
کوئی شامِ غم میں گرفتارِ الفت — کسی لب پہ آہِ سحر دیکھ لینا
خراشوں سے سینہ گلستاں کسی کا — کوئی گل ہے داغِ جگر۔ دیکھ لینا
ہلا دینگے دل تیرا نالے کسی کے — کسی کی فغاں بے اثر۔ دیکھ لینا
کوئی ہوگا دھونی رمائے وہاں پہ — کسی کو کھڑے ننگے سر۔ دیکھ لینا
نہ کھانے کی سُدھ بدھ۔ نہ پانی کی پروا — غذا سب کی خونِ جگر۔ دیکھ لینا
کہیں ہڈیاں طائرِ نامہ بر کی — کسی جا کبوتر کے پر۔ دیکھ لینا
یہ ساماں گلی میں۔ وہ کوٹھے پہ ہونگے — پھری ہوگی سب سے نظر۔ دیکھ لینا
لحد ایک حسرت بھری بین در پر — لکھا شعر یہ لوح پر دیکھ لینا

تجھے اپنی آنکھوں کی سوگند قاتل
مری قبر روز اک نظر دیکھ لینا

صفیر بلگرامی

رُباعی

اب ذکرِ شباب ہے کہانی۔ افسوس — آگے قدر اس کی کچھ نہ جانی افسوس
لو نقشِ قدم تک نہیں آتے ہیں نظر — کن پاؤں چلی گئی جوانی افسوس

چولی دامن

یعنی

(ہندو مسلمان)

چولی نے کہا کہ سن اے دامن — تو مَن ہے اگر تو مَیں سُہاگن!
میری منزل ہے تجھ سے بالا — زینہ نہیں بامؔ ہونے والا
چھاتی سے لگی ہوئی میں رسیلی — چھاتی پہ چڑھی ہوں آدمی کی
مجھ پر ٹکتے ہیں بیل بوٹے — تو کانٹوں میں جاکے اُلجھے
سینے پہ کسی کے تو چڑھ آئے — ایسی چھاتی کہاں سے لائے؟
تیری اے دامن اصل کیا ہے — تو بھیک کا ایک ٹھیکرا ہے
تو میرے سہارے پر کھڑا ہے — پھر بھی تو ہوا میں اُڑ رہا ہے!
ہے میرا دماغ آسمان پر — ہے سمت زمیں جھکا ترا سر
پستی کی طرف ہے راہ تیری — نیچی دیکھی نگاہ تیری
اِترا نہ تو سر اُٹھا اُٹھا کر — اے سر افگن خدا خدا کر
پتھر کے تلے اگر تو دب جائے — تیرا فخر و غرور سب جائے
تو کام چلانے مانگے تانگے — تجھ کو پھیلا کے بھیک مانگے
مجھ پر ٹکتے ہیں عطر سارے — پھرتے ہیں گدا تجھے پسارے
تھا میرا وقار جب بالا! — اب آگے ہے نہ سر اُٹھا!

لہ [illegible] بھیک کا ٹھیکرا [illegible] سے مراد ہے!

چولی کی سُن کے بولی ٹھولی | دامن نے کہا کہ سُن لے چولی!
مجھ سے نیچی ہو تو کہ اونچی | ہے میرے بغیر ننگی بوچی!
دامن ہی اگر نہ ہو۔ اے سنڈی[1] | بن جائیگی انگرکھے[2] سے بنڈی
ہاں۔ چولی نہ ہو تو کیا ہے دامن | جب من ہی نہیں تو کیا سوا من
زینہ نہ اگر کوئی بنائے | تو بام پہ کس طرح سے جائے؟
برچھی ہے جو تو۔ تو میں انی ہوں | تو چاند تو میں بھی چاندنی ہوں
تو دھوپ اگر۔ تو میں ہوں سایہ | تو گھر ہے اگر تو میں ہوں پایہ!
ہم دونوں۔ بدن کے کارکن ہیں | دونوں ہیں رفاہیت کے گن ہیں
جو ایک توے کی ہوگی روٹی | کیسی چھوٹی وہ۔ کیسی موٹی؟
جس شخص نے سر زمیں پہ ڈالا | ہے عرش تک اُس کا بول بالا
اپنی خوبی سنائی تو نے | اب میری بھلائیاں بھی سن لے
غنچہ کھلتا ہے زیرِ دامن | سایہ پلتا ہے زیرِ دامن
جس کو جانا ہے جس نے مامن[3] | چھوڑا نہیں اُس نے اُس کا دامن
مجھ سے ہے وقارِ عصمتِ زن[4] | ہوتی ہے عفیفہ "پاک دامن"!
کہتے ہیں بیٹی سے کے مردم | "دامن تلے ڈھانک[5] لو ہمیں تم"
غش کھائے ہوئے کو میں دوا دوں | پنکھا بن جاؤں اور ہوا دوں
دیتا ہوں نجات میں بلا سے | حافظ ہوں چراغ کا ہوا سے
معشوق چلے اُٹھا کے داماں | عشاق کے چاک ہوں گریباں
ہاں ہم تم ہوں ترقیوں سے توام | مل جُل کے رہیں جو دونوں باہم

---

[1] مُنہ زور [2] بنیہ [3] جائے پناہ [4] عورت [5] بیٹی والوں کا مقولہ ہے۔

اِس نظم کا ہے مآل کیا خوب — طالب نے یہ دی مثال کیا خوب
ہیں ہند میں ہندو اور مسلماں — چولی دامن ہیں دونوں ہر آں
دونوں مصباحِ[1] ہند کے ہیں — دونوں یہ جناحِ[2] ہند کے ہیں
دونوں مل کر رہیں جو یکذات[3]
دن عید ہو شب برات ہو رات!

طالب بنارسی اڈیٹر

ملحد اور صوفی

ملحد تھا کل اک محفلِ احباب میں بیٹھا — باتوں میں جو کچھ آگیا واں ذکر خدا کا
بولا کہ اجی رہنے بھی دیجیے یہ کہانی — بے فائدہ جھگڑا یہ دیا چھیڑ کہاں کا
ہے ذات سزاوارِ اطاعت بھی کوئی ہاں؟ — سچ پوچھیے تو وہم ہے انسان کا خاصا
چھٹتے ہی لگا کرنے یہ اوہام پرستی — پیپل کبھی پوجا کبھی برگد کو سراہا
دریا کی پرستش کی کبھی کوہ کی تعظیم — طاعت میں بتوں کی کبھی گردن کو جھکایا
سورج کو سمجھ مسکنِ ارواحِ بزرگاں — برسوں یہ سرِ عجز سے رگڑا کیا ماتھا
آخر ہوئی معلوم اُسے اپنی حماقت — جب فطرتِ عالی نے کیا اپنا تقاضا
سمجھا کہ بہت بھول تھی اصنام پرستی — سر ایسوں کی طاعت میں جھکانا تھا نہ زیبا
تب وہم نے ایجاد کیا پیکرِ موہوم — ہستی کا پتہ جس کی نہ رہنے کا ٹھکانا
لاہوت میں گاہے اُسے قائم کیا بالذات — پیدائشِ دُنیا میں گہے محو دکھایا
دکھلایا گہے عرش پہ مصروفِ کتابت — گہ عالمِ بالا سے سرِ طور اُتارا

[1] چراغ [2] بفتح جیم - بازو [3] یعنی یکدل -

اب آپ ہی کہہ دیں نہیں کیا مضحکہ انگیز
یہ حضرتِ انساں کا خود ساختہ قصّا

ہستی ہی نہیں جب کوئی احساس کے قابل
چہ جائے کہ سمجھے اسے معبود کا رُتبہ

باتیں ابھی کہنے کو تو باقی ہیں بہت سی
ہے مجھ کو مگر مدّ نظر پاسِ احبّا

اتنے ہی پہ کرتا ہوں کفایت کو ترنہا
کرنا کبھی اس طرح کے ایمان کا دعویٰ

تقریر تو آخر ہوئی ملحد کی بہ ایں پر
سنّاٹا سا پہروں در و دیوار پہ چھایا

محفل میں تھے بیٹھے ہوئے اک حضرتِ صوفی
چہرے سے تھے آثار ریاضت کے ہویدا

ملحد کو کیا آپ نے نرمی سے مخاطب
اک شانِ فقیری سے لگے کہنے کہ بابا

ہم مانتے ہیں آپ کے یہ سارے دعاوی
کیا وجہ کہ خود ہم نے بھی یہ بھید نہ پایا

پر مجھ کو ذرا مشفقِ من اتنا بتانا
کچھ درکِ نہانی میں بھی ہے آپکو ملکہ

ملحد نے تبسّم سے کہا واہ کہی خوب
حضرت کبھی ان باتوں میں یاروں کی نہ آنا

ہے غیر حواسِ خمسہ اور کوئی حس!
دانا اسے ہرگز کوئی باور نہ کریگا

صوفی نے کہا منکرِ خورشید ہو گر بوم
کیا قابلِ تسلیم ہے پھر بوم کا دعویٰ

اچھا نہ سہی پر یہ ہے اتنا تو مسلّم
کامل نہیں ادراک حواسِ خمسہ کا

ایسی بھی تو اشیا ہیں کہ ہیں اصل میں موجود
پر ظاہری حسّوں سے نہ احساس ہوا انکا

ہیں دورِ فلک میں بہت اس طرح کے اجرام
کچھ جنکا پتہ آپ کی ہیئت نے نہ پایا

کیا اس سے یہ لازم ہے کہ نہ محسوس ہو جو شے
ہم اس پہ سرے سے کریں اطلاق نفی کا

سچ بات تو یہ ہے کہ خدا گر نہ بھی ہوتا
مشکل تھا بہت اس کی نفی آپ سے کرنا

حالانکہ خلاف اس کے یہ جلوہ گہِ قدرت
ہے صاف گواہِ صفتِ ہستیٔ اعلیٰ

اتنا تو بدیہی ہے کہ حرکت میں ہے جو چیز
لازم ہے کہ حرکت بھی اسے ہو کوئی دیتا

تو آنکھ اُٹھا دیکھ ذرا منکرِ خلّاق
کس طرح سے گردش میں ہے ہر ذرّۂ دنیا

حرکت میں ستارے ہیں پہاڑوں کو ہے لرزش — اشجار کو جنبش ہے بہا جاتا ہے دریا
اٹکھیلیوں میں بادِ نسیمِ سحری ہے — ہے ابر سرِ دوش ہوا کھیلتا آتا
کیا دیکھ کے یہ سب تجھے ہوتی نہیں حسرت — کیا اس سے بھی دل میں ترے یہ نہیں آتا
حرکت کے لئے جان کا ہونا ہے ضروری — بیجان کوئی جسم نہیں آپ سے ہلتا
دکھلائی نہیں دیتی اگر جان بظاہر — تو جسم کی حرکت سے سمجھ جان کا ہونا
ملحد نے کہا یہ تو ہے سب راست پہ قبلہ — اس سے تو ہوا کچھ بھی، نہ اثبات خدا کا
اجسام کی حرکت تو ہے قوت کے سبب سے — گر آپ نے حرکت سے پتہ جان کا پایا
اس سے ہوا قوت ہی کا اثبات نہ کچھ اور — ہے یوں بھی یہاں مادۂ قوت کے سوا کیا؟
جب تک کہ نہ ثابت ہو کوئی تیسری ہستی — کس طرح بھلا مان لیں ہم آپ کا کہنا
صوفی نے کہا خیر بھلا یہ تو بتاؤ — کس طرح یہ سمجھیں کہ فلاں شخص ہے دانا
ملحد نے کہا یہ تو بہت دور کی ہے — اے حضرتِ من اس میں ہے مشکل ہی بھلا کیا؟
جس شخص کی حرکات پسندیدہ نظر آئیں — بس سمجھ کہ رکھتا ہے وہ کچھ عقل سے حصہ
صوفی نے کہا ہائے صد افسوس کہ تم نے — با اینہمہ نقشِ قدمِ یار نہ پایا
گر عقل کا حرکاتِ پسندیدہ ہیں معیار — پھر تیسری ہستی کا یہ انکار ہے کیسا؟
کیا حرکتِ اجسام میں ترتیب نہیں ہے؟ — کیا عالمِ اسباب ہے بے واسطہ چلتا؟
کیا دہر یہ موجود ہے خود ذات سے اپنی؟ — کیا عقل نہیں مادہ و قوت کے علاوہ؟
تو دیکھ ذرا غور سے اے مدعیِ دہر — گر عقل نہ ہو جائے بگڑ دہر کا نقشا
اک بال برابر جو نظام اس کا بدل جائے — دم بھر میں ہو سب مادہ و قوت تہ و بالا
اور ظاہری حواس کی گر تو پہ چھپتے ہو تو — افتاد ہے عالم کی اسی طرح سے برپا
جتنی کوئی شے اشرف و اعلیٰ ہے جہاں میں — اتنی ہی وہ احساسِ بدیہی سے ہے بالا
جس طرح ہے روغن کی نہاں دودھ میں ہستی — یا جیسے کہ چقماق میں آتش کا شرارا

اصلی نہیں جو کچھ نظر آتا ہے بدیہی　　معلول یہ سب ڈھونڈیں ہیں علت کا سہارا
اور یہ تو مسلّم ہے کہ کم پایہ بہ پایہ　　معلول سے علت میں ہوا کرتا ہی مادہ
پس آخر کار ایسی اک علت ہی ضروری　　بیچون و چگوں اور ہیولیٰ مادے سے مبرّا
یہ علتِ اول ہی یہ وہ پیکرِ موہوم　　کہتے ہیں جسے لوگ خداوند تعالیٰ
اب خواہ اسے تم طور کی چوٹی پہ بٹھاؤ　　یا سمجھو کہ ہے تختگہ عرش پہ بیٹھا

پر اس کے لئے پہنِ زمیں وسعتِ افلاک
ایسے ہی ہے، جیسے کہ تمہیں ریگ کا ذرہ

نواب الدین نیاز کبوی

ساقی نامہ

تکمیل مسلم یونیورسٹی کا جلسہ جو ۲۱- مئی ۱۹۱۱ء کو گیا۔ گورنمنٹ اسکول ہال میں ہوا جس میں پٹنہ سے جناب آنریبل مولوی مظہر الحق صاحب و آنریبل نواب سرفراز حسین خانصاحب و مسٹر سید حسن امام صاحب و مولانا سید شاہ محمد سلیمان صاحب قبلہ وغیرہم کا ایک ڈیپوٹیشن شرکتِ جلسہ کے لئے آیا تھا۔ اُس میں یہ ساقی نامہ پڑھا گیا۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ ناظرینِ مخزن کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا۔

رباعی

قومی جلسوں میں خوش بیانی کبتک　　لکچر و اسپیچ و نوحہ خوانی کبتک
کرنا ہو تو کچھ جمع کرو چندہ بھی　　ورنہ یہ جمع خرچ زبانی کبتک

ساقی نامہ

ہاں وُہ ساغر دے ابھی ساقی مَے نوش مجھے   حبِّ قومی کے سوا سب ہو فراموش مجھے
قوم پر اپنے فدا کر دے میرا جوش مجھے   اور آجائے عوض نشہ کے اک ہوش مجھے

مَے پرستوں کا دل اے ساقی گلفام بڑھا
دیکھ وُہ آئی گھٹا اس طرف ایک جام بڑھا

یاد ہے تجھ کو ہمارا وُہ زمانہ ساقی   خم کا خم غیروں کی خاطر وہ لُٹانا ساقی
عبرت انگیز ہے اب میرا فسانہ ساقی   پھر میں ہو جاؤں وُہی مے وہ پلانا ساقی

ہے دُعا ساقی ہمیشہ تیرا دل شاد رہے
تیرا میخانۂ علیگڈھ کا وُہ آباد رہے

مے وہ مے جس سے کہ پیدا ہو حمیت دلمیں   اور آجائے عوض نشہ کے غیرت دلمیں
جب کہ آجائے وُہی پہلی سی ہمت دلمیں   پھر وہی ہم ہوں وہی قوم کی الفت دلمیں

پیدا ہو جائے سرِ نو سے میری شان وہی
تب یہ ثابت ہو کہ ہم بھی ہوں مسلمان وہی

اور اک جام کوئی ایسا پلا دے مجھ کو   اپنی اس قوم کا دیوانہ بنا دے مجھ کو
سو رہا ہوں میں زمانہ سے ہنسا دے مجھ کو   مژدۂ قومی کوئی آج سنا دے مجھ کو

آج رندوں میں صبا جا کے پکار آئی ہے
سُنتے ہیں پھر میرے گلشن میں بہار آئی ہے

ولولہ پھر یہ ہوا ہے وُہی پیدا دل میں   شوق کا اُمڈا چلا آتا ہے دریا دل میں
آرزو سیکڑوں لاکھوں ہیں تمنا دل میں   کیا کہوں تجھ سے میں ساقی کہ ہے کیا کیا دلمیں

ہے ارادہ کہ لگاؤں گُلِ مقصد کا چمن
رشکِ گلزارِ جناں یعنی ہو سیّد کا چمن

یوں تو ہے غیر کا گلشن بھی بہت ہی اچھا　　غنچۂ دل میرا اس میں ہے [illegible]
دلِ پژمردہ اسی طرح ہی مرجھایا ہوا　　راس آئی نہ مجھے غیر کے گلشن کی ہوا

پھول کیا توڑیں کہ بلبل کی ہے فریاد کا ڈر
خوف گلچیں کا کبھی ہے کبھی صیاد کا ڈر

ہے یہی اپنی تمنا ہے یہ ارماں اپنا　　باغباں اپنا ہو گل اپنا ہو گلستاں اپنا
باغ کا اپنے ہو پھول اور ہو داماں اپنا　　لطف جب ہے کہ ہو پورا سر و ساماں اپنا

دل نہ بحرِ غمِ گلچیں میں کبھی غرق رہے
آشیاں اپنا نہ مشقِ ستمِ برق رہے

ہم میں موجود ہی ساقی وہی اب بھی جو ہے　　آغا خاں سے کوئی پوچھے میری حالت کیا ہے
یاں یونیورسٹی کا لفظ تھا آنا لب پر　　خیر مقدم کیا کس جوش سے ہم نے بڑھ کر

سنتے ہی ہند میں اک دھوم مچادی ہم نے
آگ اس سمت سے اس سمت لگادی ہم نے

کون وہ صوبہ ہے جس جا نہیں چرچا اس کا　　کون ہے شہر جہاں پر نہیں شہرہ اس کا
کون قصبہ ہے جہاں پر نہیں قصہ اس کا　　کون سے گاؤں میں پہنچا نہیں مژدہ اس کا

جسکو ہمدردی نہیں اس سے وہ انساں ہے کون
آخرش ہم بھی تو دیکھیں وہ مسلماں ہے کون

اس میں مفلس بھی ہیں اور صاحبِ دولت بھی شریک　　اور ہیں سیکڑوں اصحابِ ریاست بھی شریک
علما بھی ہیں بزرگوں کی جماعت بھی شریک　　مختصر یہ کہ ہے اللہ کی رحمت بھی شریک

جب مددگار خدا بھی ہے تو دقت کیا ہے
اک یونیورسٹی ہو جائے تو حیرت کیا ہے

تم بھی کچھ رکھتے ہو اے اہل کیا انکی خبر　　قوم کا اپنے بھی آخر ہے کوئی حق تم پر
دیکھیں تم بھی ہو سبکدوش تم اس سے کیونکر　　ہے تمہاری ہی طرف آج علیگڑھ کی نظر

دیکھیں اس کام میں کس طرح سے کد کرتے ہو
کس قدر آج تم آپ اپنی مدد کرتے ہو

اب تو یہ رُکتا ہوا کام نہیں آتا نظر
اب یونیورسٹی بے شبہ رہیگی ہو کر
چاہیے اہلِ گیا تم کو خیال اس کا مگر
قومی الزام نہ رہجائے کہیں گردن پر

سرفدا کردو اگر پاس اِک حبّہ نہ رہے
ہاں مگر دامنِ غیرت پہ یہ دھبّہ نہ رہے

انجم از گیا

فغانِ سخن

مرحبا اوجِ بے نشانِ سخن
لامکاں بنگیا مکانِ سخن

لوحش اللہ ترقی معکوس
ہیں تہ خاک آسمانِ سخن

تونے لب بند کر دیے سب کے
حبّذا لذّتِ بیانِ سخن

ہوگئے اِک جہاں کے دل ٹھنڈے
تجھ سے اَے باغِ بیخزانِ سخن

کردیا تونے آج صُمٌّ بُکمٌ
نالۂ صورِ بیفغانِ سخن

رفتہ رفتہ بنی زمانے میں
خواب گونگے کا داستانِ سخن

بنگئے آئینۂ سرِ دیوار
طوطیانِ شکرلبانِ سخن

دم بخود مثلِ پیکرِ تصویر
بلبلانِ غزلستانِ سخن

لحنِ داؤد سے ترے دم خشک
ہوگیا بحرِ بیکرانِ سخن

تیرے اعجازِ موسوی ہی نے
تہ نشیں گنجِ شایگانِ سخن

ایک موجِ مسیح دم سے تیری اُٹھ چلا جسمِ بے روانِ سخن
آخر آخر جہاں قرار لیا لُٹ گیا وُہ بھی کاروانِ سخن
جس میں لاکھوں تھے قافلہ سالار اور اتنے ہی پاسبانِ سخن
جس کے شاہانِ قوم سب ہمدرد حکمراں جس کے حکمرانِ سخن
خضرِ رہ جسکے پیشوائے طریق اہلِ اقوام رہبرانِ سخن
قوم کی قوم جس میں تھی موجود دین و ایمان و جسم و جانِ سخن
قوم وُہ قوم کونسی یعنی جسکے سب قبضے میں تھا جہانِ سخن
جس کی مٹھی میں دل زمانے کے جس کا ہر غنچہ عطردانِ سخن
جس میں ایک ایک فرد فردِ ضعیف مردِ میدان و پہلوانِ سخن
جس کے سب ناتواں قوی بازو ہُو بہو گُردِ سیستانِ سخن
سر پہ موجود اِک خدا جس کے اور پھر وُہ بھی مہربانِ سخن
جس کا حامی خدا حبیبِ خدا قوم وُہ قوم گلہ بانِ سخن
آج اُس قوم میں یہ حالت ہے شیرِ شرزہ بنے شبانِ سخن
اپنے لشکر کے بن گئے ہاتھی صاحبِ نوبت و نشانِ سخن
سر پہ چھایا نفاق بقسمت تیرہ تر ہو گیا جہانِ سخن
شہسواروں نے ڈال دیں باگیں گر پڑے تھک کے راکبانِ سخن
ٹھوکریں ہر قدم پہ کھانے لگا اشہبِ مطلق العنانِ سخن
ہُو کا میدان آج ہے وہ چوک جس میں کل گرم تھی دکانِ سخن
آج اِک لق و دق بیاباں ہے کل جو تھا قلعہ شہانِ سخن
آج مسکن ہے جانے کس کس کا تھے جہاں جمع میزبانِ سخن
بھُولے بسرے کہیں کہیں دو چار نظر آتے ہیں میہمانِ سخن

وہ بھی مہماں سرائے ہستی میں — ہیں مقدر سے نوحہ خوانِ سخن
رشکِ یوسف ہیں کارواں سے جدا — خوبرویانِ دلستانِ سخن
آنے جانے میں بالمثل تھی ایک — شانِ اسلام اور شانِ سخن
ساتھ ساتھ آئی ساتھ ساتھ گئی — روحِ اسلام اور جانِ سخن
یا وفا اس زمین ہی پہ نہ تھی — اس سے خالی تھا آسمانِ سخن
یا وفا کو بھی خود نبھا نہ سکے — صورتِ جنس رائگانِ سخن
یا نہ تھے قابلِ وفا ہرگز — عاشقان و ثمن برانِ سخن
یا ازل سے خلاف تھی قسمت — وائے بر حالِ صاحبانِ سخن

اکھڑی باتوں سے فائدہ آخر
چھیڑ دو کھل کے داستانِ سخن

مطلع ثانی

کوئی ملتا جو قدر دانِ سخن — پیش کرتے کچھ ارمغانِ سخن
عمر گذری اسی تجسس میں — چھان مارا بہت جہانِ سخن
دل کی حسرت مگر رہی دل میں — لب تک آئی نہ داستانِ سخن
جس زمیں پر گئے نہ سر سے ٹلا — شکلِ تقدیر آسمانِ سخن
ہر طرف ہاتھ پاؤں مار آئے — تھمیں آئے بحرِ بیکرانِ سخن
چھانے ہرچند کوچہ و بازار — بند پائی مگر دکانِ سخن
وہ بھی کیا دن تھے جن میں رائج تھا — سکہ دولت روانِ سخن
دولتِ لازوال کہتے تھے — یک زباں اس کو راویانِ سخن
دونوں عالم کی نعمتیں تھیں بہم — دین و دنیا تھے ہمزبانِ سخن
سب سخن سنج صادق الاقرار — فخرِ صادق البیانِ سخن

قول کے ٹھیک بات کے پورے — اور سچ مچ کے رازدانِ سخن
گرچہ اُس وقت میں بھی رہتا تھا — ایک سے ایک ہمعنانِ سخن
لڑتے بھڑتے گذار دیتے تھے — عُمر کی عمرِ پہلوانِ سخن
چین سے بیٹھتے نہ تھے دم بھر — ہم ہنر دان و ہمعنانِ سخن
صلح پر تھی بنائے جنگ مگر — پاک باطن تھے کاملانِ سخن
لڑتے جاتے تھے ملتے جاتے تھے — دائرہ سبحہ تھے یلانِ سخن
چلتی جاتی تھی گھستی جاتی تھی — تھی زبانِ قلم زبانِ سخن
قطع پر قطع سینکڑوں لگتے تھے — راتدن اُس پہ کاتبانِ سخن
جانتے تھے ودیعتِ عظمےٰ — تھے دل و جاں سے پاسبانِ سخن
بے طلب اُنکے روبرو نزول — پیش کرتے تھے طالبانِ سخن
جنکے دامانِ دولت و اقبال — سر پہ تھا سب کے سائبانِ سخن
فارغ البال خوش گذر خوشحال — کھاتے پیتے تھے آب و نانِ سخن
اہل عالم تھے قدردان انکے — اور وہ آپ قدردانِ سخن
خود مناتے تھے قوم کے سلطان — رُوٹھ جاتے تھے گر شہانِ سخن
ملک گیری ہیں فوج کے آگے — طبل و قرنائے افسرانِ سخن
کود پڑتے تھے یا علی کہکر — رزم میں شیر بیشگانِ سخن
زنگ آلودہ تیغ بے صیقل — صاف کر دیتی تھی فسانِ سخن
فوج کو مُردہ دل جو پاتے تھے — پھونک دیتے تھے بڑھ کے جانِ سخن
کارنامے گئے زمانے کے — چھیڑ دیتے تھے ناقلانِ سخن
ہر طبیعت میں جوش ہو پیدا — یوں سُناتے تھے داستانِ سخن
باتوں باتوں میں دل بڑھاتے تھے — سحر پیشہ تھے حاکیانِ سخن

یا معجزاً مسیح مرسل تھے
سب رجز خوان وادیانِ سخن

اُن کا ہر فقرہ تیغ جوہر دار
اور ہر لفظ اک سنانِ سخن

حامی فوج ہادی اسلام
افسر قوم رہبرانِ سخن

محفلیں رات دن سجاتے تھے
اوستادان و پیروانِ سخن

ہوتے رہتے تھے روز گھر بیٹھے
صاف طینت سے امتحانِ سخن

آج ڈیرے کہیں کل اور کہیں
تھے جہاں گشت رہروانِ سخن

جمع ہوتے تھے منزلوں چل کر
جوق در جوق کاروانِ سخن

میہمانوں کی پیشوائی کو
گھر سے بڑھتے تھے میزبانِ سخن

تھی ہر اک بزم میں جگہ اُنکی
میر محفل تھے قدردانِ سخن

عرش پر کیوں نہ ہو دماغ تیرا
مرحبا اوج آسمانِ سخن

زیر منبر ہوں صاحب معراج
اور منبر ہو نردبانِ سخن

تھی خدا کے حبیب کو محبوب
اَیُّهَا القَوْمْ عزّو شانِ سخن

سب کو پیارے کی ہر ادا پیاری
ایک تم مدّعی جانِ سخن

ہے غنیمت دم درود پڑھو
تازہ ہو جائیگی زبانِ سخن

پڑھتے آتے ہیں عطرِ گل پیرو
اہلِ بستان باغبانِ سخن

غنچے غنچے کو دل میں رکھتے ہیں
عندلیبانِ نغمہ خوانِ سخن

یا ہوا سے بچاتے ہیں دامن
خود ہوا خواہ بوستانِ سخن

طوطیوں کو ہے آئینے سے گریز
سرو سے ٹیڑھی قمریانِ سخن

شاخسانے نکالتی ہیں ہزار
صحنِ گلشن میں لولیانِ سخن

وقت بےوقت کی اڑاتے ہیں
ساقیان و مغنیانِ سخن

شاخ سے تا بہ برگ خشک تلک
نونہالانِ خوشقدانِ سخن

صورت بوئے گل جدا گل سے   شاہدانِ سمن برانِ سخن
ہر روش بیٹھے ہیں بیگانہ   شکل سبزہ یگان یگانِ سخن
لے اُڑے ہیں نسیم کے جھونکے   بوئے گل کی طرح آشیانِ سخن
دستِ قدرت زخویش بست و کشود   رشتۂ در قوم و درمیانِ سخن
نامزد قوم میں شریف القوم   صاحبِ قوم ہر جوانِ سخن
قوم کے ساتھ ہی مٹی افسوس   رفعت و شانِ دودمانِ سخن
تھی سکت اہلِ قوم میں جبتک   کچھ توانا تھے ناتوانِ سخن
خون کا جوش قوتِ اسلام   سر پہ دوردو تھے موبدانِ سخن
ورثۂ انبیا ہے جس کا نام   اُس پہ قابض تھے مالکانِ سخن
وہ بھی جاگیر ہاتھ سے کھو کر   بیٹھے آخر معلمانِ سخن
گرہیں مکتب ہست و این مُلا   ہے خدا ہی نگاہبانِ سخن
کارِ طفلاں خراب خواہد شد   کان تک آچکی فغانِ سخن
تو نے گھر در سے کھو دیا ہیہات   اَے زمینِ سخن زمانِ سخن
تیری بے مہریوں نے خاک کیا   آہ اَے مہر آسمانِ سخن
گر بدریا رود برآرد دُود   قدمِ سبز سالکانِ سخن
خاک بجھتی ہیں تیرے ماتم میں   جمن و گنگ و نہروانِ سخن
ندیاں خون کی بہاتے ہیں   شعب بوان و اصفہانِ سخن
کوفہ و نجد و بصرہ و بغداد   بھوکے پیاسے ہیں نوحہ خوانِ سخن
گنجہ و طوس و فاریاب و جام   ہیں قیامت کے تشنگانِ سخن
مرو و شیراز و آمل و طہران   تھک گئے ڈھونڈھ کر نشانِ سخن
اپنی تُرکی تمام کر بیٹھے   رُوم و رَے اور ترکمانِ سخن

دہلی و لکھنؤ جو باقی تھے — جانِ اہلِ زبان و کانِ سخن
خاتمِ شانِ شوکتِ اسلام — آخریں نوبتِ شہانِ سخن
جنکے دیوانِ خاص و عام میں تھا — میر منشی تھے منشیانِ سخن
جنکے دربار گرم رکھتے تھے — ناثر و ناظمِ جہانِ سخن
آجتک جنکے بام و در پر ہیں — نام و القاب صاحبانِ سخن
آجتک جنکے پھوٹے کھنڈروں میں — دفن ہے دولتِ نہانِ سخن
آجتک جنکے نام سے رائج — سکۂ نقدِ رائیگانِ سخن
آجتک جنکی اگلی گلیوں میں — کچھ مسلم بھی ہیں مکانِ سخن
جوہری جنکے چوک میں اب تک — ہیں سجائے ہوئے دکانِ سخن
دو زیادہ کہیں تو چار کہیں — قابلِ قدر ناقدانِ سخن
جنکے باغوں کے اجڑے تختوں میں — ہیں ابھی چند باغبانِ سخن
جنکی پایاب ندیوں میں ابھی — تیرتے ہیں شناورانِ سخن
جنکی روندی ہوئی کچھاروں میں — ہیں نہاں شیر بیشگانِ سخن
جنکی پامال مرغزاروں میں — چلتے پھرتے ہیں اعیانِ سخن

(ثاقب بدایونی)

تازہ غزلیں

(از جناب امین الحسن صاحب رضوی سنبھلی)

ذرا تو یاد کرو وہ دوستی کا کرو فر پہلے — کبھی کچھ ہم سے تجھ سے بھی تو تھی بیداد گر پہلے

تری مستانہ آنکھوں کی قسم اب تک کھٹکتی ہے
لی تھی مجھ سے جو صبر آزما نیچی نظر پہلے

گیا دل اور اثر بھی ساتھ ہی لیتا گیا ظالم
تمہیں معلوم ہو اتنے نہ تھے ہم بے اثر پہلے

ترے قربان ساقی مجھ کو مستغنی کیا تو نے
لئے پھرتی تھی میری تشنہ کامی در بدر پہلے

نگاہوں میں تو اب آئی ہے بیباکی و رعنائی
بہت ہی بھولے بھالے تھے ترے تیر نظر پہلے

یہ سر قدموں پہ ان کے ٹوٹ کر ملنے نے پہنچایا
جھکا تھا ورنہ کب کس کے لئے بسمل یہ سر پہلے

امین الحسن رضوی بسمل

آشنا جب کہ ترے نام سے لب ہوتا ہے
رات کا آخری حصہ وہ غضب ہوتا ہے

ہاتھ پر دل ہے پئے نذر لئے سب موجود
بے نیازی میں عجب حسنِ طلب ہوتا ہے

مہربانی بھی رلاتی ہے لہو اب جاناں
آپ کا لطف بھی گریہ کا سبب ہوتا ہے

نامہ بر انکو جو راضی نہ کیا کچھ نہ کیا
بات کرنے کا بھی کہتے ہیں کہ ڈھب ہوتا ہے

آنکھ کھل جائے اگر دیکھ لیں سونے والے
وہ دل آویز سماں آخرِ شب ہوتا ہے

مہر و مہ میں بھی تو اک جلوہ گری ہے لیکن
دل کے کھنچنے کا کوئی اور سبب ہوتا ہے

بے نیازی کا ہے الزام جو چپ رہتا ہوں
اور کہتا ہوں جو کچھ ترکِ ادب ہوتا ہے

وہ زباں دے تو چکے ہیں مگر ایفا کا خیال
دیکھنا یہ ہے کہاں اور یہ کب ہوتا ہے

ہر بگولے نے کیا تربتِ مجنوں کا طواف
ادب آموزِ محبت کا ادب ہوتا ہے

یوں سمجھ لیجئے ہر کام کی علت ہے ضرور
کچھ نہ کچھ شکر و شکایت کا سبب ہوتا ہے

میری غزلوں کی ہوئی قدر مرے بعد حفیظ
کوئی ہر شعر پہ اب داد طلب ہوتا ہے

حفیظ جونپوری

کون کہتا ہے کہ وہ اور کہیں رہتے ہیں ۔ میرے دل میں جو وہ رہتے ہیں یہیں رہتے ہیں
کتنے آرام سے سب زیرِ زمیں رہتے ہیں ۔ شاہ رہتے ہیں شہنشاہ وہیں رہتے ہیں
ایک لمحہ بھی ٹھہر جائے کسی کی کیا تاب ۔ تیرے کوچے میں ستمگار ہمیں رہتے ہیں
ہے فنا سب کو فقط ایک خدا باقی ہے ۔ دل پہ کندہ یہ مرے نقش و نگیں رہتے ہیں
دیکھتے ہی انہیں دل ہوش جگر صبر قرار ۔ میرے قابو میں یہ دو چار نہیں رہتے ہیں
یاد احباب و اعزا ہے مہمان کہاں ۔ اِک دل اللہ نے دیا اس میں حسیں رہتے ہیں
شیخ کی پگڑی اڑا لائے ہیں رکھ لے ساقی ۔ بے پئے کب یہ خرابات نشیں رہتے ہیں
حضرتِ دل کو عجب شوق ہے اس محفل کا ۔ ہم جہاں چاہے رہیں آپ وہیں رہتے ہیں
یہ تصور ہمیں پہنچا ہی دیا کرتا ہے ۔ وہ جہاں رہتے ہیں بس ہم بھی وہیں رہتے ہیں
صاف دیتے ہیں دو رنگی زمانہ کا پتہ ۔ دونوں گیسو جو ترے رخ کے قریں رہتے ہیں

وہ شہِ حسن ہے ۔ بیچارہ وحید ایک گدا
گھر میں درویش کے سلطان کہیں رہتے ہیں

(از جناب معراج صاحب)

تیرے وحشی جو رواں سوئے بیاباں ہونگے ۔ دامن و جیب بہم دست و گریباں ہونگے
حشر میں کیا ہی مرے عفو کے ساماں ہونگے ۔ اُس کی رحمت کے مقابل میری عصیاں ہونگے
روز و شب عیش کے جس قوم میں ساماں ہونگے ۔ ایک دن اس کے سب افراد پریشاں ہونگے
لاکھ غفلت گرِ دیں دشمنِ ایماں ہونگے ۔ تجھ سے بڑھ کر نہ ستمگر وہ مری جاں ہونگے
پی کے مے جبکہ سرِ سبزہ خراماں ہونگے ۔ اُنکے چہرے سے عیاں لاکھ گلستاں ہونگے
زخم سب سودۂ الماس کے خواہاں ہونگے ۔ ہم نہیں وہ کہ جو درماندۂ درماں ہونگے
مجھ سے دلریش پہ یوں یار کے احساں ہونگے ۔ زخم ہونگے مرے اور اُنکے نمکداں ہونگے

ہند و مقنع ز حجابِ رُخِ جاناں ہوگئے
شمعِ رُو چھپ کے چراغِ تہِ داماں ہوگئے

چونکہ یہ شیوہ نہیں آزارِ اخلاق اپنا
مجھ سے ناراض نہ ہندو نہ مسلماں ہونگے

کشتیٔ علم پہ چلے یونیورسٹی کا جہاز
ناخدا جبکہ نہ عثمانِ علیخاں ہونگے

معنیِ کاخِ قواریر کھلینگے ہم پر
ساقِ سیمیں ترے جب دل میں نمایاں ہونگے

تجھ کو خورشید سے ہے کسبِ سعادت ورنہ
میرے سینے میں بھی داغ اَے مہِ تاباں ہونگے

معرکے اُمتِ مرحوم نے مارے ہیں جہاں
چپے چپے پہ وہاں گنجِ شہیداں ہونگے

واعظِ شہر تو ہر رنگ میں وحشی نکلا
ہم سمجھتے تھے کہ یہ خیر سے انساں ہونگے!

ہوگا رونق پہ عجب علم ادبِ دلّی کا
غالبؔ و ذوقؔ سے جب اس میں سخنداں ہونگے

جا کے دیکھو گے کھنڈر دلّی و بغداد کے گر
خاک میں اب بھی نہاں گوہرِ رخشاں ہونگے

اب تلک نسخۂ دنیا ہے مخزنی سا!
ایک دن سارے یہ اوراق پریشاں ہونگے

حالیؔ و شبلیؔ کے انفاسِ مسیحائی سے
دہلی و لکھنؤ شیراز و صفاہاں ہونگے

طبعِ ذخّار سے دُرہائے سخن ہیں پیدا
ہم نہ دریوزہ گرِ قلزم و عمّاں ہونگے

رنگِ حالیؔ میں غزل خوب لکھی ہے مرآج
اب تو قائل ترے ناظرؔ سے سخنداں ہونگے

(از محمد شفاعت احمد برقؔ دہلوی)

نہ ملتے کاش سنگِ آستاں ہو کر ترے در سے
ہوئے پامال ناحق اپنے بیگانے کی ٹھوکر سے

دلِ وحشی ملیگا کیا صلہ کوئے ستمگر سے
صدائے ظلم آتی ہے جہاں ہر اِسی در سے

یہاں رونے کی بندی ہے کھچا واں تارِ خنجر سے
ستم ہے تشنہ لب پر قطرہ قطرہ سے جو یوں ترسے

مری تقریر تارے آسماں سے توڑ لائی کیا
تبسم سے لبِ نازک کھلے اور پھول تک برسے

۱؎ کشمیر کی مشہور جھیل ۲؎ چودھری خوشی محمد صاحب ناظرؔ گورنر کشمیر۔

گذرتے ہیں آسانی مرا عشق سحر دم میں
وہ نہلاتے ہیں جب کشتوں کو اپنے آب خنجر سے

تمہیں دیکھا جو حالِ دل شہیدوں کا تو لو دیکھو
بجائے اشک خوں برسے بلا سے دیدۂ تر سے

شبِ وعدہ تمنّاؤں پہ میری پھر گیا پانی
عرق آیا جبینِ ناز پر جب دیدۂ تر سے

چلے آئے ہیں زاہد آج میخانہ میں قسمت سے
انہیں نہلاؤں کے دوستو سب آبِ کوثر سے

زمانہ میں ہے روشن روسیاہی آہِ سوزاں کی
بڑھے جاتے ہیں کیوں داغِ جگر خورشیدِ خاور سے

دلِ نازک ادا اور آہ سوزاں الاماں یارب
ہوا ہے ساتھ کیوں تنکے کا یہ بادِ صرصر سے

مرن ہے مجھکو مرنا بھی گمانِ بد سے مرقد پر
وہ اب تک کر رہے ہیں سنگباری سنگ مرمر سے

تڑپ جاتا ہوں جب آنکھیں دکھا کر مجھ سے کہتے ہیں
کبھی اس گھاٹ بیڑا پار ہوگا آب خنجر سے

بلا سے جان جائے جائے پر تم حالِ دل دیکھو
چلا آتا ہے پارہ پارہ ہو کے دیدۂ تر سے

خیالِ نوکِ مژگاں دیکھئے کیا کیا ستم ڈھائے
چلی آتی ہے بوئے خوں مجھے ہر تیر کے پر سے

کہاں تک زخمِ پنہاں کا رہے پردہ قیامت ہے
میں پٹی باندھتا ہوں پھاڑ کر دامانِ محشر سے

بتوں کی یاد نے کعبے میں ہم کو جاں بلب رکھا
چلے آئے مقدر سے پھرے اللہ کے گھر سے

خموشی اب تو لازم ہے تمہیں اے برقِ محفل میں
دلوں پر چھا گئے سب کے بہت گرجے بہت برسے

(از جناب سید سلطان سنگروری تلمیذ حضرت تجمل صاحب)

جب چلے ہیں سیرِ گلشن کو تو کس کس سے لڑے
گاہ سنبل سے وہ الجھے گاہ نرگس سے لڑے

رشک اس کا نام ہے۔ دنیا میں کس کس سے لڑے
میری الفت میں کبھی اُس سے کبھی اِس سے لڑے

رہگذر میں یوں تو ہے مشتاق عالم کی نگاہ
اس کی قسمت تیری چشمِ جنگجو جس سے لڑے

دست رس ہو جائے گر اکسیرِ خاکِ در کبھی
اپنی قسمت سیم تن بختِ ہوس سے لڑے

چڑھ رہی ہیں تیوریاں ہر طالبِ دیدار پر
وہ اکیلا چاہتا ہے۔ ساری مجلس سے لڑے

مدعی ہوتے ہیں دولتمند۔ دولتمند کے
کوئی سمجھا دے تونگر کو نہ مفلس سے لڑے

دید بازی ایسی ہے اس گلبدن کو ناگوار | گھور کر دیکھے اگر نرگس۔ تو نرگس سے لڑے
کس طرح تم پر نہ ہوں قربان نگاہیں بزم میں | چشم پروانہ۔ نہ کیونکر شمع محفل سے لڑے
فتنہ گر کہہ کے۔ اٹھانا چاہتے ہیں کیوں حضور | کس سے جھگڑے آپکی محفل میں ہم کس سے لڑے

بس وہی ہے خوبرو سلطان چاہیں جسکو ہم
بس وہی ہے دلربا۔ اپنی نظر جس سے لڑے

(از جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی)

اے دل یہ ہے خلافِ رسمِ وفا پرستی | توبہ بتوں کے آگے ذکرِ خدا پرستی
اک خنجرِ قضا ہے اک نشترِ جفا ہے | وہ چشم شوخ جو ہے مستِ حیا پرستی
دکھلاؤنگا تماشا اس آئینہ میں تم کو | صبحِ ازل سے دل ہے محوِ صفا پرستی
ظالم کو ہے یہ کوشش اسکو کہیں مٹا دوں | مظلوم دل کو میرے فکرِ بقا پرستی
کیوں ساز و برگ ہستی کرتا ہے تو مہیا | دنیا کو رات دن ہے ذوقِ فنا پرستی

تو ہے عزیز بیشک مردِ خدا رسیدہ
حکمت و تصوف یہ اولیا پرستی

(از جناب منشی محمد صدیق حسن صاحب صدیق دہلوی تلمیذ جناب لالہ راسخ مرحوم)

نہ چھوٹا ہے نہ چھوٹے گا عدو سے یار کا پہلو | جدا ہو خار سے کیونکر گلِ گلزار کا پہلو
بنا یار رشک آئینہ خدا نے یار کا پہلو | نظر آتا ہے اس میں ہر در و دیوار کا پہلو
میں اس ڈر سے مگر ان کا بوسہ بھی نہیں لیتا | نکل آئے نہ کوئی پیار میں تکرار کا پہلو
مجھے آنکھیں دکھائیں پہلے پھر ابرو میں بل ڈالے | لگا کر تیر یاد آیا انہیں تلوار کا پہلو
خریدار از جا بیٹھیں گے اس یوسف لقا کے گھر | کرینگے گرم جا کر حسن کے بازار کا پہلو

جگر میں ٹیس ہے دل میں کسک ہے درد پہلو میں
تیری نوکِ مژہ میں ہے سرِ ہر خار کا پہلو

یقیں کس کا کروں جب اک سخن سے نکلیں دو تیں پہلو
ترے اقرار کے پہلو میں ہے انکار کا پہلو

مجھے وہ بزم ہے اعراف بھی جنت بھی دوزخ بھی
اِدھر سے یار کا پہلو اُدھر اغیار کا پہلو

نہ کیوں یہ دردِ دل ہو جان سے بڑھکر عزیز انکو
بدلواتا ہے اٹھ اٹھ کر ترے بیمار کا پہلو

اگر ڈر ہے قیامت کا تو اتنا ہی فقط ڈر ہے
نہ کرلے اختیار آکر تیری رفتار کا پہلو

ہنسی میں بھی نکل آتے ہیں آنسو سچ ہے اے صدیق
چھپا ہوتا ہے راحت میں بھی ایک آزار کا پہلو

(از جناب سید رضا حسین صاحب رضا اغوان پوری)

دیدِ دلدار پہ منت کشِ درباں ہونا
اس سے بہتر ہے شبِ ہجر میں بیجاں ہونا

نخلِ قامت کا مرے سرو چراغاں ہونا
داغِ فرقت کو سکھا دیتا ہے سوزاں ہونا

مژدہ اے مرگ کہ آرزو ہے وہ رشکِ مسیح
سخت مشکل ہے مرے درد کا درماں ہونا

حسن و الفت کا کرشمہ تھا زلیخا کی قسم
ماہِ کنعاں کا اسیرِ چہِ زنداں ہونا

شاخِ گل پیشِ رخ غنچہ دہن رکھ دیجے
نہیں مشکل شجرِ سیبِ زنخداں ہونا

خاکساری سے فقط مطلب و مقصد ہے یہ چرخ
سرمۂ مردمِ نادیدہ خوباں ہونا

دیکھکر خالِ رخِ یار یہ یاد آتا ہے
کعبہ میں زنگیوں کا حافظِ قرآں ہونا

آہ ناوک ز کماں رفتہ ہے اے تیر نگن
قتلِ عشاق پہ بیوقت پشیماں ہونا

جلِ خورشید ظلمات کا مضموں ہے صاف
گیسوؤں کا رخِ مہرو پہ پریشاں ہونا

کششِ عشق تھی لیلیٰ کی طرف سے ورنہ
قیس کا مائلِ اسباق و دبستاں ہونا

اے رضا مرضیِ مولےٰ پہ رضامند رہو
نہیں ہر ایک کی قسمت میں سخنداں ہونا

(از جناب یاس عظیم آبادی تلمیذ جناب شاد)

فکرِ انجام نہ آغاز کا کچھ ہوش رہا چار دن تک تو جوانی کا عجب جوش رہا

میں قفس میں بھی کسی روز نہ خاموش رہا کشمکش میں بھی طبیعت کا وہی جوش رہا

نشۂ الفتِ ساقی کا عجب جوش رہا ہولِ صحرائے قیامت بھی فراموش رہا

دھوم سنتے رہے اب آتے ہیں اب آتے ہیں حشر تک میں یوں ہی کھولے ہوئے آغوش رہا

نکہتِ گل کی طرح جامہ سے باہر ہونگا فصلِ گل کا جو گلستاں میں یہی جوش رہا

سایۂ دامنِ قاتل میں جو نیند آئی مجھے پھر تو کروٹ بھی بدلنے کا نہ کچھ ہوش رہا

رحمتِ حق رہی ہم عاصیوں پر سایہ فگن سر پہ چھایا ہوا اک ابر خطا پوش رہا

بحرِ رحمت میں بہت ہوگا تلاطم برپا تجھکو اے اشکِ ندامت جو یہی جوش رہا

کیا خطا مجھ سے ہوئی کون سی عالم میں ہوئی عمر بھر کس لئے محروم ہم آغوش رہا

حالِ دل ہو گیا حسرت کی نگاہوں سے عیاں ٹکٹکی باندھے ہوئے میں یوں ہی خاموش رہا

اٹھتے اٹھتے تھی وہی بزم کی مستانہ روش چلتے چلتے بھی خمِ مے کو وہی جوش رہا

دور کھنچتی ہی گئی منزلِ مقصود مگر رہروِ عشق کی ہمت کا وہی جوش رہا

پھر گئیں آنکھیں مری کوچۂ جاناں کی طرف شکر ہے مرتے دم اتنا تو مجھے ہوش رہا

یاس نے ساتھ نہ چھوڑا کبھی مرتے مرتے
تیرے قدموں سے لگا صورتِ پاپوش رہا

(از جناب بیتاب عظیم آبادی)

شادمانی کا کبھی غم کا کبھی جوش رہا ایک سودا رہا جب تک کہ مجھے ہوش رہا

غرقِ دریائے محبت دلِ پر جوش رہا اے خوشا قطرہ جو قلزم سے ہم آغوش رہا

رخِ پرنور سے بس اٹھا اٹھا تھا نقاب کون کمبخت تھا ایسا کہ جسے ہوش رہا

روح پرور وہ صدا اور وہ تسلی جاں بخش ہمہ تن چشم رہا میں ہمہ تن گوش رہا

لے سحر آتی ہے دم توڑ رہے ہیں عاشق — تو کہاں شام سے او وعدہ فراموش رہا
لڑکھڑاتے ہوئے ہم تا لبِ کوثر پہنچے — بعد مرنے کے بھی ساقی کا ہمیں ہوش رہا
کیا اثر رکھتی ہے مستانہ نظر ساقی کی — جس کو مدہوش کیا اُس نے وہ مدہوش رہا
خود سفینہ مرا پہنچے گا لبِ ساحل تک — بحرِ مواجِ بقا کو جو یوں ہی جوش رہا
تیرا بسمل تو تڑپنے کو سمجھتا ہے حرام — نہ اُڑیں خون کی چھینٹیں یہ وفا کوش رہا
کیا بُرا حال ہے بلبل کا قفس میں صیاد — گو بہار آئی وُہ خاموش کا خاموش رہا
نظر آتا رہا ساقی رُخِ نورانی دوست — جب تلک ہاتھ میں جامِ مئے سرخوش رہا
دل ہو یا جان ہو یا چشم تماشائی ہو — جو ترا محرمِ اسرار تھا خاموش رہا
ساقیا بزم میں یہ فرقِ مدارج کیسا — کوئی مدہوش ہے پی کر کوئی باہوش رہا
بے دھڑک بھیڑ میں محشر کی وُہ آنا تیرا — دیکھ لینا جو کسی ایک کو بھی ہوش رہا
مطمئن قلب ہوا راحتِ رُوحانی ہے — اب نہ وہ شوق کی تکلیف نہ وہ جوش رہا
درد اُٹھتے ہی تڑپنے لگا وہ محرمِ راز — جو ادا سے تیری واقف تھا وُہ خاموش رہا
بجھنے والا نہیں اے رُوح کبھی تیرا چراغ — نہ رہے گا نہ کسی وقت وُہ خاموش رہا

اِک شبِ ہجر پہ موقوف نہیں اے بیتاب
جب پڑی سخت مصیبت تو میں خاموش رہا

کتنی مے دی مرے ساقی نے مجھے کیا معلوم — جام میرا تو ہمیشہ تہِ سرپوش رہا
نہیں معلوم مرا زخمِ جگر کیسا ہے — چارہ گر دیر تلک دیکھ کے خاموش رہا

(اکبر عظیم آبادی)

وصل کی رات کوئی بات بھی مُنہ سے نکلی؟ — یُوں تو کہنے کو میں کہدوں کہ مجھے ہوش رہا
میری بالیں پہ وُہ اغیار کے ساتھ آئے تھے — یہ سبب تھا کہ میں بیہوش کا بیہوش رہا

سید محمد محی الدین تمنا

ہے عبث تجھ پہ یہ الزام کہ روپوش رہا — طالب دید کو دیدار کا کب ہوش رہا

شفق

وادیٔ عشق میں بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں پاؤں — جیت لیتا ہوں یہ میدان جو یہی جوش رہا

(مفتون عظیم آبادی)

دیر سے ہے لب کوثر پہ ہی ساقی کی پکار — اور باقی تو نہیں اب کوئی مے نوش رہا
زیر خنجر بھی نہ تڑپا میں ذرا او قاتل — مرتے مرتے بھی میں کس رہ وفا کوش رہا

(آرزو عظیم آبادی)

(از جناب رئیس الحسن رضوی بسمل)

گو فلک نے پیچ لاکھوں ہی کیے — اپنے بل پر میں سنبھلتا ہی رہا
فتنۂ محشر کی قامت سے مگر — قد تمہارا کچھ نکلتا ہی رہا
خوب کاٹی عمر تو نے اے امید — میں دعاؤں سے بہلتا ہی رہا
کوسنے اُن کے دعائیں ہو گئیں — یاں نہالِ عشق پھلتا ہی رہا
ہونے والی تھی جو چوری ہو گئی — پاسبان شب بھر ٹہلتا ہی رہا
خال بن بن کر رخِ تاباں کا تل — نور کے سانچے میں ڈھلتا ہی رہا
بلبل و گل میں ہنسی ہوتی رہی — باغباں کمبخت جلتا ہی رہا
ہو گیا وہ بت نصیبِ دشمناں — میں کفِ افسوس ملتا ہی رہا

مڑ کے بھی دیکھا نہ خنجر نے کبھی
آپ کا بسمل مچلتا ہی رہا

مخزن ایجنسی لاہور کی موجودہ کتابیں

رسوم دہلی (مصنفہ مولوی سید احمد صاحب مولف فرہنگ آصفیہ قیمت معہ محصولڈاک ۱۲ر

اقبال دلہن (مصنفہ مولوی محمد بشیر الدین احمد خانصاحب قسم اول ۸ قسم دوم عہ

خواب ہستی - مرزا محمد سعید صاحب ایم اے کے پسندیدہ ناول کا دوسرا ایڈیشن عہ

ابو مسلم خراسانی - رسالۃ الہلال مصری کے فاضل ایڈیٹر جرجی زیدان کی تصنیف ہے - مولوی محمد حلیم صاحب ردولوی نے مخزن ایجنسی کی خاص فرمایش پر عربی سے سلیس اردو میں ترجمہ کیا ہے - عہ

کلام نیرنگ - میر غلام بھیک نیرنگ بی - اے وکیل کے کلام منظوم کا خوشنما ایڈیشن ۶ر

انتخاب مخزن - مخزن کی ۹ جلدوں کا انتخاب ہے - قیمت علاوہ محصول - عہ

دردجانستان مصنفہ حکیم سید ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی دہلی کی زبان میں دہلی کا سچا قصہ ۸ر

دربار نمبر - دربار تاجپوشی کی تقریب پر مخزن کا ایک خاص نمبر نہایت اہتمام سے نکالا گیا ہے ۶ر

مثنویات میر حسن - مثنوی بے نظیر کے ساتھ مثنوی گلزار ارم ایک قلمی نسخے سے نقل کر کے شامل کی گئی ہے عہ

سیر تبت - انگریزی کتاب فور ایرس ان تبت کا بامحاورہ ترجمہ اور تبت کے متعلق معلومات کا ذخیرہ

مرقع خوشخطی - فن خوشنویسی کی ابتدائی کاپی جسکو منشی فضل الٰہی صاحب مرغوب رقم لاہوری نے نہایت محنت سے مبتدی بچوں کاتبوں اور شائقین خط کے واسطے تیار کیا جسکو دیکھکر خط کے تمام نکات بآسانی سمجھ میں آسکتے ہیں - علاوہ حسن ظاہری کے جو منشی صاحب نے اسکی اہتمام میں مدنظر رکھا ہے دعوی ہے کہ اس سے بہتر کاپی اس فن کے واسطے اسوقت تک کوئی نہیں ۱۰ر

درخواستیں بنام مینیجر مخزن - لاہور آنی چاہئیں

ہاف ٹون عکسی تصاویر

(شائقین جلد منگوائیں)

علمی و ادبی دنیا کے جن مشاہیر کی تصویریں وقتاً فوقتاً رسالہ مخزن میں شائع ہوتی رہی ہیں ان میں سے بعض ایسی ہیں جنہیں اکثر صاحبان علیحدہ علیحدہ اپنے پاس رکھنا یا فریم میں لگانا چاہتے ہیں اس لئے ان کی کچھ کچھ زائد کاپیاں چھپوائی گئی تھیں۔ جواب برائے فروخت پیش کی جاتی ہیں قیمتیں حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ حضرت داغ دہلوی مرحوم قیمت ... ۲ر	۴۔ گروپ (میر مہدی مجروح مرحوم و منشی امیر اللہ تسلیم و احسان و انسی ۲ر
۲۔ شمس العلما مولوی سید علی صاحب بلگرامی مرحوم ۲ر	۵۔ منشی درگا پرشاد صاحب طالب بنارسی ۲ر
۳۔ پروفیسر براؤن میری (مع نمونہ دستخط انگریزی و تحریر فارسی ... ۲ر	۶۔ حضرت جلال لکھنوی (مرحوم) ... ۲ر

تصاویر مصر و روم

ہز ہائی نس عباس حلمی پاشا (خدیو مصر) ۴ر	جامع سلطان احمد (استانبول) ۴ر
والی بروصہ کے ساتھ تین مہمان (جلال النسی بے شیخ مشیر حسین قدوائی و شیخ عبد القادر ... ۴ر	ان تینوں تصویروں کی فقط چند کاپیاں موجود ہیں۔

چشمہ سلطان و قیصر ولیم (استانبول) ۱ر	خزینہ ہمایوں کا دروازہ ۱ر
تنسریدزا (جس میں جلوس سلطانی کی بھی تصویر ہے) ۱ر	کارخانہ ابریشم (بروصہ) ۱ر
غلطہ کا برج ایل (استانبول) ۱ر	درویشان طریقت مولانا روم ۲ر

متفرق

فرانسیسی ریشم کاتنے کا چرخہ (بچوں کیلئے) ۱ر	قصر مصنوعات زمانہ (نمائش لندن) ۱ر

درخواستیں بنام مینیجر مخزن میکلگن روڈ۔ لاہور آنی چاہئیں

اٹلی کے مال کو بائیکاٹ

مظلومانِ طرابلس فنڈ اور کی مدد

ہم نے عہد کرلیا ہے کہ آئیندہ **اٹلی کا مال** ہرگز ہرگز نہ منگا ئینگے - ایک بہت بڑا آڈر جو اٹلی کی ٹوپیوں کا دے چکے ہیں - اُسے ہم نے کینسل کردیا ہے نیز ہم **اعلان** کرتے ہیں کہ ہماری مشہور و معروف ٹرکی ٹوپیوں (محسن الملک پیٹنٹ ، وقار الملک پیٹنٹ ساختہ **کرسٹی لنڈن**) کی جسقدر بکری **یکم نومبر سے تا اختتامِ جنگ** ہوگی اُس میں سے فی ٹوپی چار آنے (۴) مصیبت زدگان طرابلس فنڈ کے لئے **نذر کرینگے** +

محسن الملک پیٹنٹ استر تمام ولائتی چمڑے کا (ہمارا دعویٰ ہے کہ اس سے بہتر ٹوپی دستیاب ہونی محال ہے - **قیمت** مع پھند نا استبولی اعلیٰ قسم للعہ

وقار الملک پیٹنٹ بشرح صدر - مگر استر ریشمی کپڑے کا اور کناروں پر چکنائی سے حفاظت کے لئے چمڑے کی پٹی **قیمت** مع پھندنا استنبولی اعلیٰ قسم **سے ۸ ؎**

تازہ مال آگیا ہے اور اس میں بہت رنگ اور سائز موجود ہیں فرمائش کیساتھ ناپ و...

دہلی دربار پر جانیوالوں کو اطلاع (سفر میں بہت وزنی ٹرنکوں اور صندوقوں سے بچنا چاہیں تو چمڑے کے ہینڈ بیگ - گلیڈسٹون بیگ اور کٹ بیگ منگوائیے - جن کا ہم نے دربار کی خاطر بہت سا تازہ سٹاک منگوایا ہے اور نرخ نہایت ارزاں

سردیوں کیلئے ہر قسم کا تازہ مال آگیا ہے - سوئٹر - بنیانیں کمبل - موزے وغیرہ وغیرہ

(مفصل فہرست دوکان مفت) **عبدالرشید برادرز جنرل مرچنٹ و سٹشنرز**

انارکلی لاہور

[illegible]ی عشبہ اور [illegible] التالیف مجرب فوائد

[illegible] تصدیق حکیموں ڈاکٹروں نے اپنے مریضوں پر آزما کر لی ہے

فائدہ ۱ — جسکی تصدیق ایک سو دس مریضوں نے آپ استعمال کر کے کی ہے اور سر[illegible] ڈلے ہیں [illegible] جب کبھی آتشک یا سوزاک ہو چکا ہو اور کچھ عرصہ بعد جلد پر سیاہی آجائے چہرے اور [illegible] سیاہ داغ پڑ جائیں یا جوڑوں اور ہڈیوں میں درد ہو تو اس مرکب کے استعمال کرنے سے تمام دکھ دور ہو جائینگے +

فائدہ ۲ — جسکی تصدیق [illegible] مختلف مریضوں اور مختلف عمر کے لوگوں نے کی ہے وہ یہ جیسا خراب معدہ [illegible] بھوک بند ہو جانے سے دن بدن لاغر ہوتے جاتے تھے۔ چہرے پر [illegible] اور [illegible] پیدا ہو گیا تھا ہاتھ پاؤں جلتے تھے۔ معدہ پر بوجھ کبھی [illegible] کبھی [illegible] ہو غالی تھی وہ سب اس مرکب کے استعمال کر کے دور ہو گئے +

فائدہ ۳ — جسکی تصدیق [illegible] مریضوں [illegible] آزما کر کے [illegible] خون گندہ ہونے سے چہرے پر چھائیاں اور [illegible] مختلف جگہ میں پیدا ہو کر ان سے [illegible] پانی [illegible] ہو جاتے تھے +

فائدہ ۴ — جسکی تصدیق [illegible] کرتے ہیں۔ انکی رانوں کا چہرہ سیاہ اور [illegible] ہو گیا تھا اور سینے [illegible] سخت خارش ہوتی تھی ہر وقت ہاتھ چہرے میں رہتا تھا اور ان سے [illegible] ہو جاتی تھی +

فائدہ ۵ — جسکی تصدیق گیارہ مریض کرتے ہیں [illegible] حصہ جسم میں [illegible] اور جن میں ان گلٹیاں [illegible] جاتی تھیں انکے استعمال سے [illegible] گلٹیاں [illegible] پیدا ہونی بند ہو گئیں +

فائدہ ۶ — جسکی تصدیق [illegible] سو مریض کرتے ہیں [illegible] پتلی سی پیپ جاری رہتی تھی اور [illegible] تکلیف رہتی تھی [illegible] استعمال سے ناسور سوکھ گیا اور زخم [illegible] +

فائدہ ۷ — جسکی تصدیق [illegible] بیمار کرتے ہیں ان کو [illegible] تمام بدن اور پنڈلیوں میں [illegible] دن [illegible] پانی تھی [illegible] ایک شیشی کے استعمال سے [illegible] ہو جاتا ہے +

فائدہ ۸ — جسکی تصدیق [illegible] استعمال کرنے کے [illegible] پانی بیماری رہتا تھا [illegible] سرخ ہو گیا ہے

[illegible] جو چینی اور عشبہ کا مرکب سب سے عمدہ اور بہتر اور سب سے مصفی خون ہے جو [illegible]

[illegible] کیونکہ وہ ملائی [illegible] کی تاب [illegible] شراب [illegible] میں بنائے جاتے ہیں [illegible] زیادہ [illegible] ہے) اس مرکب نے [illegible] اصل [illegible] تمام جسم کی بیماریاں دور ہو جاتی ہیں

[illegible] کے لئے اس مرکب کے استعمال سے پہلے اپنے بدن کو وزن کر لو وزن ڈیوڑھا ہو جاویگا

[illegible] ہر ایک [illegible] میں تجربہ کیا گیا ہے۔ آپ بھی تجربہ کر کے فائدہ اٹھائیں

[illegible]یمت

شیشی کلاں جو ایک ماہ کے لئے کافی ہے تین روپے (عہ)۔ شیشی خورد ڈیڑھ روپیہ (عہ) +

[illegible]

اس شفا خانہ میں ہر مرض کی مجربات [illegible] (۱) [illegible] (۲) [illegible] (۳) [illegible] سوزاک [illegible] (۴) [illegible] (۵) [illegible] (۶) [illegible] (۷) [illegible] (۸) [illegible] (۹) [illegible] وغیرہ۔ اگر آپ کسی مرض سے تنگ ہیں تو [illegible] فارم [illegible] کا ٹکٹ بھیجکر منگائیں جس سے معلوم ہو جائیگا کہ مرض قابل علاج ہے یا نہیں [illegible]

ڈاکٹر محمد اقبال صاحب ایم۔ اے، پی ایچ ڈی بیرسٹر ایٹ لا کا ریویو

ہندوستان کی اسلامی تاریخ مصنفہ مولوی کرم الٰہی صوفی پر

مخدوم و مکرم جناب مولوی کرم الٰہی صاحب السلام علیکم۔ میں نے آپکی کتاب اسلامی تاریخ عہد افغانیہ شروع سے لیکر آخر تک پڑھی۔ یہ کتاب نہایت برمحل لکھی گئی ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کے مسلم اسکی بہت قدر کرینگے۔ تاریخی تحقیق کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اکثر مقامات اس کتاب کے قابل داد ہیں اور آپ کی قوت استدلال اور درایتِ تاریخی کو ثابت کرنے کے علاوہ اس بات پر نہایت قوی حجت ہے کہ ہندوستانی مسلموں میں مذاق تاریخ نویسی ابتک زندہ ہے اور ابھی قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنی تاریخ کو غیر اقوام کے حملوں سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ ہندوستانی تاریخ کے واقعات کو مورخانہ نگاہ سے دیکھنے والے لوگ اس کتاب سے بہت فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ مگر ان کے علاوہ عام پڑھنے والے لوگ بالخصوص مسلم جنکی قومی روایات کی یہ کتاب ایک نہایت روشن اور صحیح تصویر ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے اخلاق فاضلہ کے وہ گراں قدر اصول سیکھ سکتے ہیں۔ جو انکی قوم کے مابہ الامتیاز رہے ہیں اور جن پر عمل کرنے سے حجاز کے صحرا نشین تئیس ہی سال کے اندر شتربانی سے جہانبانی تک پہنچکر اقوام قدیمہ کی تہذیب کے وارث اور تہذیب جدید کے بانی بنگئے۔ تاریخ کا مقصد اگر اخلاقی ہے اور میرے خیال میں تاریخ کا یہی مقصد ہونا چاہیئے) تو آپکی تصنیف اس مقصد کو بدرجہ اتم پورا کرتی ہے اور میں بحیثیت ایک مسلم ہونے کے آپکا شکر گذار ہوں کہ آپ نے یہ کتاب عین ضرورت کے موقع پر لکھکر اپنی قوم پر احسان کیا۔ قومیت کا احساس جسکو بالفاظ دیگر قومی خودداری کہنا چاہیئے۔ قومی زندگی کے لئے ضروری ہے اور جن وسائل سے یہ احساس پیدا ہوتا ہے وہ بھی قومی حیات کے لئے ضروریات میں سے ہیں۔ پس اس اعتبار سے آپکی کتاب کا مطالعہ ہر مسلم پر واجب ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہندوستان میں ہر مسلم خاندان اس کتاب کے پڑھنے سے مستفیض ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی محنت اور جانکاہی کا اجر دے اور اس کا انعام آپکو اس مقدس رسول کی بارگاہ سے ملے جسکے کام سے بنی نوع انسان کی نجات اور جس کے نام سے ہماری قومیت وابستہ ہے۔ والسلام

آپکا خادم **محمد اقبال** بیرسٹر ایٹ لا لاہور

نوٹ:۔ یہ کتاب مولوی کرم الٰہی صاحب صوفی۔ ڈنگہ ضلع گجرات سے ۸؍ کو مل سکتی ہے۔

شایقین علم و ادب اس نادر موقعہ سے فایدہ اُٹھالیں

[illegible]

خاص رعایت

[illegible]

مخزن کے گذشتہ پرچوں میں

صرف جنوری سنہ ۱۹۱۲ء تک

اکثر احباب مخزن کی گذشتہ جلدوں کی نسبت دریافت فرماتے ہیں۔ اسٹاک میں شروع اجرا سے سنہ ۱۹۰۹ء تک کے مختلف پرچے بہت تھوڑی تعداد میں موجود ہیں۔ انکی کوئی جلد مکمل نہیں ہوسکتی۔

سنہ ۱۹۱۰ء میں دو پرچے جنوری و فروری کے بالکل نہیں۔ باقی پرچے موجود ہیں۔ یہ قسم اول اور دوم دونوں کی جلدیں ہیں۔ قسم دوم کی بعض جلدیں مکمل بھی ہیں +

سنہ ۱۹۱۱ء کے پرچے تمام و کمال موجود ہیں۔ ہر دو قسم کے جو احباب ہم سے گذشتہ متفرق پرچے منگانا چاہیں۔ انکے ساتھ ہم یہ رعایت کرینگے کہ فیصدی ۵؎ کمیشن دینگے یعنی ایک روپیہ کے ۸ آنے لئے جائینگے۔ یہ رعایت ۱۵۔ دسمبر سنہ ۱۹۱۱ء سے آخر جنوری سنہ ۱۹۱۲ء تک دربار تاجپوشی ملک معظم دام ملکہٗ کی خوشی میں دیجاتی ہے

نوٹ:۔ مخزن سنہ ۱۹۱۰ء کے پرچہ ہائے جنوری و فروری قسم اول اگر کوئی خریدار صاحب فروخت کرنا چاہیں تو براہ کرم منیجر مخزن سے خط و کتابت کریں۔ سنہ ۱۹۰۹ء اور اس سے قبل کے سنین کے پرچوں کی بھی خریداری کی جاسکتی ہے۔ متفرق ہوں۔ یا مکمل جلدیں نیز مناسب کمیشن پر مخزن کی گذشتہ مکمل جلدوں کے بکوا دینے کا اہتمام ہوسکتا ہے +

المشتہر:۔ منیجر مخزن لاہور۔

بچے کی تندرستی:۔ اپنے موضوع پر بہت مفید اور عمدہ باتصویر کتاب قیمت ۱۰؍
منیجر مخزن لاہور۔

مقامِ خلافت یعنی استنبول کا سفرنامہ

(از شیخ عبدالقادر صاحب بی اے بیرسٹر ایٹ لا)

جس کے بعض حصے دس دس صفحے چھپکر ہاتھوں ہاتھ بک رہا ہے۔ ملک کے ہر گوشے سے قبولیتِ عام کی سند اسے اتنے عرصہ میں حاصل ہو گئی۔ کیونکہ ہر ملک اچھی چیزوں کی قدردانی کیلئے ہر وقت تیار ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اس سے بہتر آجتک کوئی کتاب اردو زبان میں نہیں لکھی گئی۔ شیخ عبدالقادر صاحب نے جو خطوط استانبول سے لکھے تھے جن کا ترجمہ مختلف اخبارات میں شائع ہوا وہ محض اس ضخیم کتاب کا ضمیمہ ہیں۔ اصل کتاب نئی نئی معلومات سے پُر ہے اور سلطان المعظم کے عالیشان دارالخلافہ کی سچی تصویر ہے اور پھر شیخ صاحب نے اول تو اپنے مشہور طرز بیان کے جوہر اس کتاب میں اس خوبی سے دکھلائے ہیں کہ جس چیز کا حال لکھا ہے اسکا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ پھر اس پر طرہ یہ کہ قریب قریب ہر باب کے ساتھ ایک ہاف ٹون عکسی تصویر ہے۔ گویا چھبیس تصویروں کا ایک مرقع کتاب کے ساتھ مفت ہاتھ آتا ہے۔ پھر جس اہتمام سے کتاب چھپی ہے دیکھنے کے قابل ہے۔ کاغذ اعلیٰ قسم کا چکنا ولایتی۔ تصویریں نفیس آرٹ پیپر پر اس پروسس سے جو اپنی اپنی جگہ لیتھو کی چھپائی کے نادر نمونے ہیں۔ ایک پر سنہری بیل بوٹے کا طغرا شاہی اور دوسرے پر خوشرنگ انگریزی بیل نہایت پسندیدہ۔ ضخامت مع تصاویر تین سو صفحے سے زیادہ ہوتی ہے **قیمت** [illegible] محصولڈاک [illegible]

منیجر مخزن ایجنسی لاہور سے طلب کیجئے

ماہ اکتوبر ۱۹۱۱ء

ایڈیٹر شیخ عبدالقادر بی اے

جلد ۲۲ نمبر ۱

مخزن

اُردو علم ادب کی دلچسپیوں کا ایک ماہواری مجموعہ



دس کروڑ ہندوستانی اُردو بولتے ہیں اور اسی قدر اور ہندوستانی اُردو سمجھتے ہیں

○ ان شہروں میں اُردو عام زبان ہے ◐ ان شہروں میں اُردو مروّج ہے ● ان شہروں میں اُردو سمجھی جاتی ہے۔

لاہور میں ... پریس میں چھپا اور منشی فضل الٰہی پبلشر نے شائع کیا

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک قسم دوم ... فی پرچہ ساڑھے تین آنہ

چھپکر تیار ہے

صُبحِ زندگی

شائقین کو مژدہ ہو کہ یہ کتاب جس کا انہیں ایک عرصہ سے انتظار تھا اور جسکی فرمائشیں دفتر مخزن میں چھپنے سے پیشتر ہی موصول ہو چکی ہیں۔ اب شائع ہو گئی ہے۔ یہ کتاب نہایت خوش قلم دو قسم کے کاغذ پر چھپی ہے قسم اول کے کاغذ کی چونکہ مانگ زیادہ ہے۔ اسلئے قسم اول کی کتابیں جلد منگوانی چاہئیں۔ یہ کتاب دو سو چھتیس ۲۳۶ صفحہ کی ہے۔ اور اس میں ایک لڑکی کے چار برس کی عمر سے لیکر شادی کے وقت تک کے وہ تمام حالات جو تربیت سے متعلق ہیں۔ قصہ کے پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں اور اس طرح کنواری لڑکیوں کو جس جس عمر میں جن جن باتوں کے معلوم ہونے کی ضرورت ہے۔ نہایت خوبی سے بتائی گئی ہیں۔ مذہب کی وقعت خدا کی عظمت۔ گفتار۔ کردار۔ اطوار۔ عادات کے متعلق طرز بیان بہت موثر ہے۔ خانہ داری کی تفصیل میں انتظام صفائی ستھرائی کے علاوہ سینے پرونے۔ چھاپنے۔ کاڑھنے کی بہت سی باتیں تصریح سے لکھی گئی ہیں۔ سینے اور کاڑھنے کی ترکیب کے ساتھ نمونے بھی دیئے گئے ہیں۔ عورتوں کی زندگی پر استانی کا وعظ اس کتاب کا روح رواں ہے! وداع کا سماں۔ پھوپھی کا بھتیجی کو رخصت کرنا اور آخری نصیحتیں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں! زبان کے متعلق بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ کتاب ایک مستند اہل زبان یعنی منازل السائرہ کے مشہور مصنف مولوی محمد عبد الراشد الخیری کی تازہ ترین تصنیف ہے۔ باعتبار واقعات یہ دعویٰ ہے کہ اس سے بہتر اتالیقی کتاب زمانہ لٹریچر میں موجود نہیں۔ قیمت قسم اول ۱۲؍ قسم دوم ۱۰؍ علاوہ محصولڈاک۔

درخواستیں بنام مینیجر مخزن لاہور آنی چاہئیں

مخزن

اُردو اور بھاشا

اُردو زبان کے مٹانے یا کمزور بنانے کی کوشش دراصل ملک کے حق میں سخت نقصان رساں ہے۔ ایک ہردلعزیز اور عام زبان جس نے ہندو مسلمانوں کی متحدہ معاشرت کی گود میں پرورش پائی اور ان دونوں قوموں کے میل ملاپ ہی سے وجود میں آئی۔ اسکی سرپرستی دونوں پر واجب ہے۔ ذیل کے مضمون میں اسی بات کو نمایاں کیا گیا ہے۔ اور اُمید ہے کہ یہ خیال اپنا اچھا اثر دکھائیگا۔

آفاق پہ ہیں طاری آثار شام غم کے
اللہ دل کو قوت دے صبر کی سکوں کی

جب سے مَیں نے انبالہ چھوڑا اخباروں اور رسالوں کو مضمون لکھنا گویا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ آپ نے کسی رسالہ میں یا اخبار میں میرا مضمون بہت کم دیکھا ہوگا اس کے بعد کچھ تو مصروفیت تھی اور کچھ بیماریاں۔ نیز ایک بڑی وجہ یہی تھی کہ جن معاملات پر لکھنا ضروری معلوم ہوتا تھا مَیں سمجھتا تھا کہ ملک کے بڑے آدمی جو صلح کل کے خواہاں ہیں۔ ان معاملات پر قلم فرسائی نہیں کرتے۔ عام لوگ لڑتے بھڑتے ہیں اور عوام کے ساتھ میدان میں آنا مہذب آدمیوں کا کام نہیں ہے

سگے پائے صحرا نشینے گزید | بخشمے کہ زہرش ز دنداں چکید
شب از درد بیچارہ خوابش نبرد | بخیل اندرش دخترے بود خرد
پدر را جفا کرد و تندی نمود | کہ آخر ترا نیز دنداں نہ بود
پس از گریہ مرد پراگندہ روز | بخندید کاے بابک دل فروز
مرا گرچہ زو قوتے بود و بیش | دریغ آمدم کام و دندانِ خویش

چنانچہ اُردو ہندی پر ایک عرصہ سے جھگڑے ہو رہے ہیں۔ یہاں تک کہ عوام میں مقدمہ بازی بھی ہوئی مگر اکثر خواص کو اس بحث پر خاموشی اختیار کرتے دیکھ کر میں بھی خاموش رہا اور بھاشا کے بارے میں آج تک ایک حرف نہیں لکھا۔ میں سمجھتا تھا کہ اُردو کی معاونت صرف مسلمانوں پر فرض نہیں ہے بلکہ ہندو صاحبان میں بھی کثرت سے اس کے معاون موجود ہیں۔ چنانچہ منشی حکم چند صاحب مرحوم مدرس اول گورنمنٹ ہائی سکول دہلی نے ایک وقت اُردو کی تائید میں وہ اعلیٰ درجہ کا مضمون لکھا تھا کہ اگر کوئی دل جلا مسلمان بھی لکھتا تو ویسا ہی لکھتا۔

غرض یہ ہے کہ اگرچہ عوام ہندو بھائی اُردو کے مخالف اور بھاشا کے طرفدار تھے مگر خواص ہنود صاحبان یا تو اُردو کے طرفدار تھے۔ یا خاموش تھے۔ جو لوگ اس میدان میں اُترے نہ تھے وہ کسی اَور طرح سے اُردو کے مربی بن گئے تھے مثلاً شعر کہتے۔ مشاعرے قائم کراتے۔ اُردو مضامین لکھتے اور لکھاتے کرتے۔ دہلی کے بزرگ تو پہلے گروہ میں شامل تھے۔ یعنی کھلم کھلا اُردو کی مدد کرتے تھے۔ چنانچہ وہ اب بھی کرتے ہیں اور حال میں گورنمنٹ ہائی سکول دہلی کی میٹنگ مدرسان و ماسٹران میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ بعض دیگر بزرگ مثلاً

دُرگا پرشاد نادر۔ ماسٹر پیارے لال صاحب رائے بہادر اور ایسے ہی دیگر صاحبان فریق ثانی میں شریک ہیں۔ یعنی کبھی مخالفت اُردو کی نہیں کرتے اور خود اہل زبان اور زبان دان ہیں۔ اسی طرح انبالہ کے بزرگوار وکیل لالہ مرلیدھر صاحب۔ اکثر شعر کہتے تھے۔ اخبار صلح کل اردو میں نکالا تھا۔ ایک دفعہ مشاعرہ بھی قائم کیا تھا اور انہی کے ذیل میں ان کے دوست پنڈت مادھورام صاحب وکیل انبالہ کو بھی میں سمجھتا تھا۔ مگر کچھ عرصہ ہوا میں نے پنڈت مادھورام صاحب کا ایک مضمون دیکھا جو انہوں نے زمانہ میں چھپوایا تھا۔ مضمون لمبا چوڑا ہے مگر اس کا خلاصہ یہ ہے کہ پنڈت صاحب نے اپنے ہندو بھائیوں کو ترغیب دی ہے کہ اُردو کو جو مسلمانوں کی زبان ہے ترک کریں اور اس کی جگہ ناگری کو رائج کریں۔ خاصکر لالہ سری رام صاحب دہلوی پر اُنہوں نے بہت کچھ لے دے کی ہے اور خطا اُن بیچاروں کی یہ ہے کہ انہوں نے اُردو شاعروں کا تذکرہ حال میں ایک بڑی جلد میں لکھکر شائع کیا ہے اور اس تذکرے کی اور جلدیں زیر طبع ہیں۔ پنڈت صاحب نے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے زور سے اپنے فوائد کے حاصل کرنے اور اپنی قوم کے فائدہ پہنچانے پر کمر باندھ رکھی ہے اور وہ اول خویش بعدہٗ درویش پر عمل کر رہے ہیں مگر ہندو ہیں کہ اول درویش بعدہٗ خویش پر عمل پیرا ہیں۔ چنانچہ لالہ سری رام صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر عمل کیا ہے کہ اپنے کالیداس اور تلسی داس کو تو چھوڑ دیا مگر داغ اور امیر مینائی وغیرہ کے حالات لکھکر شائع کئے۔ یہی اول درویش بعدہٗ خویش ہے۔ یہ ہے مختصر طور پر پنڈت مادھورام صاحب کے مضمون کا اختصار۔

تعجب ہے۔ وہ پنڈت مادھورام جو اُردو سے نہایت شوق رکھتے تھے۔

جنھوں نے باوجود بھاشا کی واقفیت کے وِدّیا ساگر وغیرہ بزرگوں کی سوانح عُمریاں خود اردو میں تصنیف یا ترجمہ کر کے اپنے خرچ سے شائع کیں اب وہ یُوں فرماتے ہیں۔ یہ وقت وقت کا راگ ہی۔ وقت نے پنڈت جی کے خیالات کو بھی بدل دیا ؂

ہمیشہ نہیں ناؤ اِک رُخ کو چلتی   چلو تم اُدھر کو ہَوا ہو جدھر کی

حالات اور واقعات بدلتے رہتے ہیں۔ غرض جب مَیں نے اپنے دوست پنڈت مادھو رام صاحب جیسے مہذّب اور متین شخص کو اس میدان میں اُترتے دیکھ لیا تو مَیں نے سمجھا کہ اب اس اکھاڑے میں اُترنا خلافِ تہذیب نہیں۔ بلکہ خاموش رہنا اغراضِ ملکی کے خلاف ہی ع

بیا تا دریں شیوہ چالش کنم

چنانچہ اردو اور بھاشا کے بارہ میں مَیں بھی اپنے خیالاتِ منتشر کو ایک جگہ کرتا ہوں اور اپنے دوست پنڈت جی سے انصاف اور توجّہ کا امیدوار ہوں ؂

نوبہار است جنوں چاک گریباں مددے   آتش اُفتاد بجان جنبش داماں مددے

۱ اوّل دیکھنا ہے کہ ہندوستان میں کتنی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ جواب پہلی سرکاری گنتی میں دو سو سولہ گنی گئی تھیں۔ مگر اب ۱۴۷ کا شمار ہے۔ ۲ اب یہ پوچھنا چاہیے کہ ان میں سب سے زیادہ کونسی مروّج ہے۔ یعنی ہندوستان کی سب سے بڑی تعداد باشندگان کسے بولتی ہے؟ جواب اس کا یہ ہی کہ اُردو کو۔ ۳ تیسرا سوال یہ ہی کہ ان سب میں آسان کونسی ہے۔ جواب اُردو۔ وجہ یہ کہ ہندوستان کے کسی حصّہ میں چلے جاتیے اس کا سمجھنے والا ہر بازار ہر دیار میں ملجاتا ہے۔ ۴ چوتھا سوال یہ ہی کہ ہندوستان کی دو

بڑی قوموں یعنی ہندوؤں اور مُسلمانوں کی مشترک زبان کونسی ہے؟ اِس کا جواب بھی یہی ہے اور اس کے سوا اَور کوئی جواب نہیں کہ اُردو۔ اُردو میں جہاں ہزاروں شاعر مُسلمان ہیں اور ہو گذرے ہیں وہاں ہزاروں ہی ہندو بھی ہیں اور گذر چکے ہیں ؎

مری ساقی ہے یہ ہیں بھی جام میں بھی میری منزلت ہے — مُنوں سحر بو کی ہے توقع خدا سے اُمیدِ مغفرت ہے

پانچواں سوال یہ ہے کہ ہندوستان کی وُہ کونسی زبان ہے جس میں ہندوؤں اور مُسلمانوں کی مذہبی کتابیں ترجمہ ہُوئی ہوں۔ لکھی گئی ہوں۔ تصنیف کی گئی ہوں۔ اس کا جواب بھی یہی ہے کہ اُردو۔ جہاں اوّل مُسلمانوں میں سے شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کا ترجمہ اُردو میں کیا اس کے ساتھ ہی یعنی ابتدائی زمانہ میں ہی ایک ہندو بزرگوار نے رامائن کی بھی مذہبی اور متبرک کتاب کا اُردو میں یُوسف زلیخا کے بحر میں نظم میں ترجمہ کیا۔ اس بزرگ شاعر کا تخلص منشی تھا۔ اس نظم کی خوبی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ نمونہ یہ ہے ؎

شہنشاہِ اودھ دسرت تھا اِک روز — سریرِ زرفشاں پر رونق افروز
پئے آرائشِ تاجِ زرافشاں — کیا آئینہ پیشِ رُوئے تاباں
نگاہ وشہ پڑی کاکل پہ اِکبار — سفید آئے نظر بال اُس میں دو چار
خزاں دیکھی بہارِ زندگی میں — اماں دیکھی خدا کی بندگی میں
کہا دِل میں کہ آیا دَورِ پیری — نہیں زیبا ہے اب تاجِ امیری
مناسب ہے کہ اپنے روبرو اب — یہ تاج و تخت بخشوں رام کو سب
کریں رام اب اودھ میں بادشاہی — کروں صحرا میں مَیں یادِ الٰہی
سومنت خانساماں کو بُلایا — اُسے مرکوزِ خاطر سب سُنایا

فرمایئے! اس سے بڑھ کر اور اُردو کیا ہوگی۔ دیکھو تو اس میں کتنے فارسی لفظ آئے اور کتنی ترکیبیں ہیں۔

جب رام چندر اور سیتاجی شہر سے چلے

شہنشہ نے زبس غم سے ملے ہاتھ ہوئی سیتا نکل کر رام کے ساتھ
سو وہ نکلے اس طرح دونوں وطن سے کہ رخصت ہوں گل و بلبل چمن سے

جب سری رام چندر و سری رام لچھمن اور مہارانی سیتاجی تینوں نکل کر چلے

پڑا شہر اودھ میں شور و شیون چلے ہمراہ گریاں مرد اور زن
رواق و طاق و منظر کا اُڑا رنگ ہوا غم سے مشبک سینۂ سنگ
زبس تھے غم سے گریاں سقف و دیوار نظر آتے تھے روزن چشمِ خونبار
مکانِ شاہ کے ہر طاق و منظر بنے گریہ تھے بشکلِ دیدۂ تر
کیا غم سے سحر نے پیرہن چاک اُڑائی سر پہ اپنے شام نے خاک

کیا ایسی ایسی نظمیں غائب ہو جائینگی؟ کیا ہندو صاحبان انہیں بالکل نسیاً منسیاً کر دینگے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اُردو کبھی نہیں مریگی۔ بخارا میں تو اُردو کے مدرسے جاری ہو گئے اور ہندوستان سے مٹ جائیگی ع

ایں خیال است و محال و جنوں!

ہاں لوگ آپس میں دشمنیاں قائم کر لیں۔ کیونکہ تعصب کے بھوت سر پر چڑھ رہے ہیں۔ حیرانی کی بات ہو کہ آج سے پندرہ بیس برس پہلے ایک مہاراج صاحب نے اپنا سفرنامہ اُردو میں تیار کرایا۔ اب کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی عدالتوں اور دفتروں میں ہندی بھاشا جاری کر دی ہے۔ باز آمدم بر سرِ مطلب۔
اُسی زمانہ میں رگ وید کا ترجمہ ہوا۔ یہ یاد رکھنے کی بات ہو کہ انسان مذہبی مضامین

اُسی زبان میں بیان کرتا ہے جو اُسے عزیز تر ہوتی ہے اور جس میں وہ اپنی آئندہ نسلوں کو مبتلا کرنا چاہتا ہے - زمانۂ حال میں جہاں صدہا فقہ کی کتابیں اُردو میں مسلمانوں نے شائع کردیں - وہاں منشی دوارکا پرشاد اُفق نے بالمیکی رامائن مہابھارت - سریمد بھاگوت اور بھگوت گیتا کو اُردو لباس پہنا دیا ؎

اللہ رے کامیابی اس چشم پُرفسوں کی   عقلیں ہزار اُبھریں تابع رہیں جنوں کی

چھٹا سوال یہ ہی کہ کُل ہندوستان میں ہر دلعزیز کونسی زبان ہی؟ جواب یہ ہی کہ اُردو - جتنے تھیٹر اور ڈراما ہوتے ہیں سب اُردو میں اکثر تھیٹریکل کمپنیوں کے مالک ہندو ہیں - مگر ایکٹر لوگ اپنا اپنا پارٹ اُردو میں ادا کرتے ہیں اور اُردو بھی شاعرانہ ہوتی ہے اور مقفیٰ - بات چیت بھی وہ مقفیٰ عبارت میں کرتے ہیں کیا حیرانی ہے کہ بمبئی میں تماشا ہو تو تھیٹر والے اُردو میں بیان کریں - مدراس میں ہو تو اُردو میں - کلکتہ اور لاہور میں جائیں تو اردو میں تماشائیوں میں مارواڑی بھی ہوتے ہیں - بنگالی بھی - پنجابی بھی - اور دکنی اور ہندوستانی بھی - اگر یہ سب لوگ اُردو نہیں سمجھتے تو تین روپے سے لیکر چار آنہ تک کیوں ادا کرکے تھیٹر میں جاتے ہیں ؎

اللہ اللہ یہ نورِ فلک و رنگِ زمیں   سچ تو یہ ہے کہ اسے جلوہ گری کہتے ہیں

ایک اور مزا ہے - ہندو صاحبان کے راس دھاری بھی راس اُردو ہی میں کرتے ہیں - وجہ یہ ہے کہ یہ اُردو کیا ہے - اصل میں مخلوط بھاشا ہے میری رائے میں اس کو اُردو کہنا ہی غلط ہے - یہ تو ترقی یافتہ بھاشا ہے -

ساتواں سوال یہ ہی کہ علمی ترجمے اور ذخائر ہندوستان کی کونسی زبان میں زیادہ آئے - اس کا جواب بھی یہی ہی کہ اُردو میں - عیسائیوں نے اپنی بائبل

انجیلیں تو اردو میں اتنی شائع کی ہیں کہ شاید اُن کی کوئی تعداد بھی نہیں بتا سکتا۔ اور آٹھ آنے والی کتاب انہوں نے ایک ایک آنہ میں فروخت کی اور بد توں مُفت تقسیم کیں۔ اوّل سر سیّد نے الفسٹن صاحب کی تاریخ اردو میں شائع کی پھر تاریخ فرشتہ کا ترجمہ تحفۃ الملوک کے نام سے چھپا۔ ٹاڈ راجستان جیسی ضخیم کتاب اردو میں شائع ہوئی اور ہندو بھائی اِسے بڑی قیمت سے خرید کر بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ جادو وُہ جو سر پہ چڑھ کے بولے۔ اور جہانتک مجھے معلوم ہے بھاشا میں ابھی یہ کتاب نہیں گئی۔ اِسی طرح تاریخ کی صدہا کتابیں صرف و نحو۔ شرح محمدیؐ۔ دھرم شاستر اور جغرافیہ۔ کیمیا۔ علم طبعی۔ طبابت (ویدک) علم حساب۔ مساحت۔ اقلیدس۔ الجبرا۔ عروض۔ شاعری۔ قصّے۔ کہانیاں۔ تذکرے۔ جنتریاں۔ غرض ہر فن کی کتابوں سے اردو مالا مال ہو گئی ہے خاصکر منشی ذکاء اللہ صاحب۔ مولوی نذیر احمد صاحب۔ پنڈت رتن ناتھ صاحب وغیرہ وغیرہ مصنّفوں نے اردو کا خزانہ بھر دیا ہے۔ اور اخبار تو اردو میں اتنے جاری ہیں کہ کسی زبان میں بھی اتنے نہیں۔ ہندوؤں کا اودھ اخبار اردو ہندوستان اردو۔ کوہ نور اردو (تھا) اخبار عام اُردو وغیرہ وغیرہ۔ میرے خیالات کے مطابق پنڈت مادھو رام صاحب وکیل اُردو کے بڑے معاون تھے جب مَیں نے سنہ ۱۸۹۳ء میں کتاب انوار الاخلاق لکھکر چھپوائی تو پنڈت جی نے اس پر حسب ذیل رائے دی تھی۔ (یہ خلاصہ درج کیا جاتا ہے):۔

یہ کتاب نہایت عمدہ اردو زبان میں نہایت مفید مضامین پر نہایت عمدگی سے لکھی گئی ہے۔ اس قسم کی کتابوں کی نہایت ضرورت ہے۔ اگر مدارس میں یہ کتاب پڑھائی جائے تو بہت اچھا ہو۔ (دستخط مادھو رام)

اللہ اکبر! ایک زمانہ وُہ تھا کہ پنڈت جی - اردو کی کتابوں کے لئے سفارش کرتے تھے کہ مدارس میں پڑھائی جائیں - یا آج سرے سے اُردو ہی کو رخصت کرنا چاہتے ہیں بلہ اِس وقت شاعری اور علم ادب کے اُردو رسالے کثرت سے جاری ہیں - کمال دہلی ہندو دوستوں کے اہتمام سے نکلتا ہے جس کے ایڈیٹر و پبلشر پیارے لال صاحب رونق و چندی پرشاد صاحب شیدا دہلوی ہیں - رسالہ زمانہ جس میں میرے دوست کا یہ مضمون چھپا ہے خود ہندو دوستوں کے ہاتھ میں ہے - اسی طرح سے اور بیسیوں رسالے اُردو میں جاری ہیں کوئی مذہبی - کوئی اخلاقی - کوئی اصلاحاتِ رسُوم - کوئی انجمنوں اور جلسوں کی کیفیت کا کسی میں نظم و نثر دونوں اور کسی میں ایک ہی ؎

فطرت نے باغ ہستی پیش نظر کیا ہے دیکھو بہار اکبر اس رُوئے لالہ گوں کی

ایک رسالہ دہلی سے مولوی ناصر علی خانصاحب خان بہادر کے اہتمام سے نکلتا ہے جس کا نام صلائے عام ہے جس نے ثابت کر دیا کہ ہندوستان میں اگر کوئی زبان ایسی ہو کہ جس میں ہر قسم کے خیالات اور ہر علم اور ہر طرح کے مضامین آ سکتے ہیں اور اعلیٰ درجہ اور اعلیٰ پیمانہ پر آ سکتے ہیں وُہ اردو ہی ہے - ویسا ہی رسالہ مخزن نے ثابت کر دیا ہے - سررشتہ تعلیم ہائے سرکاری نے تو اردو میں جان ڈالدی اور گورنمنٹ کی مربیانہ توجہ نے تو اس کا پایہ آسمان پر پہنچا دیا ؎

جس جگہ ہو حُسن فورًا قدرداں پیدا ہوا چاہ میں یُوسف گرا تو کارواں پیدا ہوا

سرکاری انگریز افسروں کے اُردو میں چار درجہ کے امتحان ہوتے ہیں - لوئر سٹینڈرڈ - ہائر سٹینڈرڈ - پروفیشنسی اور ہائی پروفیشنسی - بڑے بڑے قومی اخبار ہندو اور آریہ صاحبان کے اردو میں ہیں جیسے ہندوستانی - اخبار اچن - اخبار ہندوستان - آنیخزانہ والی زبان کو جسے ہندو

مسلمانوں نے یوں خونِ جگر کھلا کر پالا ہے۔ مسلمانوں کی خواہش کس طرح دانشمندی میں داخل ہے؟ ساتواں سوال یہ ہے کہ کیا اردو زبان بدیں حیثیت و حالت جیسی کہ وہ اب رائج ہے۔ یعنی ہندی۔ فارسی۔ عربی اور ترکی الفاظ سے مرکب (گو اس میں اب بڑا حصہ انگریزی الفاظ کا بھی داخل ہو گیا ہے اور فارسی خط میں لکھی جاتی ہے) صرف مسلمانوں کی پیدا کی ہوئی ہے۔ یا ہندو اور مسلمانوں دونوں کی؟

اس کا جواب یہی ہے کہ ہندو اور مسلمانوں دونوں کی سے

زمن بر آں گلِ عارض غزل سرائم و بس   کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار انند

ثبوت یہ کہ اگر اتفاقی طور پر حضرت امیر خسرو نے ایسے شعر کہے اور ایسی تصانیف کیں جن میں ہندی اور فارسی الفاظ آئے یا امیر صاحب خود لائے اس واسطے زبان کے مورخ اردو کی ابتدا کا سہرا حضرت امیر خسرو دہلوی کے سر پر باندھتے ہیں۔ بعضے صاحب سعدی دکنی کو بھی اس میں شریک کرتے ہیں مگر درگا پرشاد نادر کی یہ رائے بہت صحیح ہے کہ امیر خسرو اور سعدی کے ساتھ اس فخر میں شہزادہ داراشکوہ خلف شہاب الدین شاہجہان کے استاد منشی ولی رام صاحب بھی شریک ہیں۔ بلکہ میرے نزدیک ولی رام جی کا پایہ اس فخر میں ہرگز کم نہیں۔ کیونکہ اردو اسی زمانہ کی پیدا شدہ زبان ہے جس میں ولی رام جی دلی میں براجتے تھے۔ اب میں منشی ولی رام صاحب بیکنٹھ باش کی ایک غزل لکھتا ہوں جس سے ثابت ہو گا کہ کس طرح ان ہندو بندگوں نے اردو زبان پیدا کی تھی۔ و ہو ہذا۔

غزل منشی ولی صاحب[1]

چہ دل وا ای ریں دنیا کہ دنیا سے چلا نا ہے   چہ بندی دل دریں عالم کہ سر پر چھوڑ جانا ہے

[1] چونکہ اس زمانہ کا منشا فصیحت تھا۔ اسواسطے بعض فارسی ترکیبوں کی صحت کا خیال نہیں کیا گیا اور اردو کی چونکہ ابتدا ہی اس لئے آجکل بعض الفاظ غلط معلوم ہوتے ہیں۔

چو ہنگامِ اجل آید بکارت گہ نہ لکھ آید ۔۔۔ بکھائی کاہ کی تیری وُہی تیرا بچھانا ہے
قبا و چیرۂ رنگیں ہمہ از تن تو بکشائند ۔۔۔ دہیں گے کفن کی چادر جو تیرا خاص بانا ہے
ہزاراں کھانا گرداری بپرا زحلوا و بریانگیں ۔۔۔ دیویں دُہشت اردا و اجو تیرا خاص کھانا ہے
بہ مادر بپدر فرزنداں برادر با کہ می نازی ۔۔۔ وُہی تجھ کو جلائینگے جہاں پر پیٹ ٹھانا ہے
تو مہماں آمدی ایجا شدی خود خانۂ خاوند ۔۔۔ تو اپنے آپ سے بھولا کسی کو نا پچھانا ہے
شرابِ سُرخ مینوشی اجل کردی فراموشی ۔۔۔ مرن کو دور مت سمجھو عجب یک بہانا ہے
طلب دیداری دارم کہ روز اول تسفعتہا ۔۔۔ بسار وست دلی را کہ آخر رام رانا ہے

آٹھواں سوال یہ ہو کہ عوام کو سہولیت کس زبان سے ہے۔ اردو سے یا بھاشا سے؟ جواب اُردو سے۔ دلیل کیا؟ دلیل یہ ہے کہ اس وقت باوجود تعصب کے اس رَوکے اُردو کی کثرت رُوکے نہیں رُکتی۔ چنانچہ ڈاک خانہ جات میں جتنی چِٹھیاں اُردو زبان میں ڈالی جاتی ہیں اُورکسی زبان میں نہیں پڑتیں۔ حالانکہ دس سال ہُوئے ہونگے لالہ ہنسراج صاحب نے لاہور- انارکلی میں اپنے آریہ اور ہندو بھائیوں کو یہ ویاکھیان دیا تھا کہ تم ناگری میں چِٹھیاں ڈالا کرو۔ چنانچہ صدہا معتقدین ناگری میں چِٹھیاں ڈالنے لگے۔ مگر اُردو کی تعداد کو نہیں پہنچیں۔ ممالک متحدہ آگرہ واودھ میں گورنمنٹ نے یہ حکم دیدیا کہ سائل چاہے ناگری میں عرضی دے خواہ اُردو میں۔ اور دوستوں نے زور بھی لگایا مگر عرضیاں اُردو ہی میں زیادہ پڑیں اور پڑیں گی ؂

باصاف دل مجادلہ با خویشتن دشمنی ست ۔۔۔ ہر کس کشد ہر آئنہ خنجر بخود کشد

(باقی آئندہ)

نور احمد نُور

خاقانی اور عُرفی کے کلام کی تنقید

(۲)

قافیہ مضمون کا تخم ہوتا ہے جس کے دیکھنے ہی سے فوراً مخالف یا موافق مضمون سُوجھ جاتا ہے اور یہ چنداں مشکل نہیں - جوابی قصاید یا جوابی غزلیں لکھنے والے ایسا کرتے ہیں اور بڑے بڑے نامی شعرا نے اِس طرز کو نگار آستین بنایا ہے - اور اکثر سطحی ذہن والے کہہ اُٹھتے ہیں کہ فلاں شاعر نے جو فلاں شاعر کو جواب دیا ہے تو اصل شعر سے یہ جواب بڑھ گیا ہے - حالانکہ شاعر نے اپنی طبیعت سے کچھ نہیں لکھا - بات یہ ہے کہ ایجاد مشکل ہے - فردوسی طوسی نے حمد میں یہ شعر لکھا ہے ؎

پناہِ بلندی و پستی تُوئی ندانم چہ ہر چہ ہستی تُوئی

نہایت بے ساختہ اور رواں دواں شعر ہے گویا ریگستانِ عرب میں بے تکلف باگ اُٹھائے جا رہا ہے اور دُوسرا مصرعہ تو بہت ہی سادہ اور معنی خیز دلکش ہے - مولانا نظامی گنجوی نے سکندر نامے کے شروع میں یہ جواب دیا ہے ؎

پناہ و بلندی و پستی تُوئی ہمہ نیستند آنچہ ہستی تُوئی

پہلا مصرعہ تو گویا فردوسی ہی کا ہے - ہاں دُوسرے مصرعے میں تکلف سے منطق کا مسئلہ بگھارا ہے - جسے ہمارے معمولی مُلّا اور استاذہ نہیں سمجھ سکتے - نیستند کی تاویل کیجاتی ہے کہ نیست ہونے والے ہیں لیکن

اس صورت میں ملا نظامی (ہمہ فانیند) فرما سکتے تھے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ سب ممکن الوجود ہیں اور واجب الوجود صرف تو ہے۔ اصل یہ ہے کہ ممکن کا مفہوم عدمی ہے۔ جسے نیست سے تعبیر کیا ہے۔ ممکن اصطلاح متکلمین منطقیین میں وہ ہے کہ جس کا نہ عدم ضروری ہو نہ وجود ضروری ہو۔ کیونکہ اگر وجود ضروری ہوگا تو واجب الوجود بنجائیگا۔ اور عدم ضروری ہوگا تو ممتنع الوجود بنجائیگا۔ حالانکہ دونوں محالات سے ہیں۔ گویا امکان کے معنی عدم ضرورۃ العدم والوجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ مفہوم عدمی ہے یعنی لفظ عدم کے تحت میں داخل ہے۔ پس نیستند سے مراد ممکن اور (آنچہ ہستی) سے مراد واجب الوجود ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ ہمہ ممکن اند وچیزے را کہ ہستی حقیقی (واجب الوجود) نامند آں توئی۔ مگر فردوسی کی شاعری ایسے دقیق اور پیچ در پیچ مسائل سے بری ہے۔ اس کا حسن تو سادگی اور آمد اور اکثر نیچرل ہے۔ پس جو لوگ مولانا نظامی کے کلام کو فردوسی کے کلام پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہ اُن کی سُبکی ذہن اور کوتاہ نظری کا اقتضا ہے۔ ہاں مولینا نظامی موٹے موٹے الفاظ زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ قوام میں سچے اور نظم میں پھیکے ہوتے ہیں۔ مثلاً ؎

رقیبا مناخیر در پیش کن — تو شو نیز اندیشۂ خویش کن

رقیب سے مراد عارف اور صوفی اور مناخیر (ناک کے نتھنے) پیش کرنے سے مراد پاس انفاس ہے۔ غریب فردوسی کو ایسے مضامین کی ہوا بھی نہیں لگی۔ ماحصل یہ ہے کہ ٹھیٹھ ورنیکلر لٹریچر اور شاعری تو فردوسی کے کلام میں ہے اور علمی فضیلت اور دقتِ الفاظ و معانی نظامی اور خاقانی

کے نظم کا جوہر ہے۔ بلکہ خاقانی اس مسلک میں سب سے بڑھا ہوا ہے۔ عرفی کا کلام اکثر صاف و شگفتہ ہے۔ مگر کہیں کہیں وُہ بھی قصائد میں علوم و فنون کے مسئلے ڈھال دیتا ہے مثلاً اپنی تعلی میں لکھتا ہے ؎

گر بیازیچہ شوم ملزم ارباب کلام　　　خندۂ جوہر فرد است دلیل تقسیم

متکلمین اور فلاسفہ میں بڑی طول طویل بحث ہو اور اس پر مبسوط کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مُلا نصیر الدین طوسی کی مشہور و مبسوط کتاب اشارات میں اجسام پر بڑی دقیق بحث ہو۔ یہ دیسی عربی مدارس میں انتہا کی کتاب ہو۔ مگر مولیٰنا عبدالحق صاحب خیرآبادی اور مولیٰنا مفتی لطف اللہ صاحب علی گڈھی مرحومین کے بعد اب اس کتاب کا کوئی پڑھانے والا ہندوستان میں نظر نہیں آتا۔ ہم کبھی اس پر بحث کرینگے۔ بشرطیکہ پیارے مخزن کے ناظرین کو دلچسپی ہو۔

متکلمین کہتے ہیں کہ اجسام اجزائے لا یتجزیٰ سے مرکب ہیں اور فلاسفہ کہتے ہیں کہ صُورت ہیولیٰ سے۔ چونکہ اس سے صُورت اور مادے کا قدیم ہونا لازم آتا ہے۔ جس کے آریہ بھی قائل ہیں اور قدیم بجز ذات خُدا کے کوئی نہیں لہٰذا علمائے متکلمین اسکو رد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اجسام ایسے چھوٹے چھوٹے اجزا سے مرکب ہیں۔ جبکا تجزیہ نہیں ہو سکتا۔

عُرفی کے شعر میں جوہر فرد کے وجود کا رد ہے۔ گویا وُہ فلسفی بنا ہو۔ اور جوہر فرد جزو لا یتجزیٰ ہو۔ یعنی وُہ شے جس کا تجزیہ اور تقسیم نہ ہو سکے۔ جیسے نقطہ یعنی طرف خط۔ جو ریاضی کی اشکال میں ہوتا ہے اور تجزیہ اور تقسیم قبول نہیں کرسکتا۔ نہ ہم اس کو اشارہ وغیرہ سے بتا سکتے ہیں نہ محسوس

کرا سکتے ہیں ورنہ یہ بسیط (غیر منقسم) نہ رہیگا بلکہ منقسم ہو جائیگا - پس عرفی کہتا ہے کہ اگر میں کھاتی کے طور پر بھی اہلِ کلام کو جوہر فرد کی تردید میں الزام دینے لگوں تو متکلمین کے لب دعوے پر خود جوہر فرد ہنس پڑے اور چونکہ ہنسنے میں لب کھل جاتے ہیں - پس لبوں کا کھلجانا ہی جوہر فرد کی تقسیم کی دلیل ہو جاتے وہو المطلوب -

ایک اور مدحیہ قصیدے کے قطعہ میں منطق کی اصطلاحات باندھتا ہے ؎

اگر بقصر جلالش روند پایہ شمار کہ نیم پایہ بود زاں شمارِ سبع شداد
عجب مداں کہ قدم سودہ باز پس گردند ہم از بدایت سلم نہایتِ اعداد

شرح :- اگر ممدوح کے قصر جلال کی سیڑھیاں گننے کو لوگ چڑھتے ہوئے چلے جائیں جس کی آدھی سیڑھی کے برابر سات آسمانوں کی سیڑھیوں کا شمار ہے تو عجب نہیں کہ سیڑھیاں گننے والوں کے پاؤں گھس جائیں اور انکو واپس ہونا پڑے اور سیڑھیوں کے شروع ہی میں مراتبِ اعداد کا خاتمہ ہو جائے یعنی گننے کے لئے کوئی عدد نہ رہے - حالانکہ اعداد کی کوئی انتہا نہیں جہاں تک چاہو گنتے چلے جاؤ - اس میں ایک نکتہ یہ ہے کہ مولانا محب اللہ بہاری کی کتاب سُلم میں وجود لاتناہی کو برہانِ سُلمی سے باطل کیا ہے - اس ایک شعر میں کتنے مناسبات اور پہلو ہیں جنکو عُلما و فضلا ہی سمجھ سکتے ہیں -

موازنہ اور تنقیدِ خاقانی اور عُرفی کے کلام پر تھا - تفنن نے قلم کا رُخ دُوسری جانب پھیر دیا -

عُرفی نے خاقانی کے بعض قوافی پر طبع آزمائی کی ہے کُل پر نہیں - چونکہ خاقانی کا یہ نعتیہ قصیدہ کورس منشی فاضل میں داخل ہے - اور ہمارا ہر دلعزیز مخزن اسکالروں اور پروفیسروں کی نظر سے گذرتا ہے - لہذا خاقانی

کے سنگلاخ اشعار کا حل عام فائدے سے خالی نہ ہوگا۔ تب لیجئے ؎

رنگ بازیچہ ست کار گنبد نارنج رنگ — چند جوشم کز بروئم نگذرد صفرائے من

حل:۔ آسمان جو نارنج (نارنگی یا ترنج کی طرح گول اور سبز مائل بسیاہی) ہے میرے ساتھ کھیل کرتا ہے۔ میں کب تک کوشش کروں کہ میرے اندر جو طرح طرح کے شکووں کا صفرا بھرا ہے وہ نہ نکلے۔ کیونکہ ترنج صفرا کو تحلیل کر دیتا ہے۔ ممکن تھا کہ پہلا مصرع یوں ہوتا ؎

رنگ نیرنگ است کار گنبد نارنگ رنگ

تاکہ خاقانی کی سنت جو صنعت تجنیس ہے ادا ہوتی مگر بازیچہ کا لفظ اس لئے لایا ہے کہ مشق کے طور پر اکثر لیموں سے کھیلتے ہیں اور ہاتھ صاف کرنے کو لیموں تلوار سے کاٹتے ہیں ؎

ایں خماہن گوں کہ چوں ریم آہنم پالود و سوخت
شد سکاہن پوش از دودِ دل وردائے من

لغت:۔ خماہن گوں لوہے کے رنگ کا سیاہ مٹکا۔ ریم آہن لوہے کا میل یا چیکٹ جسے خبث الحدید کہتے ہیں اور اطبا مُدبّر کرکے اسکا ٹانک (مقوی دوا) تیار کرتے ہیں جو کمزوری۔ سوءِ جگر۔ سوء القنیہ۔ استسقا وغیرہ کو دور کرتا ہے۔ سکاہن سرکہ آہن جسے کاٹھ کہتے ہیں۔ اور رنگریز چھیپی وغیرہ اس سے سیاہ کپڑے رنگتے ہیں۔ وردا بالفتح واژگوں یعنی پٹ۔ اس کی ضد ستان یعنی چت ہے۔

حل:۔ آسمان نے جو مجھے لوہے کے میل کی طرح جلا کر صاف کر دیا ہے تو میرے واژگوں بخت دل کے دھوئیں (فریاد ظلم) سے سیہ پوش ہو گیا ہے

یعنی آپ ہی مجھے مارا اور آپ ہی میرا ماتمی بنا۔ **قطعہ**

روزه کردم نذر چوں مریم کہ ہم مریم صفاست — خاطرِ روح القدس پیوند عیسیٰ زائے من
نیست بر من روزه در بیماریِ دل زاں مرا — روزه باطل میکند اشک دہاں آلائے من
اشکِ چشم در دہاں افتد گہ افطار زانکہ — جز بآبِ گرم پستے نگذرد در نائے من

حل:۔ قرآن مجید میں ہے اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا یعنی (مریمؑ) نے خدا کے لئے روزہ کی نذر کی ہے آج میں کسی سے نہ بولونگی پس خاقانی کہتا ہے کہ میں نے بھی مریمؑ کی طرح روزہ نذر کیا تھا۔ کیونکہ میرا دل بھی مریم کی طرح پاک و صاف ہے اور روح القدس سے اُسے پیوند ہے اور عیسیٰ کا پیدا کرنے والا ہے۔ یعنی روح القدس کے فیض سے اچھوتے اور پاک مضامین پیدا کرتا ہے۔ پھر اعتراف کرتا ہے کہ دل کی بیماری کی وجہ سے مجھ پر روزہ فرض نہیں کیونکہ بیمار کے لئے شرعًا رخصت ہے اور میں روزہ رکھوں بھی تو میرے آنسو نکل کر منہ میں بھرتے رہتے ہیں وہ روزہ باطل کر دیتے ہیں اور آنسو افطار کے وقت منہ میں اس لئے گرتے ہیں تاکہ بجز گرم پانی کے کوئی پست (ستو) میرے حلق سے نہ گزرنے پائے یعنی میرا پانی اور غذا یہی اشکِ گرم ہیں۔ میں جیلخانہ میں قید ہوں نہ پانی ہے نہ غذا ہے رو رہا ہوں۔ **قطعہ**

پائے من گوئی بدردِ کجروی ماخوذ بود — پائے سر را ایں دردِ سر بود از سرِ سودائے من
زانکہ داغِ آہنی آخر دوائے دردِ پاست — ز آتشیں آہِ من آہن داغ شد بر پائے من

حل:۔ اے مخاطب تو کہیگا کہ میرا پاؤں کجروی (گمراہی) کے مرض میں جکڑا ہُوا تھا اور میرے سودا کی وجہ سے پاؤں کی درد سر میں پیوستہ تھا اور چونکہ

اپنے مرض کا آخری علاج داغ دینا ہے۔ کیونکہ آخر الدواء الکی طب کا مسئلہ [illegible] خود میری آہ آتشیں نے لوہا تپا کر داغ [illegible] کا درد جاتا رہیگا۔ یعنی قید ہوگئے سے مجھ پر عبرت پڑیگی اور میرا پاؤں بھی درست ہو جائیگا۔

بعد عرفی کو یہ بلند [illegible] امیز مضامین کہاں نصیب۔ ان اشعار میں سے صرف ایک شعر کے قافیہ پر مضمون لکھا وہ بھی خاقانی ہی کے شعر سے لیا۔ پھر بھی [illegible]

[illegible] مرگ [illegible] عیسیٰ زا [illegible]

خاقانی کے شعر [illegible] سے خالی ہے۔

مخلص [illegible] مشرف احمد حسن شوکت میرٹھ

غزل

[illegible]

نالۂ و شور و فغاں بلبل کے لب پر [illegible] — چپکے چپکے اس نے گل کے اندر رکھدیا
مچھلیوں نے بیخودی میں سر [illegible] — جب کبھی صیاد نے دریا میں خنجر رکھدیا
آپ بیتی خود [illegible] جا کر۔ قلم [illegible] — دل کو میں نے چپکے سے [illegible] کے اندر رکھدیا
آبلوں کے منہ میں بھی پانی بھر آیا [illegible] — لطف کیا ہی خار کی کاوش کے اندر رکھدیا
اضطراب [illegible] افشا ہو چلے [illegible] — بعد مرنے کے مری تربت پہ پتھر رکھدیا
ابر بنکر کوئے جاناں کی طرف وہ چلدیا — گر کسی پتھر پہ میں نے دیدۂ تر رکھدیا
دام میں دانہ چھپا کر کر لیا دل کو اسیر — خال اس نے جب تہ زلف معنبر رکھدیا

محبّت کا ایک پہلو

یہ ایک خیال ہے۔ مگر ایسا خیال کہ خواب و خورش خیال کر دیتا ہے۔ دل میں ایک بیقراری پیدا ہوتی ہے اور انسان سمجھتا ہے کہ لمحہ بھر کے بعد یہ خود بخود دُور ہو جائے گی۔ مگر نہیں - یہ بیقراری جان [illegible] لینے کے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑتی۔ یہی خیال پہلے ایک خیالِ اُلفت ہوتا ہے [illegible] پھر محبت کے درجہ آتا ہے اور آخر یہ شررِ عشق کا شعلہ بھڑکنے لگتا ہے [illegible] وہ بیقراری جس کی ہستی دماغ چند ثانیوں تک محدود سمجھی جاتی ہے۔ ایسی بیقراری ہے کہ ایک آنے کے ساتھ ہی دل و دماغ پریشان ہو جاتا ہے۔ دل میں ایک درد اُٹھتا ہے۔ آنکھوں تلے اندھیرا چھا جاتا ہے۔ سر چکرانے لگتا ہے۔ اور آخر انسان مجنوں وار گر پڑتا ہے مگر یہ بیقراری یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ ؎

لحد میں آتے ہی مجنوں نے پوچھا
بتا منکر [illegible] لیلےٰ کہاں ہے

ہائے محبّت! تو وہ مرض ہے جس کا کوئی علاج [illegible] ہے اور سانپ بھی زہریلا جس کے کاٹے کا [illegible] سمندر کی لہر ہے۔ جو کئی گاؤں والوں کا رختِ ہستی بہا لے جاتی ہے۔ تو وہ آتشکدہ ہے جس کے آگے آتشکدہ مجوس بھی سرد ہے۔ تو وہ دریائے ذخّار ہے جس کی رَو کے سامنے کسی شے کو قیام نہیں۔ تو وہ ڈراؤنی بھیانک شکل ہے جس سے بڑھ کر کوئی ہیبت ناک صورت نہیں۔ تجھ سے بڑھ کر دُنیا میں کوئی جادو نہیں

جس جگہ تونے اپنا بسیرا کیا۔ بس وہاں اور کوئی مکین ٹھہر نہ سکا۔ نام کو تو تونے اُسے آباد کیا۔ مگر درحقیقت اُسے ویرانہ سے بھی گیا گزرا کر دیا۔

بیشک تیری آمد نہایت شیریں ہے۔ لیکن تو وہ میٹھی چھری ہے۔ کہ جس کے گلے پر چلی۔ رگ و ریشہ تک باقی نہ چھوڑا۔ تو وہ خوشگوار بے پایان راستہ ہے۔ جس کی انتہا ہی نہیں۔ جس پر چلتے چلتے اپنے آپ کو بھول کر انسان ایک ایسے چاہ میں گرتا ہے۔ جہاں سے نکلنا محال ہے۔

اے محبت! تو وہ تیر ہے۔ جس کا گھائل آب و دانہ کا محتاج نہیں رہتا۔ تو وہ خنجر اور جانستاں خنجر ہے۔ جس کا کشتہ مرغِ نیم بسمل کی طرح تڑپا رہتا ہے۔

تو دوست تو ہے۔ لیکن ایسا دوست کہ پھر اپنے سوا آدمی کا کوئی اور ہمدم۔ مونس۔ غمخوار۔ غمگسار۔ مددگار۔ بلکہ پرسانِ حال تک نہیں چھوڑتا۔ غم و الم۔ رنج و محن۔ یاس و حرمان تیرے ادنیٰ ادنیٰ خادم ہیں۔ عقل و فکر تجھ سے کوسوں دُور بھاگتے ہیں۔ شہنشاہ سے لیکر ایک غریب مفلس قلاش تک تیرے غلام ہیں۔

اے محبت! اس میں شک نہیں۔ کہ ہر ایک بشر تیرا طالب ہے۔ مگر تیری حد اعتدال مقرر نہیں۔ ایک پل کی پل میں تو زمین و آسمان کے قلابے ملانے کو تیار ہو جاتی ہے تو وہ دُزد ہے کہ ایک آنکھ کی جھپک میں نقدِ دل جیسا مال اُڑا لیتی ہے۔

نہ تیری سرایت کا کچھ پتہ چلتا ہے۔ اور نہ ہی تیری کچھ ابتدا۔ انتہا معلوم ہوتی ہے۔ بیشک تو ہی زمین و آسمان کا سہارا ہے۔ تو ہی متاعِ دل ہے۔ تو ہی باعث قیامِ آفرینش ہے۔ تو ہی قیامِ کائنات ہے۔ اور تو ہی موجودات کا فخر ہے۔ مگر افسوس! کہ دُنیا کا بنا بنایا کھیل ایک دم میں درہم برہم کرنے والی بھی تو ہی ہے۔

او شیشۂ دل پر ذرا سی ٹھیس لگا کر چکنا چور کرنا بھی تیرا ہی کام ہے۔ میں تیری کیا تعریف کر سکتا ہوں۔ جبکہ مجنوں۔ وامق۔ فرہاد و یعقوبؑ کے ایسے اشخاص تیرے مدّاح ہیں ؎

دربدر خاک بسر چاک گریباں کر کے
جان لیتی ہے مگر بے سروسامان کر کے

شیخ محمد عبد المجید احمد بی۔ اے (ہوشیارپور)

قطعہ

روزہا باید کہ تا یک مشتِ پشم از پشتِ میش
زاہدے را خرقہ گردد یا حمارے را رسن

ہفتہ ہا باید کہ تا یک پنبہ دانہ ز آب و گل
شاہدے را حلّہ گردد یا شہیدے را کفن

ماہ ہا باید کہ تا یک نطفہ از پشت و رحم
صفدرے خیزد بمیداں یا عروسِ انجمن

سالہا باید کہ تا یک سنگِ قابل ز آفتاب
لعل گردد در بدخشاں یا عقیق در یمن

قرنہا باید کہ تا یک کودکے از فیضِ طبع
عالمے دانا شود یا شاعرِ شیریں سخن

عمرہا باید کہ تا گردونِ گرداں یک شبے
عاشقے را وصل بخشد یا غریبے را وطن

دورہا باید کہ تا یک مردِ صاحبدل شود
بایزید اندر خراساں یا اویس اندر قرن

یا برو ہمچو زناں نیرنگ بازی پیشہ کن
یا بیا ہمچو سنائی گوئے در میدان فگن

دردِ محبت

"یہ کس کے دردِ محبت نے عمر بھر کے لیے
خدا سے مانگ لیا انتخاب کر کے مجھے"

اے دردِ محبت تُو کیا بلا ہے؟ نہیں نہیں تو بلا نہیں ہے۔ آہ! کوئی میرے دل سے پوچھے کہ تو مجھے کس قدر پیارا ہے۔ ہائے کسی کا دردِ محبت اور پیارا نہ ہو۔ مجھے تیری قسم ہے کہ جس قدر بڑھ سکے بڑھتا جا۔ آہ! بڑھ بڑھے بڑھ۔ مگر کیا تو میرے ہی دل میں چھپا رہیگا؟ ہائے کیا مجھ ہی کو بیتاب کرتا رہیگا؟ مجھ ہی کو تڑپائیگا؟ ہائے! کیا تجھ سے یہ نہ ہوگا کہ کسی دوسرے کے پیارے دل میں بھی ذرا سی چٹک پیدا کرے؟ درد نہ سہی۔ ایک دفعہ ٹیس ہی ہو جایا کرے۔ آہ! اگر تو تمام دن اور رات کے ہر منٹ میں میرے دل میں ایک ہوک ایک ٹیس پیدا کرتا رہتا ہے تو کیا تو دوسری طرف دن میں کیا ہفتہ میں بھی کبھی ایک ہی دفعہ ایک نازک سی ہلکی ہلکی چٹکی بھی نہیں لے سکتا؟ اُف! کیا تو نے ایک ہی کے دل میں رہنے کی قسم کھا لی ہے۔ کہ دوسری طرف رُخ بھی نہیں کرتا۔ ہائے میں نہیں کہتا کہ میرا سا بیقرار اور بیتاب کرنیوالا درد دوسرے نازک اور پیارے دل میں ہو۔ مگر آہ! خفیف سا ہو۔ میٹھا میٹھا ہو۔ کبھی کبھی ہو۔ مگر ہو تو سہی! ہائے! کیا یہ نہ ہوگا کہ اس پاش پاش دل کا عکس ہی دوسرے دل میں پڑے۔ آہ! اگر میرے دل میں ایک تیر سا چھدا ہوا اپنی جانگزا خلش دکھا رہا ہے تو اُدھر گلاب کے کانٹے ہی کی خفیف سی

چبھن ہو۔ اُف! اے دردِ محبت میں نہیں چاہتا اور ہرگز نہیں کہ جیسا گہرا زخم میرے دل میں لگا ہے۔ جیسا چرکا میرے جگر پر لگا ہے ویسا ہی دوسری طرف بھی ہو۔ مگر اے ایک ہی دل کو خون کرنے والے درد۔ اے ایک ہی شخص کو دُنیا جہان سے بیکار کر دینے والے درد۔ اے کسی نامراد کو موت کا تمنائی بنا دینے والے درد، اے راتوں کی نیند کو اڑا دینے والے درد .... میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ اُدھر صرف ایک خفیف سی خراش، ایک چھوٹی سی پھانس کی خلش ہی ہو۔ جس میں کسی وقت میٹھا میٹھا درد ہو جایا کرے۔ تاکہ جس وقت اس دردِ محبت کے بیقرار کا اُس سے سامنا ہو تو کمبخت بے دردی کی بجائے اس میں بھی ایسا ہلکا ہلکا درد ہوا کرے اور اسے بھی کسی کے درد کا احساس ہونے لگے۔ مگر ہائے! یہ تصوّر فضول ہے۔ تو نے تو میرے ہی دل کو دیکھ لیا اور تو متعدی نہیں ہے۔ کہ ایک سے اُڑ کر دوسرے کو بھی جا لگے۔ اے کاش۔ تو ایک سے اُڑ کر دوسرے کو لگ جایا کرتا۔

اُف۔ اے آتشِ شوق کے شعلو! بس معلوم ہو گیا کہ تم میں میرے ہی جلانے کی طاقت ہے۔ آہ! تمہاری جانسوز لپیٹ سے اتنا نہیں ہوتا کہ دوسرے دل کو جو برف کی طرح سفید اور ٹھنڈا ہے ذرا بھی گرمی پہنچا۔ آہ! اگر پگھلے نہیں تو کم از کم پسیجے ہی سہی۔ مگر نہیں یہ بھی نہیں۔ بلکہ اِدھر اُدھر کی جو خنکی ہے وہ بھی تمہاری گرمی کے سبب مجھ تک نہیں پہنچتی۔ آہ تم مجھے ایسے ہی جلاتے اور پھونکتے رہتے مگر اتنا کرتے کہ دوسری طرف ذرا سی گرمی تو پہنچاتے ذرا سینک تو لگتی۔

آہ! ایک طرف تو آگ بھڑک رہی ہے اور دوسری طرف دھیمی دھیمی آنچ بھی نہیں پہنچتی۔

آہ! اے دردِ محبت! معلوم ہوگیا کہ تو دوسری طرف کچھ بھی اثر نہیں کر سکتا صرف ایک ہی کو بے چین کرنے کی طاقت تجھ میں ہے۔ مگر ہاں ایک بات یہ تو بتا کہ سوسائٹی میں تجھے کیوں ذلت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور چاہے کتنا ہی پاک و سچا ہو مگر وہ تجھے اور ہی کچھ سمجھتی ہے؟ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ناپاک آنکھوں سے دیکھتی ہے۔ پاکی اور سچائی اُسے دکھائی نہیں دیتی۔

ہاں ہاں اور بڑھو اور بڑھ یہاں تک کہ میرا خاتمہ تجھی سے ہو۔ آہ کسی کی دردِ محبت! خداشاہد ہے کہ تو مجھے یہاں کی سب چیزوں سے پیارا ہے اور خدا اُس کو دوزخ کا کندہ کرے جو کسی وقت بھی یہ چاہتا ہو کہ تجھ میں زیادتی نہ ہو بلکہ کچھ کمی ہو جائے ....

ایک دردرسیدہ

روزنامچہ نوّاب سربلند جنگ بہادر

(چیف جسٹس حیدرآباد دکن)

نواب سربلند جنگ حاجی مولوی محمد حمید اللہ خاں صاحب اوّل طالب علم مدرسۃ العلوم مسلمانانِ علیگڈھ کی تعلیم انگلستان کے زمانہ کی ڈائری جس کا ایک حصہ بابت جنوری ۱۸۸۴ء مخزن کے جون نمبر میں نکل چکا ہے۔ اور اب ہم جناب موصوف کی عنایت سے اس کے دوسرے حصہ بابت ماہ فروری ۱۸۸۴ء کا ترجمہ بھی شائع کرنے کے قابل ہوئے ہیں۔ اگرچہ اس مضمون کے ساتھ بعض اشخاص اور مقامات کے ناموں پر تشریحی نوٹ بھی ہونے سے اس کا لطف مزید ہو جاتا۔ لیکن یہ امر تنگی وقت کے سبب بعد کے حصص میں عمل رکھنے کے لئے ملتوی کیا جاتا ہے

یکم فروری ۱۸۸۴ء | کننگھم اور شیلی کے لکچروں میں شامل ہوا۔ شیلی کے لکچر میں پہلے سے ملا اور باہر نکلنے کے بعد بک کے مراسلہ کی بابت جو ریویو میں شائع ہوا تھا گفتگو کرتا رہا۔ ٹرنٹی ہال کے طالب علم روکسبرگ کے ساتھ کافی پی۔ کرائسٹ کالج میں جاکر رابرٹ اور خاکی سے ملاقات کی۔ ٹرنٹی کالج کے چند طلبا کے کمروں پر گیا۔ لیکن وہ موجود نہ تھے۔

۲۔ فروری | حسب معمول لکچروں میں گیا۔ گاؤشا کی ہوم پالیسی کے متعلق مباحثہ تھا۔ اور میں یوں چاہتا تھا۔ لیکن مجھے پروتھروس کے ہاں جانا تھا۔ اس لئے

میں اوّل وقت اُٹھ گیا لیکن چونکہ جلسہ ملتوی ہو گیا ہے اس لئے مجھے آئندہ ہفتہ بولنے کا موقع باقی ہے۔ ٹیبز نے اس پالیسی کے خلاف بہت موثر گفتگو کی۔ پروتھروس کے ہاں گیا۔ وہاں چند لیڈیوں سے ملاقات ہوئی۔ شراو آور دیگر کھیل ہوتے رہے۔ اس میں میں نے تھوٹ ریڈنگ گیم کا اضافہ کیا۔ سوا گیارہ بجے واپس آیا اور ٹیبز کے کمرہ میں دو بجے تک بیٹھا رہا۔ جہاں چند دوست جمع تھے۔

۴۔ فروری | کڈ کے ہمراہ ناشتہ کیا۔ اور تھوڑی دُور ٹہلنے نکلا۔ شام کو وربگر کے مکان پر گیا۔ اور نو بجے اوسکر براؤننگ سے ملا جہاں ہاریسن سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے میرا تعارف اوسٹن چیمبرلین سے کرایا۔

۵۔ فروری | حسب معمول لکچروں میں شریک ہوا۔ یونین میں گیا۔ جہاں مباحثہ ہنڈمین نے شروع کیا۔ اور فروسٹ نے اس کی مخالفت کی۔ مکان میں تل رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ ہنڈمین کی کل اسپیچ میں مجھے کھڑا رہنا پڑا۔ کچھ بہت عمدہ تھے کرائسٹ کالج کے فیلو سٹانلی وائنر نے مباحثہ کو ملتوی کر دیا۔ اس لئے کسی دوسری شب یہی مباحثہ پھر ہوگا۔ امید ہے کہ ہنڈمین دوبارہ شامل ہوگا۔ مویسن نے جو اسپیچ دی وہ بہت دلچسپ نہ تھی۔ اور نہ بہت فصیح و بلیغ تھی۔

۶۔ فروری | شام کو ہربرٹ جی سے ملنے گیا۔ اور وہاں مسز بال اور اسکی دو لڑکیوں سے ملاقات ہوئی۔ مسٹر پروتھروس کے مکان پر گیا۔ آج شام کو ڈیلے نے مجھ سے ذکر کیا کہ جان کالج کا طالب علم اسپیڈ رلے بیمار ہے۔ اور اس لئے میں اس کی مزاج پرسی کے لئے گیا۔ تعلیم کے بعد کرینس کے ہمراہ کافی پی اور آٹھ بجے ٹرینٹی کالج میں ہاریسن سے ملا۔

۸۔ فروری | گھر خط لکھے۔ ہیچوک کے سوالات کے جواب لکھے اور حسب معمول لکچروں میں شامل ہوا۔ آواجی کے ہمراہ لوکانی پی اور ہمفریس کالج میں واڈل سے ملنے گیا۔ دس بجے واپس آ کر کچھ پڑھا۔

بوس نے مجھ سے کہا کہ میں کہیں جا رہا ہوں اور اس لئے مجلس کا جلسہ میرے کمرہ میں نہیں ہو سکتا۔ اچھا میں اپنے کمرہ میں اس روز جلسہ منعقد کروں گا۔

۹۔ فروری | حسب معمول لکچروں میں شریک ہوا۔ شام کو باوجودیکہ زمین نرم تھی ہم ٹینس کھیلے۔ سات سے پونے نو تک کالج میں مباحثہ ہوتا رہا۔ بعد ازاں نیچرل سائنس سینیر کلب میں گیا۔ جہاں آواجی نے میرا نام پیش کیا۔ یہاں پانی کے اجزا پر مضمون پڑھا گیا۔

ہربن جی کے کمرہ میں جا کر تھوڑی دیر قیام کیا۔ گیارہ سے پہلے کالج میں گیا اور پون بجے تک کام کرتا رہا۔ اب آرام کرتا ہوں۔

۱۰۔ فروری | کارمل کے ہمراہ ناشتہ کیا۔ مسز کاکس کے پاس گیا اور انکو چہارشنبہ کے دن لنچ کی دعوت دی۔ پونے آٹھ بجے مجلس کا اجلاس میرے کمرہ میں ہوا۔

۱۱۔ فروری | حسب معمول لکچروں میں گیا۔ شام کو پانچ بجے مسٹر جی ک کے پاس اپنا پرچہ دکھانے گیا۔

۱۲۔ فروری | یونین میں گیا۔ ملتوی شدہ مباحثہ لوانسز نے شروع کیا۔ جس کے بعد بہت عمدہ بحث ہوتی رہی۔ بعض پرانے ممبروں نے بھی لکچر دیئے۔ صرف ۵۸ ووٹ اس کے موافق اور ۲۹۹ مخالف ہوئے۔ آج سہ پہر کو والنٹیرز سات میل تک گئے۔ ہمارے ہمراہ بینڈ بھی تھا۔ میں فوج کے میدان میں قت پر

نہ پہنچا تھا۔ اس لئے والنٹیرز کو ملک بھیجنے کے لئے سٹرک میڈنگلی پر تھوڑی دور
تک مجھے بھاگنا پڑا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں فوج کے ساتھ گیا ہوں۔ مجھے آج کی
مسافت بہت اچھی معلوم ہوئی۔ اگرچہ شام کو میں تھک کر چور ہو گیا تھا۔

۱۴۔ فروری | شیلی کے لکچر میں گیا۔ چند احباب میرے کمرہ میں لنچ کھانے آئے۔
یونین تک وال کے ہمراہ چہل قدمی کرتا ہوا گیا۔

۱۵۔ فروری | ہندوستان خط روانہ کئے۔ حسب معمول لکچروں میں شامل ہوا
پونے آٹھ بجے چیمبرلین کے ہمراہ کافی پی۔ بعد ازاں مارسین کے پاس گیا۔
اور [illegible] آیندہ چہارشنبہ کو کافی کی دعوت دی۔
آج سہ پہر کو قواعد کرنے گیا۔ فوج کے قواعد میں یہ میری پہلی قواعد ہے۔

۱۶۔ فروری | حسب معمول لکچروں میں شریک ہوا۔ داس کے ہمراہ لنچ کھایا
تعلیم کے بعد مباحثہ میں گیا۔ عورتوں کے حقوق پر بحث تھی۔ میں اس کی موافقت
میں بولا۔ مارل کلب سائنس میں شامل ہوا۔ کیس کالج کے طالب علم آدم نے
خیالات افلاطون پر مضمون پڑھا۔ جو بہت دلچسپ تھا۔

۱۷۔ فروری | مسز کاکس کے ہاں گیا۔ تعلیم کے بعد چند دوست چار پینے
میرے پاس آئے۔ او۔ آر کے مکان پر نو بجے گیا اور دس بجے واپس آیا
اور آدھ گھنٹہ شیلی اور داوانی کے پاس بیٹھا رہا۔

۱۸۔ فروری | لکچروں میں شامل ہوا۔ بعد ازاں گو ایک ناتھ کے ساتھ ٹہلنے
گیا۔ تعلیم کے بعد چند دوستوں کو کافی پینے بلایا۔ ڈیبیٹنگ سوسائٹی کی
آج کمیٹی میٹنگ تھی۔ ہفتہ گذشتہ میں وال صدرنشین اپنے قواعد بنانے
میں ایک قاعدہ کا ذکر کرنا بھول گیا تھا۔ اور اسے ڈر تھا کہ لوگ اس کا تمسخر

اُڑا دینگے۔ آج ذکر ہوا کہ صدر نشین اور سکرٹری وغیرہ آئندہ ہفتہ غیر حاضر ہیں
میں نے کہا کہ آج کا کام شروع ہونے سے پہلے وائل وغیرہ بیان تحریری
داخل کریں کہ وہ قواعد مذکور کا ذکر کرنا بھول گئے۔ اُمید ہے کہ میری رائے
منظور ہوگی۔

۱۹۔ فروری | مسجوک کے لکچر میں شریک ہوا۔ سہ پہر کو قواعد میں شامل ہوا۔
سینٹ جان کالج میں سمتھ کے ہمراہ کھانا کھایا۔ تھوڑی دیر کے لئے یونین میں
گیا۔ نارتھ ایمپٹن کی جانب سے بریڈلا ممبر منتخب ہوا۔ اور بہت سے آدمیوں
نے اس کے موافق رائے دی ہے۔

آواحی نے مجھ سے آکر کہا کہ کل آٹھ بجے میرے ہمراہ ناشتہ کرنا۔ میں اس
نوکر کے نام جو میرا بستر درست کرتا ہے ایک پرچہ لکھدونگا کہ مجھے پونے آٹھ
بجے بیدار کر دے۔

۲۰۔ فروری | شبلی کے لکچر میں شریک ہوا۔ والد کا خط آیا۔ مکان پر سب
بخیریت ہیں۔ سہ پہر کو ٹینس کھیلا۔

آواحی کے ہمراہ ناشتہ کیا۔ سومی موٹری (جاپانی) اس کے ہاں تھا اور اس
نے کل کے لئے مجھے لنچ کی دعوت دی۔ آج شام کو چند اشخاص میرے ہمراہ
کافی پینے آئے۔

۲۱۔ فروری | حسب معمول لکچروں میں گیا۔ سومی موٹری کے ہمراہ لنچ کھایا۔
اور جاپان وغیرہ کی بابت ذکر ہوتا رہا۔ یونین گیا۔ اور مذاقیہ و تصاویر دار
اخبار پڑھتا رہا۔ قانونی امتحان کے پرچے پڑھنے کتب خانہ واپس ہی گیا۔ لیکن
دیر ہوگئی تھی۔ اس لئے کتب خانہ بند ہوگیا تھا۔ چند لوگوں کو کافی پینے بلایا۔

اور ہم سب مل کر سینٹ جان کالج میں سب کا لکچر دربارہ مزدوران کاشت سننے گئے۔ میں کالج میں دس بجے کے قریب واپس آیا۔ اور تھوڑا سا کام کر کے گیارہ بجے آرام کیا۔

۲۲ - فروری لکچروں میں گیا۔ سہ پہر کو قواعد کی۔ پونے پانچ بجے واپس آیا۔ دیر ہو جانے کی وجہ سے شیلی کے لکچر میں شامل نہ ہو سکا۔ اِس بات کا افسوس ہے۔ مگر کیا کیا جا سکتا تھا۔ کارنل کے ساتھ کافی پی۔ پونے نو بجے مسٹر وریکر کے پاس گیا۔ اُن کے ہاں ناچ تھا۔

غزل

یاں سے بھی محروم و مشتاقِ لقا جاتا ہوں میں	جو خوشی تیری رضینا بالقضا جاتا ہوں میں
تا نہ میری پڑی سی خاک ہو جائے کوئی	کوئے جاناں سے مٹا کر نقشِ پا جاتا ہوں میں
یار کیا آتا ہے گھر میرے کہ آتی ہے بہار	صورتِ گل فرطِ شادی سے کھلا جاتا ہوں میں
روز یہ عمر گراں مایہ ہوتی جاتی ہے کم	دن دہاڑے عین بستی میں لٹا جاتا ہوں میں
شعبۂ راہِ محبت ہیں ہزار اندر ہزار	ساتھ ہوں سب کے مگر سب سے جدا جاتا ہوں میں
مضمحل ہے جسمِ خاکی کے تعلق سے یہ روح	پیرہن بھاری ہے جو پہنا ہے دبا جاتا ہوں میں
بحرِ متواجِ قضا میں کیا ٹھکانا کاہ کا	تھپکی دیتی ہیں جدھر موجیں بہا جاتا ہوں میں
ساز و ساماں کی ضرورت کیا عدم کے کوچ میں	مطمئن ہو دل کہ بیٹھ آشنا جاتا ہوں میں

ہست و بود اپنی ہے اے آباد مثلِ نقشِ پا
خود نفس کی آمد و شد سے مٹا جاتا ہوں میں

[illegible]

جنسِ لطیف کی بیقدری

ذیل کا مضمون اُس نفیس کتاب کے ایک اور باب کا ترجمہ ہے۔ جس کا ایک باب ستمبر کے مخزن میں "جنسِ لطیف کی موجودہ حالت" کے عنوان سے نذرِ ناظرین ہو چکا ہے۔ اور اُمید ہے کہ یہ حصہ خاص دلچسپی سے پڑھا جائیگا۔

معزز بی بیو!

میری آج کی تقریر اِس تو ہم بیجا پر ہوگی جو تمام دُنیا پر "جنسِ لطیف کی بیقدری" کے متعلق چھایا ہوا ہے۔ عورت کی قدر کم ہونے کی تاریخ درحقیقت اسی وقت سے شروع ہوتی ہے جبکہ یہ جنسِ لطیف وجود میں آئی۔ اور طبعی طور پر اپنے ہمجنس (مرد) سے کمزور ثابت ہوئی۔ مگر ہمیں اِس بات کا سوچنا ضروری ہے کہ آیا جنسِ بشری کے اِس نصف کو اِس کی خلقی کمزوری کے سبب حقیر و کم مرتبہ شمار کرنا درست، اور اُس سے ہمسر کا سا برتاؤ کرنا جائز ہے؟ یا ایسا کرنا مرد کی ہٹ دھرمی اور ناحق پژوہی ہے؟ اگر ہم غور کی نظر سے دیکھیں تو عورت نصفِ جنسِ بشری ہونے کے علاوہ نوعِ انسانی کے فرائض اور اعمال میں بھی برابر آدھے کی شریک، اور بقائے نوع کی کفیل۔ بلکہ اُس کی موجد ہے۔ اِس لئے ہمیں اِس سوال کا حل کرنا اور اُس کے حسبِ منزلت اس کی چھان بین میں حصہ لینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

"مرد کہتے ہیں کہ عورت صرف ایک کارآمد ظرف یا سامان ہے۔ اُس کی

پیدائش کا مطلب یہی ہے کہ مرد اُسے کام میں لائے ۔ اور جب چاہے یا ناپسند کرے تو اس کو بدل سکے ۔ یعنی ایک کی جگہ دوسری عورت سے تعلق کرے پس اس اعتبار سے عورت ایک نہایت بے قدر جنس اور حقیر شے ہوتی ہے عورت کے مرتبے کے متعلق یہ خیال ایسا چھلیا اور پھیلا کہ اس نے جنس لطیف کو بالکل مرد کی نظر سے گرا دیا ۔ اور بہت سی دُنیا کی مصیبتیں اور آفتیں اس کے ذریعہ سے وجود میں آئیں ۔ عورت مجبور ہُوئی کہ اپنی قدر کرانے اور مرد کے دل پر قابو پانے کے واسطے حسن ذاتی اور صفاتی کے علاوہ بہت کچھ بناوٹ اور آرائش سے کام لے ۔ تاکہ اسی ذریعہ سے مرد کے ساتھ زندگی بسر کرسکے ۔ جو اس کی قدر و منزلت میں کمی ۔ اور اُس کے حق میں کھوٹ کپٹ کرنے کے سوا اس کو ناقص اور ناکارہ بھی بتاتا رہتا ہے ۔ حالانکہ اگر مرد عورت کے حال پر کامل توجہ کرتا اور اس کی قدر و منزلت پہچانتا تو اس بات سے دُنیا کی بہت سی برائیوں کا دفعیہ اور اہلِ دُنیا کی مصیبتوں کا خاتمہ ہو جاتا ۔ لیکن افسوس! بدقسمتی سے مرد کو اپنی برتری کا خیال کم سے عورت اور اپنے ہمسر کے حقوق پامال کرنے کا محرک ہوا اور اُس نے اس بارہ میں کیا جو کچھ کر گیا ۔

آسمانی ادیان نے بعض جزئی اور معمولی امور کے سوا عورت کو بالکل مرد کا ہمسر اور برابر بنا دیا ہے ۔ اور دینِ اسلام نے تو عورت کے حقوق کو اس فیاضی سے قائم کیا ہے کہ اس کی نظیر کسی اور دین میں بمشکل ملیگی ۔ اس دین کے ہادی ؐ نے عورت سے نیک برتاؤ کرنے کی رُو سے ہدایت فرمائی ہے ۔ مگر نادانی اور وحشت کے زمانہ کی رسموں اور پُرانی عادتوں کا زور شرعی احکام اور ہادی کی ہدایتوں پر غالب ہی رہا ۔ اُس نے زبردست کو زیردست آزاری سے باز نہ

اُسنے دیا۔ اور اس بات کا نتیجہ یہ نکلا کہ آخر کار دونوں فریق کمزور اور بست
ملام ہو گئے۔

آسمانی دین کی تعلیم اور اُس کے بادی کی بتائی ہوئی راہ یہ ہے کہ عورت
اور مرد دونوں برابر اور ہمسر ہیں۔ یہ تعلیم خالی از مغز نہیں۔
اس میں نہایت اعلیٰ حکمت مضمر اور کوئی عجیب شریف غرض اس کے
اندر مستتر ہے۔ اور وہ حکمت ایسی ہے کہ سوسائٹی کی حالت درست ہو سکتی
ہے تو اسی سے اور نوع بشری کو فائدہ کثیر پہنچ سکتا ہے تو محض اُس کے وسیلہ
سے۔ اس لئے صرف جوہر پر عمل کرنا اور شریعت کی اصلی غرض کا خیال رکھنا ضروری
ہے۔ اور وہ یہ ہے، کہ مردوں کی تربیت کی طرح عورتوں کی تربیت کا مدار بھی
اسی بات پر رکھا جائے۔ کہ اُن کی بہترین دماغی اور عقلی قوتوں اور اخلاقی
احساسات کو قوی بنایا جائے۔ اور جنس لطیف کو ہر حیثیت سے لطف و
محبت، رحم و مروت، تواضع اور خلق کا پتلا بنانے کی کوشش ہو۔ تاکہ
وُہ طاقتور جنس (مرد) کے ساتھ مغلوب و محکوم کی طرح زندگی بسر نہ کرے۔
بلکہ اسی طرح کی زندگی گذارے جیسے ایک اپنے فرائض کا خیال رکھنے والا اور
اپنی نازک ذمہ داریوں کو بخوبی سمجھنے والا شخص سوچ سمجھ کر فائدہ بخش کام
کرتا۔ اور اپنی زندگی سے خود بھی نفع اٹھاتا اور دوسروں کو بھی راحت و
آرام پہنچاتا ہے۔ یہ صورت نوع بشری کی خوشحالی بڑھانے، اور سوسائٹی
کے زبردست کارکن ہاتھ کو قوت دینے میں اپنی سحر نما تاثیر دکھائیگی۔ اور
جس مجمع میں ایسی حالت پیدا ہو جائے۔ اس کو سعید ترین انسانی گروہ بنا دیگی
اگرچہ سوسائٹی میں جنس لطیف کی بے وقری کا خیال میراث قدیم کے طور

چلا آتا ہے لیکن یہ نہایت بدنما اور نقصان دینے والا خیال ہے۔ اس خیال کا یہ اثر ہوتا ہے کہ عورت مجبور ہو کر خوف اور حیلہ سازی سے کام لیتی، بناوٹ اور مصنوعی زیب و زینت کے وسائل سے مرد کا دل اپنے ظاہری حُسن پر مائل بناتی۔ اور یہ کام محض مردوں ہی کے فائدہ کے واسطے کرتی ہے۔ کیونکہ اس میں خود عورت کا کوئی نفع نہیں۔ جہانتک ہے مردوں ہی کا نفع ہے۔ یورپ کا نامور فیلسوف "روسو" کہتا ہے:۔

"عورتوں کی ہر ایک تربیت میں مردوں ہی کے فوائد کا لحاظ اور قصد کرنا ضروری ہے۔ تاکہ وُہ مردوں کے دل اپنی طرف کھینچ سکیں۔ انہیں فائدہ پہنچا سکیں، انکی پیاری ہوں، اور اُن کی نظروں میں عزت پائیں۔ اور ان ذرائع سے بچپن میں مردوں کی تربیت اور جوانی میں اُن کی خدمت، اور دلداری اور پیری میں ان کی خیرخواہی اور خبرگیری کرتی رہیں۔ اور عورتوں کی تربیت ایسی ہو کہ وُہ مردوں کی زندگی کو آراستہ اور لطیف بنا سکیں۔ ہر وقت اور زمانہ میں اور ہر جگہ اور مقام میں عورتوں کے فرائض صرف یہی ہیں جنکا بیان ہوا۔ اور انہیں کی اُن کو بچپن سے تعلیم دینا واجب ہے"۔ میری رائے میں بھی اس نامور مغربی فیلسوف کا خیال بالکل ٹھیک ہے۔ مگر اس نے ایک غلطی کی۔ اور اس کی غلطی یہ ہے کہ عورتوں کے خاص حقوق کو نظرانداز کر گیا۔ حالانکہ عورت بذاتِ خاص بھی چند حقوق رکھتی ہے۔ اور اُسے جو کام کرنا ہے وُہ اپنی ذات اور مرد دونوں کے واسطے کرنا ہے۔ جیسے کہ مرد خود اپنے واسطے اور اپنی شریک زندگی۔ یا بہترین نصف (عورت) کے لیے کشمکش حیات کے جھمیلے میں پڑتا ہے۔ کیونکہ اگر عمل کا حصہ صرف

ایک ہی فریق کو دیدیا جائے تو دوسرا بیکار محض ہوگا اور میزانِ عدل کے دونوں پلّے برابر نہ رہنے سے پھر مرد کا پلہ عورت پر غالب آجائیگا۔ اس لئے کہ کارکن جنس وہی ٹھہریگا اور اپنی قوت و شوکت سے عورت کو مغلوب بنالیگا۔

عورت کے بھی نفس اور بدن ہے۔ وہ بھی کچھ حقوق رکھتی ہے۔ مگر مرد نے ہمیشہ دنیا میں یہی سمجھا ہے کہ عورت کی خلقت صرف اس کی ماتحتی میں رہنے اور اس کی خدمتگذاری کی غرض سے ہوئی ہے۔ یہ کبھی حضرت کی فہم شریف میں نہیں آیا کہ آپ کی آفرینش بھی درحقیقت عورت کی خدمت کرنے اور اس کی راحتِ زندگی کا سامان بہم پہنچانے کے لئے ہوئی ہے تاکہ آپ عورت کی بے قدری سے باز رہتے اور اس کے حقوق کو پامال کرنے کی جرأت نہ کرتے۔ پس اگر مرد اس بات کو ماننے لگے تو عورت کی بہت سی مصیبتوں کا خاتمہ ہوجائے۔ اور وہ ان بیہودہ بناؤ سنگار کے دھندوں سے مستغنی بن جائے جو آج اُسے محض مرد کے دل پر قابو حاصل کرنے اور اُسے اپنی طرف مائل بنانے کے واسطے کرنے پڑتے ہیں۔ اور ہم عورتوں کو اس سے یہ فائدہ پہنچیگا کہ اپنی عزت و منزلت کو بے خطر پاکر مطمئن ہوجائیں اور اپنے کام کو بہترین طریقہ سے بجالائیں۔ اور طرفین کو طمانیتِ خاطر ہاتھ آنے کا نتیجہ سوسائٹی اور نسل کے حال کی خوبی نظر آنے لگیگا۔ ایک کے دوسرے پر ظلم و زبردستی کرنے یا عورت کی بے وقری اور ذلت کا خاتمہ ہوجائیگا۔ وہ عورت جو نوعِ انسانی اور جنسِ بشری کا نصف اور بہترین نصف ہے۔ اور جنس بشری کو خدا نے دیگر مخلوقات پر جو عزت و شرف عطا کیا ہے وہ محض اس کے اخلاقی اوصاف کی وجہ سے ہے نہ کہ بہیمی جذبات کی بنا پر

"یہ پردے اور نقاب کے بارہ میں شور و غوغا کیوں مچتا ہے؟ کوئی کہتا ہے کہ پردہ بالکل نہ ہو۔ یا ہو تو ہلکا سا اور صرف دل اور آنکھ کا۔ اور کسی کی رائے ہے کہ نہیں پردے کی سخت حاجت ہے۔ اور اس کو سخت سے سخت ہونا چاہئے۔ آخر اس پردے کی علت کیا ہے؟ یہی خوف نا کہ بے پردگی سے عزت کو بٹہ لگنے کا اندیشہ ہے۔ ناحق کوش اشخاص دوسروں کی حرمت پر بیجا دست اندازی کرینگے۔ اور نام و ننگ کا شیشہ سنگِ جفا سے چور ہو جائیگا! میں کہتی ہوں کہ یہ تمام اندیشے اور خطرات محض ایک بات سے مٹ جاتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ مرد عورت کے حقوق پہچان کر اُن کا محافظ بنے، اُس کی وہی قدر کرے جو ایک برابر والا اپنے برابر والے کی قدر کرتا ہے، یہ نہ ہو کہ ہمسر اور ہم رتبہ کی بے وقری کرکے اُسے ذلیل بنا دے۔ اور اس کی جان پر خواہ مخواہ ظلم کیا کرے عورت کو فتنہ یا باعثِ فتنہ تصور کرنا مرد کی بے انصافی اور بیجا غلطی ہے۔ فتنہ تو مرد کے دل میں بستا ہے جس نے بے وجہ عورت کے حقوق پامال کئے۔ اور اس کو حقارت کے ساتھ نظر سے گرا دیا۔

بیبیو! میں اپنی نازک جنس کی داستانِ غم سُنا چکی۔ اور بہت کچھ اپنی مصیبت کا دکھڑا رو لیا۔ اب آپ خوش ہوں کہ خدا کی مہربانی سے ہمیں وہ زمانہ ملا ہے جبکہ ہم اپنے نوعی حقوق حاصل کرنے میں آزاد ہیں۔ اور اب مرد کے جورِ بیجا سے ہم کو رہائی مل سکتی ہے۔ آزادی کا دور ہے اور سب اپنے اپنے حقوق مانگتے اور پاتے جاتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اپنے حقوق نہ لیں! ہمیں اس کی مطلق کوشش نہ کرنا چاہئیے

کہ مردوں کے خاص حقوق پر دست انداز ہوں۔ اور اُن کے پُرانے جور و ستم کا انتقام لینے کے درپے نہیں۔ یہ صورت تو پھر اُسی خرابی کو بڑھائیگی جو آجتک موجود رہی اور ہے۔ بس ہمیں خاص اپنے حقوق کی حفاظت کرنی چاہیئے، اور مردوں کو بتا دینا چاہیئے کہ عورت بھی دُنیا میں کوئی وجود اور قدر و قیمت رکھتی ہے، اُس کے بھی جان ہے اور جسم اور جسم میں دِل ہے اور دل میں آرزو اور اُمّید۔ وُہ اپنے حقوق کو ضائع نہیں کر سکتی۔ لیکن ہم کو اس بارہ میں جنگ و جدل سے کام لینے کا خیال نہ آئے۔ ہم مردوں کو اس طریقہ سے مغلوب کریں کہ وُہ اپنے مغلوب ہونے کو ذلّت نہ سمجھیں بلکہ اپنی سچّی عزّت شمار کریں۔ اور اس کا وسیلہ یہی ہم باہمی اتّحاد اور اعانت سے اپنی اوہام پرستی اور نمائش پر فریفتگی کو دُور کریں۔ اپنی عقلی، دماغی، اخلاقی، اور پاکیزہ قوّتوں کو ترقی دیں۔ علم و ادب، اور دین میں پُختہ ہو کر مرد کی انانیت توڑیں۔ اور اُسے بتا دیں کہ عورت اس کی لونڈی نہیں۔ بلکہ ہمسر اور شریک زندگی ہے۔ وُہ سازِ مسرّت کی صدا اور شعرِ حیات کا نغمہ ہے۔ اور ہماری اس اصلاح سے خاندانوں اور گھرانوں کے حال کی وُہ اصلاح ہو گی کہ باید و شاید۔"

محمد تسلیم انصاری دہلوی

سفر

یہ مضمون اپنے موضوع پر بہت محنت اور غور سے لکھا گیا ہے اور اس کا طرز مضمون نگاری دُوسروں کے لئے ایک اچھا نمونہ ہو سکتا ہے۔

تحصیلِ علم کے دو طریقے ہیں۔ ایک اصُولی۔ دُوسرا عملی۔ جو علم کُتب سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کو اصُولی اور جو سفر کے ذریعہ سے سیکھا جاتا ہے۔ اس کو عملی کہتے ہیں۔ اصُولی قاعدہ عموماً دُوسرے شخصوں کے خیالات یا اُن کے مشاہدے یا تجربے پر مبنی ہوتا ہے۔ برعکس اس کے ذاتی مشاہدے اور شخصی تجربے کا نام عملی طریقہ ہے۔ صورتِ اوّل میں ہم دُوسروں کی مدد کے محتاج اور دستِ نگر ہیں۔ اور شکل دوم میں ہم مختار اور آزاد یا یُوں کہیئے کہ ایک حالت میں ہماری رفتار کا انحصار بمصداقِ شعر

در پسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ اُستادِ ازل گفت ہماں می گویم

بیرونی حرکت پر ہے اور دُوسری صورت میں ہرچہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم پر کاربند ہونا پڑتا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ عملی طریقہ کا نقش نقش کالحجر کا حکم رکھتا ہے اور صحیح نتائج کے پیدا کرنے میں بہت معاون ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انسانی زندگی دقتوں کی گتھی اور پیچیدگیوں کا مجموعہ ہے۔ کبھی انسان کو مُصیبت و تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کبھی رنج و غم کا۔ اور کبھی غربت اور نکبت کا۔ اور چونکہ مجموعی شکل میں یہ

وُہ رکاوٹیں ہیں جو انسان کو مجبور کرتی ہیں کہ وُہ عملی طریقے کو خیرباد کہے۔ اور اصولی قاعدے سے اپنے علم کی پیاس کو فرد کرے ۔ اور کتب اور صرف کُتب ہی پر قناعت کرے۔ لیکن وُہ مُبارک شخص جو ان بلاؤں سے بری ہے یا پہلو میں ایک جوشیلا اور پُر امنگ دل رکھتا ہے۔ کسی طرح محض مطالعہ کُتب سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔ اس کا جدت پسند دماغ اور اُس کا محقق دِل اس کو کبھی اجازت نہ دینگے کہ وُہ مدرسہ کے گوشہ یا کُتب خانے کی چار دیواری میں محدود رہے۔ شیخ سعدی - ابن بطوطہ اور سر سیّد کی سوانح عُمریاں ہمارے اس دعویٰ کے مدلّل ثبوت ہیں ۔

طریقہ عملی کی اس قدر وضاحت اور تعریف سے میرا یہ منشا نہیں کہ صرف سفر ہی تحصیلِ علم کا معقول ذریعہ ہے بلکہ مُطالعہ کتب و اخبار بینی وغیرہ بھی اکتسابِ علم کے خاص ذرائع ہیں اور اُس کے حاصل کرنے میں ایک معتد بہ مدد دیتے ہیں۔ میں اِس مضمون میں سفر کے متعلق رائے کا اظہار کرونگا۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ کسی موقع پر مطالعہ کتب پر بحث کیجاویگی ۔

سفر لغوی رو سے صرف شہر سے باہر جانے پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن اصطلاحی معنی کے لحاظ سے بہت وسیع لفظ ہے۔ ہر ایک عجیب و غریب شے کو بہ نظرِ تحقیق مشاہدہ کرنے کے علاوہ غیر ممالک کو دریافت کرنا۔ نئے نئے تجارب سے مستفید ہونا۔ دُنیا کی نشیب و فراز سے واقفیت پیدا کرنا سفر کے معنی آخری میں داخل ہیں۔ وُہ قومیں جنہوں نے سفر کے مفہوم کو بخوبی سمجھ لیا ہے اور اپنے زندگی کے مُدعا میں دُنیا کا سفر کرنا بھی داخل کر لیا ہے ۔

آج ترقی کے فلک الافلاک پر صدر نشین نظر آتی ہیں۔ لیکن افسوس کہ ہم ہندستانیوں میں جہاں بدقسمتی سے اور بھی کئی عیوب موجود ہیں۔ وہاں یہ عیب بھی عموماً پایا جاتا ہے کہ ہم کو سفر کرنا نہیں آتا۔ حالتِ سفر میں باوجود دونوں آنکھیں رکھنے کے اندھے اور باوجود صحیح دماغ کے پگلے بن جاتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ سفر ہماری معلومات میں اضافہ کرے اور اس طرح ہماری رُوح کو فرحت بخشے ہمارے لئے دوزخ کا ایک نمونہ بن جاتا ہے۔ اور ہماری کوشش یہ ہوتی ہے کہ جس طرح جلد ممکن ہو۔ مکان میں حفاظت کے ساتھ بند ہو جائیں۔ علاوہ ازیں ہندوستان کی یہ پُرانی مثل کہ "گھر کی آدھی باہر کی پُوری سے اچھی ہے" ہندوستانیوں کی رائے کا اظہار جو وہ سفر کی نسبت رکھتے تھے۔ صاف الفاظ میں کر رہی ہے کہ وہ سفر اور سقر میں بہت کم فرق جانتے تھے۔ برخلاف اس کے اہل فرنگستان و اہل امریکہ کو ملاحظہ فرمائیے اور اُن کے حالات کو پڑھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ سفر اُنکی زندگی کا جزوِ اعظم ہے۔ وُہ سفر میں حیاتِ ابدی کی جھلک دیکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج یورپ و امریکہ علم کے معدن۔ تہذیب کے مخزن اور اخلاق کے مسکن بنے ہُوئے ہیں۔ ہماری کوئی بات خواہ استدلال پر ہی کیوں نہ مبنی ہو۔ اس وقت تک شرفِ قبولیت حاصل نہیں کرتی جب تک یورپ یا امریکہ اپنی معیار میں وزن کرکے اس کو پُوری نہ اُتار دے۔ ؎

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

خیر خُدا خُدا کرکے بعض ہندوستانیوں میں سفر کا شوق بھی پیدا ہوا ہے۔ تو وہ یورپ اور امریکہ میں جاکر بجائے اس کے کہ ان کے اچھے اوصاف۔ اُن کی متجسّس طبیعت۔ ان کے علم و کمال سے بہرہ ور ہوں

خوب گل چھرے اڑاتے ہیں۔ اور جب واپس آتے ہیں تو زمین و آسمان کے قلابے ملایا کرتے ہیں اور مطلب کی بات ندارد۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو می روی بترکستان است

لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند اصولِ سفر آپ ناظرین کے گوش گذار کیئے جائیں۔ بعض ناظرینِ رسالہ ایسے بھی ہونگے جن کی ہدایت کے لئے اُن اصولوں کو پیش کرنا گویا لقمان کو حکمت سکھانا ہے۔ اس لئے اُن حضرات سے مَیں معافی کا خواستگار ہوں۔ اِن اصولوں کو بیان کرنے سے پیشتر یہ گذارش ضروری ہے کہ مندرجہ ذیل امور کا خوگر یا پابند بناؤ۔

(اوّل) جس مقام کی سیر کرنا منظور ہے۔ اس کے مجمل حالات سے اگر ممکن ہو پہلے ہی آگاہی حاصل کر لو۔

دوم۔ ایک روز نامچہ اپنے ساتھ رکھو جس میں ہر ایک قابلِ ذکر چیز کا حال درج کرو۔

سوم۔ نہایت لازمی اور بہت ضروری ہے کہ اخلاقِ پسندیدہ اور اوصافِ حمیدہ سے خود کو آراستہ کر کے قدم باہر نکالو۔ چال چلن اور خصلتوں کو اس قدر مضبوط اور راسخ بنالو کہ غیر ممالک کی ناجائز دلفریب ادائیں تم پر اپنا جادو نہ چلا سکیں۔ ورنہ اغلب ہے کہ پردیس بجائے رحمتِ الٰہی کے قہر ذو الجلال بن جائے۔

اس قدر پابندی کے بعد سفر یقینی نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوگا۔ بشرطیکہ مندرجہ ذیل اصول نظر انداز نہ کئے جائیں۔

۱ - قوتِ فیصلہ کو صحیح قاعدے پر پیدا کر کے کام میں لاؤ - ورنہ بہت ممکن ہے کہ تم سفر کے اصلی مطلب کو فوت کر دو - اور غیر ضروری چیزوں کو با وقعت سمجھو - یہاں اِس موقع پر قابلِ مشاہدہ چیزوں کی ایک طویل فہرست پیش کرتا ہوں جو کم و بیش ہر مقام پر پائی جاتی ہیں - بادشاہوں کا دربار خصوصًا اُس موقع پر جب کہ سفیروں کو باریابی کا موقع حاصل ہو عدالتیں جبکہ اُن میں مقدمات پیش ہوں - عبادت گاہیں - خانقاہیں - منہدم یادگاریں - بندرگاہیں - برباد شدہ کھنڈرات - کُتب خانے - مکاتب - مختلف کارخانجات - محلات - باغات - توشہ و سلاح خانجات لین دین کے بازار - شہ سواری کے کرتب اور دُوسری کسرتیں - فوج کی قواعد - اور وُہ چیزیں جو اُس شہر کی خصوصیات سے ہوں -

۲ - اس مقام کی جہاں کا قصد ہے زبان سے کم و بیش واقفیت پیدا کرو - تاکہ اس مقام کو اس کی اصلی شکل میں دیکھ سکو - اور وہاں کی تمدنی - معاشرتی - اخلاقی اور مذہبی پہلوؤں پر روشنی ڈال سکو - اور اپنے علم میں اضافہ کر سکو - چُونکہ ہر مُلک کی زبان سیکھنا تقریبًا ناممکن ہے اس لئے انگریزی زبان کے سیکھنے پر اکتفا کرو - کیونکہ رُوئے زمین کے کل علمی خزائن اس میں محفوظ ہیں اور کُرہ ارض کی دُوسری زبان ہونے کا شرف اسکو حاصل ہے

۳ - قابلِ مشاہدہ چیزوں کے اِنتخاب میں اور ان کو استقلال سے معائنہ کرنے میں ہوشیاری سے کام لو - اور صرف اپنے ہی مذاق کے مطیع نہ بن جاؤ - ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک حجام سے

جس نے اس سے پیشتر دربار شاہی میں دخل نہیں پایا تھا۔ دریافت کیا گیا کہ اُس نے وہاں کیا دیکھا۔ جواب دیا کہ بادشاہ کے بال عمدہ طریقے سے ترا شے ہوئے تھے۔ بیچارے حجام ہی پر کیا منحصر ہے۔ سوداگر۔ بندرگاہوں اور لین دین کے بازاروں کو خاص طور پر مشاہدہ کرتے ہیں۔ سپاہی۔ قلعوں۔ سلاح خانوں اور میگزینوں کو۔ طلبہ کتب خانوں اور مباحثوں کو۔ مدبر عدالتوں کو۔ غرضیکہ ہر ایک شخص اپنے پیشہ اور مذاق کا گرویدہ ہے۔ اور دُوسری نادر چیزوں سے ناآشنا نظر آتا ہے۔ اسی طرح اس میں ایک خاص کمی باقی رہ جاتی ہے جس کا دور کرنا رفتہ رفتہ اُس کی قدرت سے باہر ہو جاتا ہے۔

۴ - غیر ممالک میں سفیروں اور سکتروں سے ملاقات کرو۔ تاکہ تم کو اور ممالک کے حالات بھی معلوم ہو جائیں۔ اُن بزرگوں کی زیارت بھی ضرور کرو جو لازوال شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ تاکہ تم کو معلوم ہو جائے کہ زندگی اور شہرت میں کس طرح مابلہ پیدا ہوتا ہے۔ اور جب تم سفر سے واپس آؤ تو اُس مُلک سے بالکل تعلق قطع نہ کر لو۔ بلکہ وہاں کے واقفکاروں سے خط کتابت کو جاری رکھو تاکہ وہاں کی تبدیلیاں اور حالات تم کو معلوم ہوتی رہیں۔

۵ - یہ موقع دو کہ دُوسرے شخص تم سے سفر کے متعلق سوالات کریں۔ تم اپنے مشاہدے کو خود بخود بیان نہ کرو۔ اپنے خیالات۔ جذبات اور مشاہدات پر پُورا پُورا قبضہ رکھو اور موقع اور محل پر ان کا اظہار اپنے دوستوں کی موجودگی میں کرو۔ قرین قیاس واقعات کے بیان

کرنے میں اختصار سے کام لو۔ اور خاص کر عوام کے سمجھانے میں۔ ورنہ وُہ بجائے عمدہ رائے قائم کرنے کے تمہارے تجربات کو قصہ و کہانی سے تعبیر کرینگے۔ فارسی کی ضرب المثل "کہ جہاندیدہ بسیار گوید دروغ" ایسے ہی سیاحوں کی لفاظی اور فضول گوئی کا نتیجہ ہے جو اصولِ مذکور پر عامل نہیں ہیں۔

۶۔ نئے ممالک میں جاکر اپنے طریق معاشرت اور طرز تمدن و آداب کو بالکل فراموش نہ کرو۔ اور وہاں کی ہر ایک شے کے عاشق نہ بنجاؤ بلکہ خُذ مَا صَفَا وَ دَعْ مَا کَدَر پر کاربند رہو۔ اور بعض عمدہ باتوں کو چُن کر اپنے ملک میں رواج دینے کی کوشش کرو۔

یہ ہیں۔ وُہ اصُول جن کی پابندی نے یورپ کو یورپ اور امریکہ کو امریکہ بنادیا اور ان کی خلاف ورزی نے ہندوستان کو اُبھرنا تو کیا اصلی حالت پر بھی قائم نہیں رکھا۔ اس فرق کو دیکھیے اور عبرت حاصل کیجیے۔ ع "بر رسولاں بلاغ باشد و بس"۔

سفر بھی موافق عام اصُول کے اپنی خوبیاں اور بُرائیاں لئے ہوئے ہے۔ لیکن اگر کچھ بھی غور سے دیکھا جائے تو اس کے فوائد اس کے نقائص سے زیادہ ہیں۔ مضمون بخیال طوالت صرف فوائد کے اظہار پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ یہ امر تو اس مختصر میں ثابت کردیا گیا ہے کہ سفر اکتساب علم کے لئے کس قدر ضروری ہے۔ اس لئے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ تبادلہ خیالات جو دُنیا میں بہت سے ایجادوں کا باعث ہوا ہے۔ سفر کی بدولت ہی حسن

وجود عمل میں آتا ہے۔ مختلف مقامات کی تمدنی، معاشرتی اور اخلاقی خوبیوں کا آپس میں مقابلہ کر کے اپنے لئے ایک مکمل قاعدہ تدوین کرنا سفر کی وجہ سے سرانجام پا سکتا ہے۔ انسانی طبیعت کا مقتضی ہے کہ وہ عجیب و غریب اشیا کی ٹوہ میں رہتی ہے۔ سفر اس خواہش کو پورا کرتا رہتا ہے۔ المختصر سفر انسان کو کامل۔ پختہ کار۔ اور دنیا کے نشیب و فراز سے واقف کار بنا دیتا ہے۔

حامد حسین رضوی المشہدی اسسٹنٹ ماسٹر

از امراوتی (برار)

غزل

ترے فراق میں جینا بشر کا کام نہیں　　ہزار شکر کہ اس عمر کو دوام نہیں
گلوں سے کہتی ہے جھونکا کے یوں نسیم سحر　　چلے چلو کہ ٹھہرنے کا یہ مقام نہیں
قیامت آئے اُٹھے روئے یار سے پردہ　　خدا وہ صبح دکھائے کہ جسکی شام نہیں
پھنسا جو زلف میں اُسکی ہوا عزیز جہاں　　وہ دل ہے صید زبوں جو اسیر دام نہیں
دعائے خواب اجل ہجر میں مناسب ہے　　یہی وہ شے ہے جو عشاق پر حرام نہیں
خدا کی یاد میں حوروں کی یاد لے واعظ　　نگاہ غیر پہ کرنا یہ کیا حرام نہیں
نگاہ یار نے دنیا میں یہ کیا اندھیر　　بیاض صبح کو چشم سواد شام نہیں
قریب آتی ہے اب نوع قبر کی منزل　　ہوا جو کوچ وہاں سے تو پھر مقام نہیں
لہو بہا ہے جہاں خاص تیرے کشتوں کا　　وہ ارض پاک زیارت گہ عوام نہیں

سمند عمر کو آہار سے کئے کیونکر
زیادہ اس سے کوئی ترش تیز گام نہیں

[illegible]

نظام جنّت مقام

ہندوستان بلکہ اکثر ممالکِ عالم کی علمی اور ادبی دُنیا اس شکست صدمہ سے بادلِ بریاں اورچشم گریاں۔ آہ کناں ہے کہ اعلیٰ حضرت نظام الملک آصفجاہ سادس جنت آشیان میر محبوب علیخاں مغفور فرمانروائے دکن برد اللہ مضجعہٗ و افاض علیٰ رُوحہٖ شآبیب رحمتہ و رضوانہ نے جہانِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اردو زبان کے سرپرستوں میں نظام مغفور کا بڑا مرتبہ تھا۔ آپ نہ صرف اس زبان کے سرپرست تھے بلکہ خود ایک قادر الکلام سخنور بھی تھے۔ مخزن بھی اس رنج و اندوہ میں دلی حصّہ لیتا ہے جو علمی اور ادبی دُنیا کو اس صدمۂ جانگزا سے پہنچا ہے +

عرش نشین نظام

اور مخزن اور ناظرین مخزن اعلیٰ حضرت قدر قدرت بندگان عالی متعالی مدظلہم العالی نظام الملک آصفجاہ سابع ہزہائینس میر عثمان علی خاں دام ملکہٗ اورنگ نشین دکن کی تخت نشینی پر دلی مبارکباد پیش کرتے ہوئے خداوند ذوالجلال سے اُن کے جاہ وجلال اور دولت و اقبال کی استدامت۔ اور ان کے لئے اپنے سلف صالحین کی روش پر استقامت کا طلبگار ہے۔ ع ایں دعا

از من و از جملہ جہاں آمین باد +

کلامِ اکبر

فلسفے میں کیا دھرا ہے گھر کا ہو یا لندنی — سعی کا موقع ملے تو آرٹ یا سائنس سیکھ
دشمنِ اسلام سے پیچ پہچان لے ناداں دوست — وقعتِ قومی جو چاہے چھوڑ لفاظی کی سیکھ

اکبر

غرۂ شوال

یا

ہلالِ عید

یہ نظم ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب کے تازہ نتائج فکر سے ہے۔ اور گو دیگر ذرائع سے شائع ہو چکی ہے تاہم ناظرین مخزن کی اس سے ضیافت طبع نہ کرنا ایک فروگذاشت ہوتی۔ اس لئے اس کو یہاں درج کیا جاتا ہے:-

غرۂ شوال اے نورِ نگاہِ روزہ دار — آ کہ تھے تیرے لئے مسلم سراپا انتظار
تیری پیشانی پہ تحریرِ پیامِ عید ہے — یعنی تیری شام صبحِ عیش کی تمہید ہے
سرگذشتِ ملتِ بیضا کا تو آئینہ ہے — اے مہِ نو ہم کو تجھ سے الفتِ دیرینہ ہے
جس علم کے سایہ میں تیغ آزما ہوتے تھے ہم — دشمنوں کے خون سے رنگیں قبا ہوتے تھے ہم
زندگی تیری جبیں بوسی اسی رایت کی ہے — حسنِ روز افزوں سے تیرے آبرو ملت کی ہے
آشنا پرور ہے قوم اپنی وفا آئیں ترا — ہے محبت خیز یہ پیراہنِ سیمیں ترا

وسعتِ ہستی میں گو رفعت تجھے منظور ہے اے فلک مسکن! افق گردی ترا دستور ہے

اوجِ گردوں سے ذرا دُنیا کی بستی دیکھ لے

اپنی رفعت سے ہمارے گھر کی پستی دیکھ لے

قافلے دیکھ اور اُنکی برق رفتاری بھی دیکھ رہروِ درماندہ کی منزل سے بیزاری بھی دیکھ

دیکھ کر تجھ کو افق پر ہم لٹاتے تھے گہر اے تہی ساغر ہماری آج ناداری بھی دیکھ

فرقہ آرائی کی زنجیروں میں ہیں مسلم اسیر اپنی آزادی بھی دیکھ اُنکی گرفتاری بھی دیکھ

دیکھ مسجد میں شکستِ رشتۂ تسبیحِ شیخ بُتکدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ

کافروں کی مسلم آئینی کا بھی نظارہ کر اور اپنے مُسلموں کی مسلم آزاری بھی دیکھ

بارشِ سنگِ حوادث کا تماشائی بھی ہو اُمتِ مرحوم کی آئینہ دیواری بھی دیکھ

ہاں تملق پیشگی دیکھ آبرو والوں کی تو اور جو بے آبرو تھے اُنکی خودداری بھی دیکھ

جسکو ہم نے آشنا لطفِ تکلم سے کیا اس حریفِ بے زباں کی گرم گفتاری بھی دیکھ

رہ گئے اپنی کمیں دامی سے ہم محرومِ صید اس چمن میں اپنی قسمت کی نگونساری بھی دیکھ

مکر کے پھندے میں شہبازِ مراکش آگیا اُمتِ عیسیٰ کا آئینِ جہانداری بھی دیکھ

سازِ عشرت کی صدا مغرب کے میدانوں میں سن اور ایران میں ذرا ماتم کی تیاری بھی دیکھ

چاک کر دی تُرکِ ناداں نے خلافت کی قبا سادگی مُسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

صورتِ آئینہ سب کچھ دیکھ اور خاموش رہ

شورشِ امروز میں محوِ سرودِ دوش رہ

اقبال

عندلیبِ حجاز
کی نذر
(حضورِ رسالت پناہی میں)

مسجد شاہی لاہور میں ایک جلسہ ۶۔ اکتوبر ۱۹۱۱ء کو ترکی اور اطالیہ کے قضیہ نامرضیہ کے متعلق اظہار رنج و افسوس کے لئے منعقد ہوا تھا جس میں بہت سی پُرجوش تقریریں ہوئیں اور مسلمانانِ لاہور نے یکدل و یکزبان ہو کر اطالیہ کے جابرانہ حملہ کی نسبت اپنی ناراضگی ظاہر کی۔ اس وقت جناب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب کی اس مختصر مگر پُرسوز نظم نے حاضرین پر ایک وجد کی کیفیت طاری کر دی تھی۔ شیخ صاحب ممدوح نے ان اشعار پر نظرِ ثانی فرما کر انہیں بہ غرضِ اشاعت ہمیں عنایت کیا ہے :۔

گراں جو مجھ پہ یہ ہنگامۂ زمانہ ہوا — جہاں سے باندھ کے رختِ سفر روانہ ہوا
قیودِ شام و سحر میں بسر تو کی لیکن — نظامِ کہنۂ عالم سے آشنا نہ ہوا
ہوا رفیقِ اجل اشتیاقِ آزادی — سمندِ عمر کو اک اور تازیانہ ہوا

فرشتے بزمِ رسالت میں لے گئے مجھ کو
حضورِ آیۂ رحمت میں لے گئے مجھ کو

کہا حضور نے اے عندلیبِ باغِ حجاز — کلی کلی ہے تری گرمیِ نوا سے گداز

ہمیشہ سرخوشِ جامِ ولا ہے دل تیرا — فتادگی ہے تری غیرتِ سجودِ نیاز
اُڑا جو پستیٔ دُنیا سے تو سوئے گردوں — سکھائی تجھ کو ملائک نے رفعتِ پرواز

نکل کے باغِ جہاں سے برنگِ بُو آیا
ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تُو آیا

"حضور! دہر میں آسودگی نہیں ملتی — تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاضِ ہستی میں — وفا کی جس میں ہو بُو وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں — جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے تری اُمت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں"

اقبال

ماں کی لوری

حضرت سرور جہان آبادی کے کلام کا یہ بقیہ اس پرچہ میں درج کیا جاتا ہے اور افسوس ہے کہ اب ہم مرحوم کے کلام سے ناظرین کی نظر نوازی نہ کر سکینگے۔ اللہ باقی دُنیا فانی۔

نہ وُہ گول گول سورج۔ نہ وُہ کرنیں ہیں سنہری — نہ شفق کی ہے وُہ سُرخی۔ نہ وہ گہری گہری رنگت
لبِ بام چاندنی کی۔ ہے عجب بہارِ دلکش — جو ہوا ہے بھینی بھینی۔ تو نسیم ٹھنڈی ٹھنڈی

ہُوئی شام چھپ گیا دن۔ نکل آئے چاند تارے

ہے عجب سکوت افزا۔ شبِ ماہ کا بھی منظر — یہ سماں ہے پیارا پیارا۔ کہ طلسم سحر افسوں

نہ وہ گیت قمریوں کے۔ نہ صدا ہی بلبلوں کی نہ سرود خواں ہیں چڑیاں۔ نہ غزل سرا کبوتر
کہ پرند گا کے نغمے۔ سو گئے آشیاں ہمارے

کبھی دن بہار کے ہیں۔ کبھی ہیں سہانی گھڑیاں کبھی جھڑ رہے ہیں پتے۔ کبھی ہے خزاں کا موسم
کبھی خاک اڑ رہی ہے۔ کبھی گرمیوں کی رُت ہے کبھی دَل ہیں بادلوں کے کبھی مینہ کی ہیں جھڑیاں
ہے عجب بہارِ قدرت۔ کہ ہیں نت نئے نظارے

یہ کرے جو نور کے ہیں نہیں خالی ان کی بستی ہیں کہیں پہاڑ ان میں کہیں ان میں دشت و صحرا
کہیں بہ رہے ہیں دریا۔ کہیں وادیوں کا منظر کہیں اُگ رہا ہے سبزہ۔ کہیں ہے گھٹا برستی
کہیں ننھے ننھے پودے۔ کہیں پھول پیارے پیارے

ابھی شام ہو رہی تھی ابھی تھی افق پہ سرخی ابھی ڈھل رہا تھا سایہ۔ ابھی آسمان تھا نیلا
ابھی دن ہوا ہے آخر۔ ابھی پڑ رہی تھیں کرنیں ابھی چھپ رہا تھا سورج۔ ابھی چاندنی ہے چھٹکی
ابھی آگ کا تھا گولا۔ ابھی آگ کے شرارے

ہوئی گم وہ مکھیوں کی جو تھی دن میں بھنبھناہٹ نہ رہا وہ غل غپاڑہ کہ ہے ہر طرف خموشی
نہ لوا کی اب صدا ہے۔ نہ وہ فاختہ کی کوکو نہ وہ تیز تیز جھونکے۔ نہ ہوا کی سنسناہٹ
کہ ہے محو خواب سبزہ لبِ نہر اک کنارے

نہیں محویت یہ اچھی۔ مرے لال! ابتو سو جا کہ ہے رات بھر کی مہماں۔ یہ بہار بزم قدرت
نہ یہ آسماں رہیگا۔ نہ یہ انجمن رہیگی کبھی تاروں کی ہے حسرت۔ کبھی چاند کی تمنا
یہ بتا رہے ہیں مجھکو تری آنکھوں کے اشارے

میں تھپک تھپک کے کب سے تجھے دے رہی ہوں لوری کبھی چومتی ہوں ماتھا۔ کبھی لیتی ہوں بلائیں
مری چھاتی سے لپٹ جا۔ نہ ہو بیقرار اتنا مری آنکھ ہے جھپکتی، کہ گذر گئی شب آدھی
ترے صدقے جاؤں سو جا۔ مری آنکھوں کے تارے

مسلم یونیورسٹی

فصلِ گل آئی چمن میں پھر ہوا سودا ہمیں
بیٹھے بیٹھے چکر آئے ہمنشیں لینا ہمیں

ہاتھ اب بڑھتے نہیں اپنے گریباں کی طرف
ہنستی ہے خلقِ خدا آتا ہے جب رونا ہمیں

دل میں بھولے سے نہیں آتی ہے اب لیلیٰ کی یاد
آنکھیں دکھلاتی ہے اسکی صورتِ زیبا ہمیں

خودبخود نفرت ہوئی جاتی ہے حسن و عشق سے
کیا کرے کی الفتِ گیسو بھلا رسوا ہمیں

مصحفِ رخسار اُس کے یاد آتے نہیں
دل ہے سیپارہ الٰہی غم ہے یہ کیسا ہمیں

چارہ گر بھی دنگ ہیں یہ ہے نئی دیوانگی
طوق کی حاجت نہ ہے زنجیر کا کھٹکا ہمیں

وادیِ وحشت کی جانب اب نہیں اٹھتے قدم
اب جنوں تو نے کیا مبہوت کچھ ایسا ہمیں

سنگِ طفلاں کا نشانہ کون ہوگا خلق میں
جذبۂ دل لیجاتا ہے کب سوئے صحرا ہمیں

ابر کے آتے ہی نفرت اور بھی مے سے ہوئی
خوش نہیں آتا ہے ذکرِ ساغر و مینا ہمیں

مہوشوں کی صحبتوں سے بھاگتے ہیں دور دور
باغ میں آتا نظر ہے پھول بھی کانٹا ہمیں

چٹکیاں لیکر کوئی کہتا ہے رو کر زار زار
دل مچلتا ہے چلو لیکر لبِ دریا ہمیں

ضبط کہتا ہے نہ آئے لب پہ ہرگز رازِ عشق
درد کہتا ہے کہ دردِ دل ہے کچھ کہنا ہمیں

ہل رہے ہیں خود بخود لب بہ رہے ہیں جوئے اشک
آج ہے منظور یارب ذکر یہ کس کا ہمیں

یہ بلندی سے گرا ہے کون پستی کی طرف
کونسی وہ قوم ہے جس کا کہ ہے رونا ہمیں

دھاک کس کی خلق میں بیٹھی ہوئی تھی ہر طرف
اب نہیں آتا نظر اس میں کوئی ویسا ہمیں

کون تھی وہ قوم جو حکمت سے مالا مال تھی
حال کس کا اب نظر آتا ہے افسانا ہمیں

علم کے دریا بہائے خلق میں کس قوم نے
ناؤ کس کی ڈوبتی ہے کچھ نہیں پروا ہمیں

کس نے عالم کو سکھایا خُلق و اخلاق و ادب　　آپ کو بھی کچھ خبر ہے آ تا تھا کیا کیا ہمیں
فلسفہ جغرافیہ حکمت میں تھا ممتاز کون　　کیا زمانہ تھا کہ مانا کرتی تھی دُنیا ہمیں
کیا ستم ہے سیکھ کر تاریخ دانی خلق میں　　غیر قومیں دے رہی ہیں آج کیا دھوکا ہمیں
وُہ تجارت اور وہ صنعت کہاں جو پہلے تھی　　اب نظر آتا نہیں انجام کچھ اچھا ہمیں
اَے مُسلمانوں نہیں کے ہم بھی تھے نورِ نظر　　آج دیکھو تو نہیں ہے کچھ غمِ فردا ہمیں
نام آور ہم ہوتے تھے آہ جس تعلیم سے　　ذکر اُس کا اب کتابوں میں نہیں ملتا ہمیں
خلق کہتی ہے کہ چھوٹا مُنہ بڑی یہ بات ہے　　کھو دیا اس طرح سے آخر نہ کچھ آیا ہمیں
رات دن عیش و طرب کی صحبتیں ہیں اور ہم　　ٹھوکریں کھلوا رہا ہے ساغر و مینا ہمیں
وقت جاتا ہے مگر اس کی نہیں کچھ ہمکو قدر　　کام وہ کرتے نہیں جو کچھ ہے کرنا ہمیں
ہند میں ہوتی ہے اب تیار یونیورسٹی　　علم کا ہر گھر میں آجائیگا اب چرچا ہمیں
آگیا وہ وقت وعدو نکو کرو اپنے وفا　　جو کہ دینا ہے وہ تم دل کھول کے دینا ہمیں
نام کر جائیں زمانہ میں تو اہل چھوڑ کر　　ہر طرح اس کی مدد ہے خلق میں دینا ہمیں
خود بھی دیں اوروں سے بھی لو ہیں ہم اس کام میں　　ہاے گر ہمت کہے گی خلق پھر کیا کیا ہمیں
چاہیئے انجام پر ہر وقت حیرت سے نظر　　کیا زمانہ میں ملیگا وقت پھر ایسا ہمیں
سب کی نظروں میں رہینگے آہ ہم کبتک حقیر　　کیا سمائی دل میں ہے اب کچھ نہ آئیگا ہمیں
بحرِ غم میں پھر نہ ڈوبے گا بیڑہ قوم کا　　درست و پاکا گر ہلانا اب بھی کچھ آیا ہمیں
یا الٰہی خلق میں دے تو ہمیں توفیقِ نیک　　شرم دامنگیر ہے افعال سے کیا کیا ہمیں
اَنتَ لِحَمدِہٖ یا رب رحم کر اور جلد کر　　واسطہ اس کا کیا جس کے لئے پیدا ہمیں
اب تباہی کے نہیں سامان آتے ہیں نظر　　کوئی دُنیا میں نظر آتا نہیں اپنا ہمیں
سخت حیرت ہے کرینگے ہم ترقی کس طرح　　آفتوں نے ہر طرف سے آکے ہے گھیرا ہمیں

اب نہ وہ خلق و مروت ہے نہ باقی رسم و راہ — اپنے اعضا دے رہے ہیں آجکل ایذا ہمیں
رات دن جھگڑے ہیں اور نئی باتوں پر جنگ — اب نہ وہ ہمدردیاں نے پاس ہے اپنا ہمیں
جو سکھایا تھا بزرگوں نے نہیں اُسکی خبر — کردیا ایسا جہالت نے ہے کچھ اندھا ہمیں

یہ حکایت کیسی ہے ماہر کرو حق سے دُعا
جیسے پہلے ہم تھے یارب کردے تو ویسا ہمیں

ماہر کستوری

مُناجات

یہ نظم صنعت ذو بحرین میں لکھی گئی ہے یعنی اس کا ہر ایک مصرع دو مختلف بحروں میں پڑھا جاسکتا ہے۔ دونوں بحروں کے اوزان یہ ہیں :۔

(۱) مفتعلن مفتعلن فاعلن۔

(۲) فاعلاتن فاعلاتن فاعلن ۔

اے میرے اللہ میرے پروردگار — نعمتوں کا تیری ہو کیونکر شمار
کون ہے جو کرسکے تیری ثنا — ہے ترے اوصاف کی کیا انتہا
تونے ہی پیدا کیا انسان کو — اور یہ رتبہ دیا انسان کو
اشرفِ مخلوق کا بخشا خطاب — ذرہ جو تھا ہوگیا وہ آفتاب
تونے ہی انسان کو بخشی زباں — تونے ہی بخشے اسے لب اور دہاں
تونے ہی انسان کو ناطق کیا — تونے ہی سب پر اسے فائق کیا
عقل بھی بخشی اسے اور جان بھی — باطل و حق چیز کی پہچان بھی

جان دی ایماں دیا اور دل دیا — تھا نہیں کچھ بھی اسے سب کچھ کیا
طیر کو تو نے دیئے اک مشت پر — شیر کو تو نے دیئے دل اور جگر
بحر کو تو نے کئے گوہر عطا — باغ میں تو نے دیئے ہیں گل کھلا
دیدۂ مخلوق سے تو ہے نہاں — پا نہیں سکتا کوئی تیرا نشاں
آنکھ سے مفقود ہے تو اے خدا — ہر کہیں موجود ہے تو اے خدا
ہے گلِ گلشن میں بھی تیری ہی بُو — نغمۂ بلبل میں بھی ہے تو ہی تو
لب پہ ہیں سب کے تری وحدت کے گیت — گاتے ہیں طائر تری قدرت کے گیت
یاد میں ہیں تیری ہی سب قمریاں — ڈھونڈھتی کوکو سے ہیں تیرا نشاں
سرو پر آکر جو ہیں نغمہ سرا — جھومتا ہے سُن کے وُہ تیری ثنا
کوہ کو حالت جو یہ سکتے کی ہے — چھا گئی ہیبت تری اُس پر بھی ہے
بحر کو بھی ہے تری ہی جستجو — ڈھونڈھتا ہے تجھ کو بھی یہ سُو بسُو
پاتا ہے بے سُود جب اپنی تلاش — کرتا ہے سر کوہ سے پھر پاش پاش
ڈھونڈھتے ہیں تجھ کو مہ اور آفتاب — یاد میں ہے تیری ہی گریاں سحاب
چلتی ہیں دن رات جو یہ آندھیاں — تیرے ہی پانے کو ہیں ہر سو دواں
خم ترے آگے سرِ شاہ و گدا — تابعِ فرماں ترے ارض و سما
تو نے جو فرما دیا وُہ ہو گیا — کر نہیں سکتا کوئی چون و چرا
رحم کر اب ہند پر اے کردگار — فضل سے تیرے ہو یہ بیڑا بھی پار
ہند سے اب جہل کو تو دُور کر — روشنی سے علم کی معمور کر
دُور کر اب ہند سے یارب نفاق — بھیج دے اس کی جگہ تو اتفاق
حال جو بد اس کا ہے، ہو جائے نیک — قومیں ہیں جو ہند میں ہو جائیں ایک

حامد خستہ کی ہے یہی دُعا
ہند کو ہو ثروت و حشمت عطا

حامد حسن قادری بچھراونی

اِشتیاقِ یار

مَیں میٹھی نیندوں سے جاگتا ہُوں بوقتِ شب بیقرار ہوکر
صَبا کے جھونکے رواں ہوں جس دم ستارے چمکیں شرار ہوکر
میں میٹھی نیندوں سے جاگتا ہوں تری طرف اُٹھکے بھاگتا ہوں
اُٹھے ہی آتے ہیں تیرے در تک یہ پاؤں بے اختیار ہوکر

پہنچکے نہرِ خموش و تاریک پر جو دھیمی رواں صَبا ہو
مہک بھی چنپا کی ہو چلے کم خیالِ خوش جیسے خواب کا ہو
لپٹ کے بُلبُل کے دِل سے رہ جائے جس طرح پرفغان بلبل
لپٹ کے تیرے گلے سے بالکل جو مَیں بھی مرجاؤں پھر مزا ہو

میں غش میں مرتا ہوں رہ چکا ہُوں اُٹھا مجھے مرغزار سے تو
برس مرے چشم زرد و لب پر بلائیں لے لے کے پیار سے تو
خنک ہیں اور زرد گال میرے ہی تیز و پُرشور دِل کی دھڑکن

دل حزیں کا یہیں ہے مدفن ہٹا نہ اس کو کنارے تو

خواجہ دل محمد ایم۔ اے لاہور

"مثنوی نیرنگ سحر"

یعنی

دشینت و شکنتلا کا مشہور افسانہ

(من تصنیف اقبال ورما سحر)

منشی اقبال ورما صاحب سحر نے یہ نظم ایک سنسکرت کے قدیم ناٹک سے ترجمہ کر کے عنایت کی ہے۔ چونکہ اردو زبان میں ایسے مضامین کی بہت ضرورت ہے اور اس سے ایک گونہ مسرت ہوئی ہے کہ ہمارے تعلیم یافتہ ہندو بھائیوں کو اس طرف توجہ ہوئی ہے۔ لہٰذا ہم شکریہ کے ساتھ اس مثنوی کو شائع کرتے ہیں۔ اور اُمید وار ہیں کہ لائق دوست اس کے باقی ابواب بھی ہمیں کو عنایت کرینگے :۔

باب اوّل

"عشق کی کرامات اور شکنتلا کی پیدائش کے حالات"

رُباعی

(حمد)

یا ہادیِ گمراہ و گنہگار مدد یا رحم نمائے بندۂ زار مدد

یا چارۂ دردِ دلِ لاچار مدد　　یا حامیٔ مطلق و مددگار مدد

(۲)

(اسی باب کا ماحصل مطلب)

اے عشق ترے نفس نے کیا کیا کیا　　پھر کیا رہا جب حق سے بھی بیگانہ کیا
حاصل یہ کہ سحر اپنے حسبِ اطوار　　اچھا کیا تو نے یہاں اچھا نہ کیا

لکھتا ہے جو داستانِ دلکش　　یوں خامہ سے ہے بیانِ دلکش
قصہ ہے کہ جوئے گومتی پر　　تھا ایک عدیم نیک اختر
تھا بسومتر نام اُس کا　　بس حق پہ عمل تھا کام اُس کا
وہ بس کہ اسیرِ معرفت تھا　　صحرا تصویرِ معرفت تھا
وحدت کی چمک نہاں تھی ہر سو　　قدرت کی جھلک عیاں تھی ہر سو
غنچہ تھا تو دھیان میں جھکا تھا　　گل تھا تو خوشی سے ہنس رہا تھا
لاتی تھی صبا ہوائے جنت　　یوں دہر میں تھی فضائے جنت
اک صفحۂ راز برگ تر تھا　　اک زاہدِ مست ہر شجر تھا
موجوں کی وہ آب میں روانی　　کہتی تھی فسانۂ نہانی
پانی میں حباب کے وہ مستی　　دکھلا رہی تھی فریبِ ہستی
اٹھتا تھا یہ پردۂ حقیقت　　ہر شے میں تھا جلوۂ حقیقت
اس طرح وہ عابدِ خردمند　　تھا محوِ عبادتِ خداوند
بوئے گلِ خاص پیرہن میں　　تھی راحت راست اسکے تن میں
تھا یادِ خدا میں وہ جو بس اک　　پُر رشک ہوا دلِ ملائک
اک اک نے حسد سے ہاتھ جھاڑا　　یوں کھیل بنا ہوا بگاڑا

بلوا وہیں حور مینکا کو | بتلایا سبھوں نے مدعا کو
درویش کی بندگی بگڑ جائے | یوں باغِ دعا میں اوس پڑ جائے
بولی وہ کہ سہل بات پائی | یہ کہکے چلی زمیں پہ آئی
پہنچی وہ مہارشی کے بن میں | اک پھول نیا کھلا چمن میں
سنگار سے سج سجا کے پہنچی | وہ نزدِ فقیر جا کے پہنچی
بے پردہ تھا نورِ حسنِ دلکش | ظاہر تھا غرورِ حسنِ دلکش
مستی خرام کا یہ تھا حال | فتنہ تھا قدم قدم پہ پامال
آئی وہ لگاتی سوز کی آگ | گاتی ہوئی حسن و عشق کے راگ
بس محوِ صدا سے نغمہ زا تھے | خاموش طیورِ خوش نوا تھے
کرتی تھی الاپ بے خبر دل | لوٹا جاتا تھا رقص پر دل
صحرا میں غرض جو گونج اٹھی تان | چھوٹا عابد کا ایک دم دھیان
دیکھا تو تھی اک نگارِ خوشرو | بس دل میں سمائی عشق کی بو
آنکھوں نے دیئے وہ جام سرشار | کچھ بھی نہ رہے حواس زنہار
جوبن میں بھرا ہوا تھا جادو | اس تن میں بھرا ہوا تھا جادو
دیوانہ بنایا ہر ادا نے | زائل کئے ہوش دلربا نے
انداز پہ دل ہوا تھا قرباں | آواز پہ دل ہوا تھا قرباں
پہلے تو تھا بندۂ خدا وہ | اب بندۂ بت وہیں ہوا وہ
اس دل میں فروغِ حق جہاں تھا | اک جلوۂ باطل اب وہاں تھا
گمراہ تھا نورِ بت سے وہ پیر | پیدا تھا یہ روشنی میں اندھیر
ہر چند تھا فکرِ راہِ رم میں | ششدر ساکت تھا ہر قدم میں

یاد آگئیں حسرتیں نکل کر | ارمان بھرے مچل مچل کر
ہمت دی نفس نے بلا کی | جرأت ہوئی عرضِ مدعا کی
ظاہر ہوئی حالتِ نہانی | اُس رنگ پریدہ کی زبانی
تھی بسکہ ہوئی وہ مدعا کوش | حد دلکشی سے ہو گئی ہم آغوش
وہ پاک خیال بڑھ سے نکلے | ارمان ادھر ادھر سے نکلے
دونوں ہوئے خطِ وصل میں چور | ہمنے لیا آفتاب سے نور
میعادِ عمل عرض گذر کر | نکلا وہ جسد میں نورِ انور
یعنی دخترِ ایک دلبری سے | جادو ہی اعیاں ہوئی پری سے
آنچل پہ اٹھایا مینکا نے | دامن میں رکھی کلی صبا نے
شرمائی ہوئی ادا سے آئی | عابد کی بغل حیا سے آئی
بولی کہ اے نکتہ دانِ الفت | لے نذر یہ ارمغانِ الفت
اس نور کی جا نظر میں رکھنا | ہاں نقشِ وفا کو بر میں رکھنا
اچھا تو وطن کی ہو اجازت | جانے کی عطا ہو مجھکو رخصت
دیکھی جو وہ دخترِ ماہ پارہ | عابد کو ہوا غضب نظارہ
اُس غنچہ کو دیکھ وہ ہوا زرد | کر یاد سبب کو اک ہوا درد
تصویر سی چشم ہو گئی وا | حیلہ کا گرا نظر سے پردا
آنکھوں سے اڑا خمارِ غفلت | جانا کہ بگڑ گئی عبادت
منہ پھیر حجاب کر گیا وہ | بس خوفِ خدا سے ڈر گیا وہ
ہو کر کے غریقِ بحرِ افسوس | بولا صد حیف بختِ معکوس!
اے نفس کیا یہ تو نے کیا ہائے | کیسی ہوئی بھول یہ خطا ہائے

تقوے کا مٹا نشاں صد افسوس محنت ہوئی رائگاں صد افسوس
یہ کہکے وہ ہو کے زار رویا بس سوز سے شمع وار رویا
دیکھی جو پری نے کج ادائی کچھ قسمت پہ اپنی مسکرائی
اس جا پہ بُت حسیں کو چھوڑا دریا نے گہر زمیں کو چھوڑا
آہستہ وہاں سے خود اُٹھ آئی جنّت کو چلی اُڑی ہوائی
واں بسوامتر کو نہ تھا ہوش تھیں دار و دخت سب فراموش
دُنیا کی نہ اُسکو تھی خبر کچھ غم تھا عقبے کا تھا بھی گر کچھ
چھوڑا اس دخت کی زمیں کو دیوانہ سا چلدیا کہیں کو
درویش تھا کنو اِک نکوکار ناگہ واں پر ہوا نمودار
دیکھا تو تھی خاک جا میں تنویر آئینہ میں حسن کی تھی تصویر
اِک ہنس تھا سر پہ سایہ افگن شعلہ سا نہاں تھا زیر دامن
خوبی کی تھی اِک نرالی صورت پیاری تھی وہ بھولی بھالی صورت
تھا بلکہ رحیم پیر دانا واجب اُسے چھوڑنا نہ جانا
معصوم پہ اس کو رحم آیا آنکھوں پہ لیا گلے لگایا
گھر لایا غرض اُسے وہ خوشکام رکھا اس کا شکنتلا نام

رہتی تھی سہیلیوں میں بن میں
بڑھنے لگی شاخ گل چمن میں

انتظارِ مرگ

انگلستان کے سحر نگار شاعر مسٹر رڈیرڈ کپلنگ کی والدہ نے اپنے انتقال سے تھوڑی مدت پہلے ایک نظم انگریزی میں انتظارِ موت کا نقشہ کھینچا تھا اس کا ترجمہ نظم اردو کے شائقین کے مطالعہ کے لئے ذیل میں درج ہے :۔

کھڑکی سے دیکھتی ہوں ضیائے نخستِ صبح
اُٹھتی کہر ہے دہر میں اک پیکِ چُستِ صبح
کیا پردہ دستِ قدرتِ حق سے ہے اُٹھ رہا
جس کے تلے تھا رات جہاں سر بسر چھپا
کھڑکی سے رُوح کی بھی کبھی صبحِ ممات
دیکھوں گی کھینچتا ظُلَمِ حاجب الحیات
یعنی قدم کے روزِ مکمل کی روشنی
دے گی مٹا حدوث کی گھنگھور تیرگی

سی۔ جہنہ۔ صادق۔ (احمد پور)

کلامِ حامد

ہمارے مکرم مسٹر حامد علی خاں صاحب بیرسٹر ایٹ لا۔ لکھنو کبھی کبھی اپنے تازہ نتائجِ افکار سے مخزن کو گنجینۂ گوہرِ معانی بنا

کرتے ہیں۔ ذیل کے اشعار ان کے تازہ نتائج فکر سے ہیں:-

خوب ڈھونڈا اپنا زیرِ آسماں کوئی نہیں
آشنا یوں سب ہیں وقتِ امتحاں کوئی نہیں

کی مری آنکھوں نے قائم یہ عجب حدِ نظر
فلسفی کہنے لگے سب آسماں کوئی نہیں

تسلی غمگساروں کو دلِ دردآشنا دینا
ہجومِ غم میں بھی جب بات کرنا مسکرا دینا

چلن کر اختیار ایسا کہ دشمن دوست ہو جائیں
جہاں رہرو قدم رکھیں وہاں آنکھیں بچھا دینا

گو کہ سرحدِ تصور سے ہی باہر کوئے دوست
آ رہی ہے صاف لیکن ہم کو حامد بوئے دوست

رشک تم پر کیوں کریں ہیں ساکنانِ کوئے دوست
دوست دشمن سب ہمیں آتی ہے یکساں بوئے دوست

بولتی تصویر ہے شہرِ خموشاں کی ہر ایک
اس طرح چپ بیٹھے ہیں سب ساکنانِ کوئے دوست

ایک عالم سخت جانی سے مری ممنون ہے
وجد میں ہیں دیکھ کر سب قوتِ بازوئے دوست

سحر ہے اعجاز ہے کچھ بھی نہیں اک بات ہے
دل کے آنے کو کہا کرتے ہیں جادوئے دوست

جب سے دل کو بھا گئے سب آفتِ جاں ہو گئے
رُخ وہی ہے قد وہی ہے اور وہی گیسوئے دوست

حامد علی خاں حامد

جلوۂ جانِ جاناں

دیکھ برزخ میں ہوا جلوۂ طاؤسِ حرم
جانِ جاناں ہے یہی رونقِ صد باغِ ارم

کیفِ وجدان میں ہیں نظارگیِ حسنِ صنم — شوقِ جلوہ ہے تو آ دیکھ تماشا کوئی دم
جو کوئی آ کے ملا وہ بھی ہوا دریا دل — آشنا بحرِ تعرف کے ہیں کیسے حاتم
پھر یہ دیدار کہاں جلوہ ناگاہ سمجھ — دیکھ دم بھر میں ہوئی جاتی ہے صحبت برہم
ایک نیرنگ ہے یہ رنگِ تماشا سالک — رم تماشے میں لگا شوق کے ہے شوق کو رم
کیف کا کیف ہے کم ذوقِ تماشا کیا ہو — جذبۂ شوق جو ہو کیف کا نشہ ہو نہ کم
حال کی قدر نہیں وقت کی تحقیر نہیں — ہوش در دم کو سمجھ دم ہے یہ دم بھر میں عدم
نقشِ موہوم مٹا واہمہ خلّاق نہ بن — کوچۂ وہم کی ہے راہ بہت خم در خم
دیکھ وہ سروِ سرافراز ادھر ہے مائل — خاکسار اس کو پسند آئے تری سر کی قسم
سینہ بریاں جو ہوئے اُن کا ہوا وہ دمساز — دیکھتا ہے جگرِ خستہ و چشمِ پُر نم
ناظرِ جلوہ ہیں وہ جو ہیں سعیدانِ ازل — جن کا ہے طالعِ فرخندہ نہیں بخت دژم
روبرو کیوں نہ ہو یہ آئنہ غیب و شہود — چشمِ باطن جو ہوا ہوش کے ہو گئے تاہم
پاسِ انفاس کے جادے سے چلا آ سالک — دل میں وہ بانگِ جرس گونج رہی ہے پیہم
خاکسارانِ طریقت کے جہاں میں جو آئے — اُسکو آ جائے نظر جلوۂ طاؤسِ حرم
شام سندر ہے اسی بن کی گپھا میں پنہاں — لے نوازی میں ہے سرمست وہ جانِ عالم
کنزِ مخفی ہے وہ استارِ خفی میں پنہاں — چشمِ اخفیٰ کو ہے مشہود دی سرِّ اعظم
خلوتِ دل میں یہی ایک ہے دمساز انیس — رابطہ دل سے ہوا انسِ جان و ہمدم
جذبۂ شکر ہے مجذوب تماشا ہے نظر — دیکھ لے سالکِ مجذوب نگاہِ محرم
کیوں نہ ہو جلوۂ مستور تجلّی پیکر — مظہرِ فیض ہوئی ہے کششِ کافِ کرم
ساقی اے محوِ تغافل تجھے کچھ ہوش نہیں — خود نما جلوہ ہوا جلوہ نمائے عالم
یہ دمِ چند جو صحبت ہے غنیمت ہی سمجھ — دیکھ لے شوق سے تو بھی رُخِ زیبائے صنم

بے ہمہ باہمہ ہو تو بھی خود آرا بنکر وسوسہ ہو نہ کوئی خطرہ مسرت ہو نہ غم
خود شناسی کی خدائی میں جدائی ہے کہاں رنگ تسکیں میں ہے تمکین تعجب نہ بھرم

وصل عریاں جو ہوا پردہ حائل نہ رہا
طلب و طالب و مطلوب ہوئے ہیں باہم

عریان خراباتی ساقی دہلوی

دلِ بیقرار سو جا

عنوانِ بالا پر جناب سرور جہاں آبادی کی پُر درد نظم جو فروری ۱۹۱۶ء کے مخزن میں شائع ہو کر منظورِ نظرِ ناظرین ہوئی تھی۔ اُس پر یہ خمسہ ہمارے عنایت فرما جناب انجم صاحب نے اشاعت کے لئے ہمیں عنایت کیا ہے۔ اُمید ہے کہ یہ بھی دلچسپی کا باعث ہوگا:۔

نہ تڑپ کسی کے غم میں نہ ہو اشکبار سو جا نہ کر آہ و نالۂ ظالم تو یوں بار بار سو جا
لے اب آنکھیں بند کر بھی ارے میرے یار سو جا کسی مست خواب کا ہے عبث انتظار سو جا
کہ گذر گئی شب آدھی دلِ بے قرار سو جا

تیرے حال سے ہے غافل وہ ستم شعار سو جا وہ وفا کرے گا وعدہ نہ کر اعتبار سو جا
سوئے در نگاہ کیوں ہے میرے غمگسار سو جا کسی مست خواب کا ہے عبث انتظار سو جا
کہ گذر گئی شب آدھی دلِ بیقرار سو جا

یہ بسی ہوئی چمن سے ہوا آ رہی ہے جس کے یہ شمیم روح پرور ہو دماغ تازہ جس سے

یہ اندھیری بھیگی شب کی یہ فلک پہ چھٹکے تارے — یہ نسیم ٹھنڈی ٹھنڈی یہ ہوا کے سرد جھونکے

تجھے دے رہے ہیں لوری میرے غمگسار سو جا

کہیں اضطراب تیرا مجھے متّہم نہ کر دے — ترا ہر گھڑی تڑپنا مجھے متّہم نہ کر دے

کہیں تیرا جوشِ گریہ مجھے متّہم نہ کر دے — تری یہ صدائے نالہ مجھے متّہم نہ کر دے

میرے پردہ دار سو جا میرے راز دار سو جا

کہیں یہ گمان اس کو ترا رنج و غم نہ کر دے — وہ سمجھ کے اپنا عاشق کہیں بد گماں نہ کر دے

تری آہ و بیقراری کہیں یہ ستم نہ کر دے — تری یہ صدائے نالہ مجھے متّہم نہ کر دے

میرے پردہ دار سو جا میرے راز دار سو جا

ابھی نوجوان ہے تو نہیں عاشقی کے قابل — ابھی بے زبان ہے تو نہیں عاشقی کے قابل

کہ ذرا سی جان ہے تو نہیں عاشقی کے قابل — ابھی دھان پان ہے تو نہیں عاشقی کے قابل

تپش کا یہ شیوہ نہ کر اختیار سو جا

ذرا دیکھ اپنی صورت کبھی کیسی تھی کھلی مل — یہ ذرا سا جاگنے سے ہوا کیسا حال اے دل

تجھے منع کرتے تھے ہم کہ نہ ہو تو اس پہ مائل — ابھی دھان پان ہے تو نہیں عاشقی کے قابل

تپش کا یہ شیوہ نہ کر اختیار۔ سو جا

نہ مچل ارے او ضدی تجھے کس طرح سنبھالوں — یہ نظر لگی ہے کس کی ادھر آ تری بلا لوں

تجھے بانہوں میں جگہ دوں تجھے آنکھوں میں بٹھا لوں — نہ تڑپ زمیں پہ ظالم تجھے گود میں اٹھا لوں

تجھے سینہ سے لگا لوں تجھے کر لوں پیار سو جا

ابھی بھولتی نہیں ہے مجھے جس کی پیاری صورت — تری نیند جس نے کھوئی ہے وہ ہے محوِ خوابِ راحت

تجھے ہے خیال جس کا تجھے جس کی ہے محبت — تجھے جس کا ہے تصور ارے مستِ جامِ الفت

انہیں انکھڑیوں کے صدقے میرے بادہ خوار سو جا

ہے غنیمت بیقراری تیرا ہے ستم تڑپنا کہیں ہو بجا تے اک دن تیرے حق میں ستم تڑپنا
نہ بیلے لے جان آخر شب رنج و غم تڑپنا تجھے خوں رُلا رہا ہے ترا دمبدم تڑپنا
تیرے غم میں آہ کب سے میں ہوں اشکبار سوچا

تجھے کیا یہ ہو گیا ہے جو کسی پہ مبتلا ہے یہ فضول رو رہا ہے یہ عبث تڑپ رہا ہے
اسی دن کو ہم نے ناداں تجھے بار ہا کہا ہے تجھے پہلا سابقہ ہے شب غم بری بلا ہے
کہیں مر مٹے نہ ظالم دلِ بیقرار سوچا

انجم۔ از گیا

علم

توہی ہے اے علم ہر جا زینہ بامِ عروج تیری برکت سے ہوا آفاق میں نامِ عروج
رہنمائے منزلِ مقصد ہے تو سب کے لئے تو نسیمِ صبح ہے ہر غنچہ لب کے لئے
تیرے ہی زیرِ قدم ہے خسروی کی افسری دہر میں قائم ہے تیرے دم سے شانِ قیصری
تیری پابوسی سے پہنچے آدمی افلاک پر سرکشی تجھ سے گراتی ہے بشر کو خاک پر
کنجِ آسایش میں گنجِ شائگاں تجھ سے ملے عالمِ فانی میں عمرِ جاوداں تجھ سے ملے
تیرے دم سے نت نئی ایجادیں ہیں آفاق میں تیرے ہر جلوہ کی ہر دم یاد ہے آفاق میں
خوش نصیبی شوکت و حشمت ترا انعام ہے تیرا اک خادم ہے یاں اقبال جسکا نام ہے
اہلِ علم کے لئے تو مونس و غمخوار ہے تیری ہی برکت سے یاں ہر اک کا بیڑا پار ہے
تیرا دامن جس نے تھاما وہ ٹھکانے لگ گیا تیری پابوسی میں ہیں پنہاں موز لا فتا

تو ہے اک شانِ ید اللہ خلق کے ہنگام میں | فتح و نصرت ہے تری برکت سے ہر اقدام میں

جو ترے باغِ معانی کی ہوا کھاتے نہیں
باغِ عالم میں کبھی نشو و نما پاتے نہیں

اے چراغِ بزمِ ہستی محفل آرائے جہاں | تجھ سے روشن ہے بیاضِ ہستیِ کون و مکاں
تو ہے اک شمعِ ہدیٰ راہِ حقیقت کے لئے | اک چراغِ نور ہے اہلِ طریقت کے لئے
امتیازِ نیک و بد تیرے سوا ہوتی نہیں | تجھ سے محکم ہے جہاں میں رشتۂ دنیا و دیں
عاشقانِ حق کو تو ہے دیدۂ عین الیقیں | غاشیہ بردار ہیں تیرے جہاں میں ہر کہیں
تجھ سے ہے قائم جہاں میں عزت و شانِ بشر | وہ شجر ہے تو کہ ہے جس کا بہت میٹھا ثمر
تو ہے کانِ عقل و دانش مخزنِ حکمت ہے تو | زینتِ انساں ہے تو زیور ہے تو عزت ہے تو
پایۂ نازِ سخنور زینت افزائے سخن | تو ہے تجھ سے ہی فزوں ہے رونقِ ہر انجمن
فی الحقیقت نوعِ انساں کا تو اک اُستاد ہے | سچ تو یہ ہے تیری برکت سے جہاں آباد ہے

ہر کہ شد شیدائے حسنت عاقل و فرزانہ شد
سرکش از حکمِ تو در بزمِ جہاں دیوانہ شد

قطعہ

ظلم سے اُس بُت کے تنگ آیا تو دل سے کہہ دیا | چھوڑ دے اسکی محبت ہے بڑا وہ بے وفا
بلبل اک ہی جانور لیکن تجھے ہے عقل و فہم | حسن مثلِ گل ہے دونوں کو نہیں اصلا بقا

وہ ستمگر ہے بڑا بے رحم ہی سفاک ہے — بے مروت ہی وہ بدخو ہی سراپا بیوفا
حسن تو جاتا رہیگا خاک میں ملجائے گا — دل لگالے آدمی اُس سے کہ جسکو ہو بقا
مجھ سے یہ سنکر مرے دل نے دیا مجھکو جواب — نام صد افسوس اُلفت کا دیا تو نے مٹا
شاہراہ عشق میں رکھا تھا جب تو نے قدم — تھی قسم کھائی ہمیشہ تو رہیگا باوفا
حسن کی دیوی تو مالک ہی کریں جو چاہے وُہ — اس کی ہر اک بات پر راضی رہے عاشق سدا
جانور تو بیوفائی پر وفا کرتا رہے — اور انساں بیوفائی کا کرے ہر دم گلا
گو وہ ظالم ہے ستمگر ہے ستم ایجاد ہی — یہ بھی تو دیکھو کہ ہے زہرہ جبیں مہ لقا
اور بقائے حسن سے کیا بحث ہی تمکو حمید — یہ کسی کا شعر کیا تم نے نہیں اب تک سنا

شور بلبل کم نگردد گر رود گل از چمن
حسن بے بنیاد باشد عشق بے بنیاد نیست

تازہ غزلیں

حافظ خدا ہی اب فلک فتنہ گر کا ہی — کچھ اور قصد آہ و قیامت اثر کا ہے
سر پھوڑنے کا قصد ہر آشفتہ سر کا ہی — حافظ خدا ہی آج ترے سنگ در کا ہے
ظاہر ہے حسن و عشق کا آپس میں ارتباط — میرا تن نزار جواب اس کمر کا ہے
آشوب حشر کہتے ہیں جسکو وُہ ہو نہو — فتنہ اُٹھا ہوا کوئی اس رہگذر کا ہے
طلسم دیکھئے کہ مجھے کوئے غیر میں — لیجاتے ہیں کہ راستہ یہ میری گھر کا ہے
کیونکر نہ بدگماں ہوں کہ لیتے ہی مجھسے خط — کچھ رخ پھرا ہوا سا مرے نامہ بر کا ہے
اُس بے خبر کو دے خبر اے آرزوئے مرگ — مہماں مریض ہجر ترا رات بھر کا ہے

خود کہہ رہا ہوں وادِ رسا ہے ناز کی طبع
مضمون جو ذہن میں کبھی نازک کمر کا ہے

سیدھا ہوا نہ مجھ سے کبھی پیچ کج ادا
کیا یہ بھی ہم ادا تری ترچھی نظر کا ہے

محشر جو دیکھنا ہو تو ٹھکراتے جائیے
رستے میں مرقد آپ کے شوریدہ سر کا ہے

زاہد دکھا تو اُس میں کوئی ایسا حور وش
مانا ترا بہشت جواب ان کے گھر کا ہے

بگڑی ہوئی یہ کونسی تقدیر بن گئی
یہ بن سنور کے آج ارادہ کدھر کا ہے

محشر میں اوس پڑ گئی نارِ جحیم پر
یہ بھی کرشمہ اک مرے دامانِ تر کا ہے

جس کا ذرا سا عکس تھی موسیٰ کی برقِ طور
منظور وہ میری چشمِ حقیقت نگر کا ہے

دو سُرخ سُرخ اشک گرے میری آنکھ سے
یہ لختِ دل ہے اور وہ ٹکڑا جگر کا ہے

اللہ! کھو گیا ہوں یہ کس کی تلاش میں
اب انتظار خود مجھے اپنی خبر کا ہے

تجھ سے زبان دراز کو کیوں چُپ لگی ہے رعب
غم میری جان اِس دہنِ مختصر کا ہے

ابو الصواب رُعب قریشی انصاری شاہ آبادی

(از حضرت تمنا عظیم آبادی)

خار از نزاکت برگِ گل شکستہ ایم
و ز پیچ زلفِ گیسوی سنبل شکستہ ایم

از نالہ نغمہ بر لبِ بلبل شکستہ ایم
واز خونِ دیدہ رنگ رخِ گل شکستہ ایم

در باغ مدحِ حُسنِ تو بس گل شکستہ ایم
واز شرحِ صدر ما دلِ بلبل شکستہ ایم

نتواں ز دراز احاطہ سودا بروں قدم
پا اندرونِ حلقہ سنبل شکستہ ایم

مثل گلِ رُخِ تو ندیدیم ہیچ گل
در باغِ دہر گرچہ بسے گل شکستہ ایم

در ماہ پاکِ صوم شبِ قدر ما بداں
آں شب کہ روزہ بر قدحِ مُل شکستہ ایم

جز ناکس از زبانِ تو مضمون نیافتہ است — ایں مہر ما بغور و تأمل شکستہ ایم
ساقی بیک نگاہ تو پیمانِ اتقا — در میکدہ بجنبشِ خمِ مُل شکستہ ایم
خاموشیم زبانِ ملامت خموش ساخت — دندانش از جواب تحمل شکستہ ایم

نتواں درست کرد تمنّا سخن ز درد
از بسکہ دل بسنگِ تغافل شکستہ ایم

قومی غزل

(از جناب شیخ اشتیاق احمد مشتاق رئیس سلون ضلع رائے بریلی)

تا بکے قوم کی حالت یوں ہی برباد رہے — غمِ افلاس میں کبتک دلِ ناشاد رہے
قوم صنعت کی تجارت کیطرف ہو مائل — اس میں تا جینے کوئی کوئی حدّاد رہے
ہم غزل چھوڑکے اب کرتے ہیں عشقِ قومی — کتنے دن تک کوئی ہم صحبتِ فرہاد رہے
بال و پر ہم نے نکالے ہیں بہار آئی ہے — کیا ہوا تاک میں رہنے بھی دو صیّاد رہے
کیا عجب ہی کہ نکل آئے نتیجہ کوئی — قوم کی گو نجتی گر ملک میں فریاد رہے
بھولے اے شاہدِ کالج ہمیں سب تیری سوا — سر میں سودا ہو تیرا اور تیری یاد رہے
آئے دن رنگ نکھرتا ہے علیگڈھ تیرا — روز افزوں تیرا یہ حسن خداداد رہے
شاہدِ مقصد و امید سے ہوتا ہی وصال — غم نہیں گردشِ ایام کی بیداد رہے
آغاخاں کیلئے دل سی یہ نکلتی ہے دعا — تو سلامت رہے گھر بھی تیرا آباد رہے
یہ مناسب ہی کہ اب جمع کرو ایک کروڑ — بے مدد کچھ نہیں ہونیکا ہی یہ یاد رہے
درس بنا لینگے اسی طرح کے ہم دارِ علوم — شرط اتنی ہے مگر یہ قوم کی امداد رہے

آہ اب تک تو پہنچ جاتے خدا جانے کہاں — مغربی علم سے مانع ہمیں اجداد رہے
ساتھ آغا کا نہیں چھوڑتے شوکت دیکھو — قوم کے کام میں وہ صورتِ ہمزاد رہے
پوچھے جاتے ہیں زمانے میں صفاتِ ذاتی — باپ دادوں کے وہ بیکار سب اسناد رہے
لگے ہوں غیر مسلمان ہیں ہم بھی افسوس — خوب شاگرد نکل جائے پر استاد رہے
کشتیِ قوم کے لنگر کی ہو اس طرح گرفت — جسکی طاقت سے خجل پنجۂ فولاد رہے
روئے اسلام بسانِ رخِ شیریں سمجھو — الفتِ قوم میں دل صورتِ فرہاد رہے
بی۔اے۔ایم۔اے تو مسلمان بنینگے لیکن — سارے علموں پہ مقدم فنِ ایجاد رہے
ایسے پیمانے پہ ہو زینتِ دارِ علمی — دیکھکر دنگ جسے مانی و بہزاد رہے
شوکتِ قوم کا اک حال بنیگا اس پر — مذہبی علم کی گہرائی میں بنیاد رہے
ان سے ہر حال میں خوش خالقِ عالم بھی رہا — لوگ جو دولتِ انگلینڈ کے منقاد رہے
دوست سرسبز رہیں اور پشیماں دشمن — سلطنت جارج کی یارب یونہیں آباد رہے
قوم کو کیا دردِ دولت سے ملیگا دیکھیں — حیدرآباد بھی آباد رہے شاد رہے
دم مسلمانوں ابھی اس کا غنیمت سمجھو — خوب ہوا کہ عطیہ میں جو ہفتاد رہے

سعی سب مل کے کریں یوں کہ گلوئے قومی
بندِ افلاس سے مشتاق یہ آزاد رہے

رباعی

زاہد چہ بشوقِ خلد خمیازہ کشد — باید قدحے ز بادۂ تازہ کشد
حقا نشود بروزِ محشر ملزم — آں شخص کہ جامِ مے باندازہ کشد

تمنا عظیم آبادی

اٹلی کے مال کو بائیکاٹ

اور

مظلومانِ طرابلس فنڈ کی مدد

ہم نے عہد کر لیا ہے کہ آئندہ اٹلی کا مال ہرگز ہرگز نہ منگائینگے۔ ایک بہت بڑا آرڈر جو اٹلی کی ٹوپیوں کا دے چکے ہیں۔ اُسے ہم نے کینسل کر دیا ہے۔ نیز ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہماری مشہور و معروف ترکی ٹوپیوں (محسن الملک پیٹنٹ و وقار الملک پیٹنٹ ساختہ **کوسٹی لنڈن**) کی جس قدر بکری یکم نومبر سے تا اختتام جنگ ہوگی اُس میں سے فی ٹوپی چار آنے (۴) مصیبت زدگانِ طرابلس فنڈ کے لئے نذر کرینگے۔

محسن الملک پیٹنٹ استر تمام ولایتی چمڑے کا ہمارا دعویٰ ہے کہ اس سے بہتر ٹوپی دستیاب ہونی محال ہے۔ **قیمت** مع پھندنا استنبولی اعلیٰ قسم ۸ للعہ

وقار الملک پیٹنٹ بشرح صدر۔ مگر استر ریشمی کپڑے کا اور کناروں پر چکنائی سے حفاظت کے لئے چمڑے کی پٹی **قیمت** مع پھندنا استنبولی اعلیٰ قسم ۸ ۔/

تازہ مال آگیا ہے اور اس میں بہت رنگ اور سائز موجود ہیں۔ فرمائش کے ساتھ ناپ

دہلی دربار پر جانیوالوں کو اطلاع { سفر میں بہت وزنی ٹرنکوں اور صندوقوں سے بچنا چاہئے تو چمڑے کے ہینڈ بیگ۔ گلیڈسٹون بیگ اور کٹ

مگر ایسے بھی کہ ہم نے دربار کی خاطر بہت سا تازہ سٹاک منگوایا ہے اور نرخ نہایت اندازاً کم

سردیوں کیلئے سب قسم کا تازہ مال آگیا ہے۔ سوئٹر۔ بنیائن۔ کمبل۔ موزے وغیرہ وغیرہ۔

(مفصل فہرست دوکان مفت) **عبد الرشید زبردست۔ جنرل مرچنٹ و کمیشن ایجنٹ** ...

مخزن ایجنسی لاہور کی موجودہ کتابیں

رسوم دہلی - (مصنفہ مولوی سید احمد صاحب مولف فرہنگ آصفیہ قیمت بلا محصول ڈاک . . . . -۱۲

اقبال دلہن - (مصنفہ مولوی محمد بشیر الدین احمد خانصاحب قسم اول ۱۲، قسم دوم . . . ۸

خواب ہستی - مرزا محمد سعید صاحب ایم - اے کے پسندیدہ ناول کا دوسرا ایڈیشن

ابو مسلم خراسانی - رسالہ الہلال مصری کے فاضل ایڈیٹر جرجی زیدان کی تصنیف ہے -
مولوی محمد حلیم صاحب ردولوی نے مخزن ایجنسی کی خاص فرمائش پر عربی سے
سلیس اردو میں ترجمہ کیا ہے . . . . .

کلام نیرنگ - یہ غلام بھیک بی - اے وکیل کے کلام منظوم کا خوشنما ایڈیشن ۶

انتخاب مخزن - مخزن کی ۹ جلدوں کا انتخاب - قیمت علاوہ محصول ڈاک . عہ

دردِ جانستاں - مصنفہ حکیم سید ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی - دہلی کی زبان میں دہلی کا سچا واقعہ ۸

دربار نمبر - دربار تاجپوشی کی تقریب پر مخزن کا ایک خاص نمبر نہایت اہتمام سے نکالا گیا ہے - ۶

مثنویات میر حسن - مثنوی بےنظیر و بدر منیر کے ساتھ مثنوی گلزار ارم ایک قلمی نسخہ سے نقل کر کے شامل کی گئی ہے

سیر تبت - انگریزی کتاب فیر ایران تبت کا بامحاورہ ترجمہ اور تبت کے متعلق معلومات کا ذخیرہ [illegible]

مرقع خوشخطی - فن خوشنویسی کی ابتدائی کاپی جسکو منشی فضل الٰہی صاحب مرغوب رقم لاہور نے نہایت محنت سے بندی پوروں کاتبوں اور شائقین خط کے واسطے تیار کیا - جسکو دیکھکر خط کے تمام نکات بآسانی سمجھ سکتے ہیں - علاوہ حسن ظاہری کے جو منشی صاحب نے اس کے اہتمام میں مدنظر رکھا ہے - دعویٰ ہے کہ اس سے بہتر کاپی اس فن کے واسطے اس وقت ملک میں موجود نہیں قیمت [illegible]

درخواستیں بنام مینیجر مخزن لاہور آنی چاہئیں

چوب چینی اور عشبہ کے اکتالیس مجرب فوائد

جسکی تصدیق حکیموں ڈاکٹروں نے اپنے مریضوں پر آزما کر کی ہے

فائدہ ۱ جسکی تصدیق ایک سو دس مریضوں نے اس کے استعمال کر کے کی ہے اور سر [illegible] ہیں۔ وہ یہ [illegible] کبھی [illegible] ہو چکا ہو اور کچھ عرصہ بعد جلد پر سیاہی آ جائے چہرے اور جسم پر بدنما سیاہ داغ پڑ جائیں یا جوڑوں اور ہڈیوں میں درد ہو۔ تو اس مرکب کے استعمال کرنے سے تمام دکھ دور ہو جائینگے +

فائدہ ۲ جسکی تصدیق [illegible] ضعیف مریضوں اور مختلف عمر کے لوگوں نے کی ہے وہ یہ ہیں خرابئ مواد خراب [illegible] ہونے سے دن بدن لاغر ہوتے جاتے تھے۔ چہرے پر بے رونقی اور مردنی [illegible] پیدا ہو گیا تھا۔ ہاتھ پاؤں جلتے تھے۔ سر پر بوجھ۔ کبھی سخت کمی [illegible] کبھی نبض ہو [illegible] تھی وہ سب اس مرکب کے استعمال [illegible] دور ہو گئے +

فائدہ ۳ جسکی تصدیق دو سو مریض اظہار کرتے ہیں۔ خون گندہ ہونے سے چہرے پر چھائیاں اور جسم پر دانے۔ پھوڑے پھنسیاں۔ کثرت سے مختلف جگہ میں پیدا ہو کر ان سے [illegible] پانی [illegible] وہ پانی نکلتا تھا ختم ہو جاتے تھے +

فائدہ ۴ جسکی تصدیق [illegible] آدمی کرتے ہیں۔ انکی رانوں کا چہرہ سیاہ اور [illegible] ہو گیا تھا اور پسینہ آنے سے سخت خارش ہوتی تھی۔ ہر وقت ہاتھ چند دل میں رہتا تھا اور ان سے سخت [illegible] تھی +

فائدہ ۵ جسکی تصدیق گیارہ مریض [illegible] تھا۔ [illegible] حصہ جسم میں بغل اور [illegible] گلٹیاں [illegible] جاتی تھیں [illegible] بڑی گلٹیاں [illegible] پیدا ہونی بند ہو گئیں +

فائدہ ۶ جسکی تصدیق [illegible] مریض [illegible] ناسور اور بھگندر سے [illegible] پیپ جاری رہتی تھی اور سخت تکلیف رہتی تھی اس مرکب کے چند روزہ استعمال سے ناسور [illegible] گیا اور زخم بھر گئے +

فائدہ ۷ جسکی تصدیق [illegible] کرتے ہیں ان کو جوڑوں [illegible] تمام بدن اور [illegible] ہو گیا تھا [illegible] سوجن ہو جاتی تھی۔ اسکی [illegible] کے استعمال سے [illegible]

فائدہ ۸ جسکی تصدیق [illegible] استعمال کر کے [illegible] کرتی ہیں کہ انکے کانوں میں درد اور زخم سے [illegible] پانی جاری رہتا تھا [illegible] سر میں درد [illegible] کرتی تھی اسکے استعمال سے [illegible] پانی بند ہوا۔ چہرہ سرخ ہو گیا +

الغرض چوب چینی اور عشبہ کا مرکب سب سے بہتر اور سب سے صاف خون ہے [illegible] ناکارہ و نقصان [illegible] ثابت [illegible] بلا کھٹکا اس مرکب کی [illegible] دیکھو میں [illegible] اس مرکب [illegible] ہمیں [illegible] [illegible] بہت اچھا اثر ہوتا ہے [illegible]

بچوں کے لئے بھی اس کے استعمال سے جانے سن کو وزن کر وزن ڈیوڑھا ہو [illegible] نصف [illegible] مرکب [illegible] ہر ایک [illegible] آپ بھی تجربہ کر کے [illegible]

قیمت

شیشی کلاں جو ایک [illegible] کے لئے کافی ہے [illegible] شیشی خورد [illegible] روپیہ (عہ)

علاوہ اس [illegible] ہر مرض کی مجرب [illegible] (۱) [illegible] (۲) [illegible] (۳) [illegible] (۴) [illegible] (۵) [illegible] (۶) [illegible] (۷) [illegible] (۸) [illegible] (۹) [illegible]

المشتہر

حکیم ڈاکٹر حاجی غلام نبی زبدۃ الحکماء [illegible] لاہور

ڈاکٹر محمد اقبال صاحب ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی۔ بیرسٹر ایٹ لا کا ریویو

ہندوستان کی اسلامی تاریخ مصنفہ مولوی کرم الٰہی صوفی پر

مخدوم و مکرم جناب مولوی کرم الٰہی صاحب! السلام علیکم۔ میں نے آپکی کتاب اسلامی تاریخ عہد افغانیہ شروع سے لیکر آخر تک پڑھی۔ یہ کتاب نہایت برمحل لکھی گئی ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کے مسلم اسکی بہت قدر کرینگے۔ تاریخی تحقیق کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اکثر مقامات اس کتاب کے قابل داد ہیں اور آپکی قوتِ استدلال و درایتِ تاریخی کو ثابت کرنیکے علاوہ اس بات پر نہایت قوی حجت ہے کہ ہندوستانی مسلموں میں مذاقِ تاریخ نویسی ابتک زندہ ہے اور ابھی قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنی تاریخ کو غیر اقوام کے حملوں سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ ہندوستانی تاریخ کے واقعات کو مورخانہ نگاہ سے دیکھنے والے لوگ اس کتاب سے بہت فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ مگر انکے علاوہ عام پڑھنے والے لوگ اور بالخصوص مسلم جنکی قومی روایات کی یہ کتاب ایک نہایت روشن اور صحیح تصویر ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے اخلاقِ فاضلہ کے وہ گراں قدر اصول سیکھ سکتے ہیں۔ جو ان کی قوم کا مابہ الامتیاز رہے ہیں اور جنپر عمل کرنیسے حجاز کے صحرا نشین تیس ہی سال کے اندر شتربانی سے جہانبانی تک پہنچکر اقوام قدیمہ کی تہذیب کے وارث اور تہذیبِ جدید کے بانی بنگئے۔ تاریخ کا مقصد اگر اخلاقی ہے اور میرے خیال میں تاریخ کا یہی مقصد ہونا چاہیئے، تو آپ کی تصنیف اس مقصد کو بدرجۂ اتم پورا کرتی ہے اور میں بحیثیت ایک مسلم ہونیکے آپکا شکرگذار ہوں کہ آپنے یہ کتاب عین ضرورت کے موقع پر لکھ کر اپنی قوم پر احسان کیا۔ قومیت کا احساس جسکو بالفاظ دیگر قومی خودداری کہنا چاہئے۔ قومی زندگی کے لئے ضروری ہے اور جن وسائل سے یہ احساس پیدا ہوتا ہے وہ بھی قومی حیات کے لئے ضروریات میں سے ہیں۔ پس اس اعتبار سے آپکی کتاب کا مطالعہ ہر مسلم پر واجب ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہندوستان میں ہر مسلم خاندان اس کتاب کے پڑھنے سے مستفیض ہوگا۔ اللہ آپکو آپکی محنت اور جانکاہی کا اجر دے اور اسکا انعام آپکو اس مقدس رسول کی بارگاہ سے ملے جسکے کلام سے بنی نوع انسان کی نجات اور جس کے نام سے ہماری قومیت وابستہ ہے۔ والسلام

آپکا خادم محمد اقبال بیرسٹر

نوٹ:۔ یہ کتاب مولوی کرم الٰہی صاحب صوفی۔ ٹوڈگہ ضلع گجرات سے مل سکتی ہے۔

شائقین کُتب مُلاحظہ فرمائیں

(سنگلاخ کتابوں کا حل)

مندرجہ ذیل کتابیں کوئی حل نہ کرسکا اور نہ کوئی انشاء اللہ حل کرسکتا ہے یعنی

پتھروں کو پانی کرکے بہا دیا۔ دیکھنا شرط ہے۔

حل قصائد خاقانی۔ داخلہ کورس منشی فاضل و ایم۔ اے حصہ اوّل۔ ۱۲

حصہ دوم زیر طبع ہے۔

یہ وقت اس لئے کہ ہم کہ چوروں سے پناہ نہیں۔ جو گھات میں لگے رہتے ہیں۔ اگر کوئی مرد میدان ہے تو دوسرا حصہ حل کرے مشکل قصائد میں نے حل کر دیئے۔ آسان باقی ہیں

حل کلیاتِ اُردو۔ مرزا غالب مرحوم ۱۰

حل قصائد خاقانی۔ کورس منشی عالم ۹

حل نکات۔ مولانا مرزا عبد القادر بیدل رحمۃ اللہ علیہ در تصوف ۱۲

شوکت التجدید۔ یہ کلیات جو قصاید و غزلیات و رباعیات و سلام اور اُردو اور بھاشا وغیرہ کی نظم سے مرصع ہے اور شاعری کی دنیا جس کی منتظر ہے۔

پیشگی قیمت آئی ہے زیر طبع ہے۔ پیشگی عہ اور بعد طبع . . . ۴

اعلانِ عام۔ جو صاحب کامل شاعر بننا چاہیں۔ میری جانب رجوع لائیں۔ جیسا کلام ہوگا۔ اسی درجے کی اصلاح ہوگی۔ کلام بھیجکر آزمالیں۔

جو صاحب کسی کتاب اردو۔ بھاشا۔ فارسی اور عربی میں اصلاح لینا چاہیں۔ فیس کے بارہ میں خط و کتابت کریں۔ اکثر کتابوں کا لٹریچر بلکہ املاء صحیح نہیں ہوتا۔ غلطیوں کو مجدد ہی خوب جانتا ہے۔

مجدد السنہ مشرقیہ۔ احمد حسن شوکت شہر میرٹھ

التماس

فرماکر۔ رجسٹر نمبر جو ہر ایک پرچہ کی چٹ پر ہوتا ہے
مع قیمت خریداری خط و کتابت میں ضرور لکھا کریں۔ ورنہ تعمیل
کی شکایت معاف !
ترتیب میں نام، القاب یا مقام کی جو غلطی ہو اس کی اصلاح
کے لئے فوراً اطلاع دیں۔ عنایت ہوگی ☆

منیجر مخزن

طب یونانی کی بقا کے لئے

عالیجناب حاذق الملک حکیم محمد اجمل خاں صاحب رئیس اعظم نے

جو خدمات انجام دی ہیں ان کا معقول حصہ شہرت کے منظر پر آچکا ہے۔ اطراف ہند میں اس کا ہم کیلئے سب کی نظریں انہی کی طرف اٹھتی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ طب یونانی کے مستقبل کی نسبت اگر کچھ امیدیں ہیں تو وہ انہی کے خاندان سے وابستہ ہیں۔ جناب حاذق الملک احساس فرض رکھتے، دل میں اس فن شریف کی ترقی کے ارمان رکھتے اور خاموشی سے اپنے قیمتی اوقات کو ملک کی اس مہتم بالشان خدمت میں صرف کرتے رہتے ہیں۔ ہندوستانی دواخانہ انکے احساس فرض کا ثبوت اور ان کی مستقل اور خاموش کوششوں کا ثمرہ ہے گو اس کی ظاہری حیثیت ایک تجارتی حیثیت ہے لیکن اگر حقیقت شناس نظر سے دیکھا جائے تو یہ ایک تجارتی کام نہیں۔ طب یونانی کی بقا کا سامان ہے شخصی اغراض سے اسکو علیحدہ رکھا گیا ہے۔ اس لئے جس غرض سے یہ قائم ہوا ہے اسکے پورا ہونے میں کوئی مخالف احتمال باقی نہیں رہا۔ اصل اور پورے اجزا سے بنی ہوئی یونانی ادویات اور انکی طرز ساخت میں تہذیب و ترقی کا دواخانہ کا مقصد ہے جسے یہ پورا کرتا ہے۔ بہت سی اس قسم کی ادویات جو مختلف امراض کے لئے عام طور پر اطبا برتتے ہیں۔ بلکہ حکما کے وہ اعلیٰ نسخے جو صرف رؤسا و امرا کو میسر آتے تھے بالکل اصل اس دواخانہ میں تیار ہوتے ہیں اور واجبی قیمت پر فروخت ہوتے ہیں۔

اس دواخانہ کی آمدنی مدرسہ طبیہ و زنانہ شفاخانہ کو دی جاتی ہے

نیز جناب حاذق الملک بہادر نے اپنی اور اپنے زندہ جاوید بزرگوں کی خاص خاص دوائیں بھی اس دواخانہ کو عطا فرمائی ہیں۔ صحت و تندرستی ایک جوہر بے بہا ہے اور ہر ایک انسانی جسم اس کے وجود کا گذرگاہ، اس لئے تمام ارباب وطن کو ان اعلیٰ اور منتخب یونانی اور ویدک ادویات سے جو اس دواخانہ میں خاص اہتمام سے بنتی ہیں فائدہ اٹھانا اور اسکے ساتھ اس کار خیر کی مدد کا موقع مل سکتا ہے۔ خوبی انتظام اور حسن معاملہ کے بہت تھوڑے عرصہ میں اس دواخانہ نے غیر معمولی ترقی کی ہے +

خط کا پتہ:- مینیجر ہندوستانی دواخانہ دہلی۔ تار کا کافی پتہ میڈی سنز

شیخ عبدالقادر



مخزن

اردو علم ادب کی جیتی جاگتی تصویر

ایک ماہوار مجموعہ

دس کروڑ ہندوستانی اردو بولتے ہیں اور اسی قدر ہندوستانی اردو سمجھتے ہیں

○ ان شہروں میں اردو مادری زبان ہے ○ ان شہروں میں اردو عام ہے ● ان شہروں میں اردو سمجھی جاتی ہے

باہتمام منیجر نول کشور پریس لاہور میں باہتمام منشی فضل الٰہی مینیجر کے چھپا

مخزن

اُردو ٹائپ

ہوا خواہان اُردو کو کبھی نہ کبھی یہ مرحلہ طے کرنا پڑے گا کہ اُردو کے اخبار اور رسالے ٹائپ کے حروف سے شائع کئے جائیں اور جس قدر جلد وُہ اس ضروری مسئلہ کو حل کرینگے۔ اسی قدر جلدی اُردو اخبارات اور رسالوں کو ترقی ہوگی۔ ساری مہذب دُنیا ایک طرف ہے اور ہم اردو والے ایک طرف لوہے کے حروف نے دُنیا بھر میں اپنا سکہ بٹھا لیا ہے اور ہم ہیں کہ ہمارے علوم و فنون ابھی لیتھو کے سنگِ گراں کے نیچے دبے ہُوئے ہیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے اخبارات اور رسالے ترقی کے میدان میں بڑھی ہُوئی اور بڑھنے والی قوموں کے اخباروں سے ہمسری کا کچھ بھی دعویٰ کرسکیں تو اُن وسائل کا اختیار کرنا بھی لازم ہے جو اُنکی ترقی کا باعث ہیں۔

ہم سُنتے ہیں کہ یورپ کے موقّت رسالے اپنی مقررہ تاریخوں پر اٹل باقاعدگی کے ساتھ چھپتے رہتے ہیں۔ اور اخبارات نہ صرف ہفتہ وار اور روزانہ اپنے اوقاتِ معیّنہ پر نکلتے ہیں بلکہ یہی ہوتا

ہے کہ صبح کے اخبار صبح کو اور شام کے شام کو حیرت انگیز عجلت کے ساتھ گھڑی گھڑی کی خبریں لئے ہوئے شائقین کی میزوں پر موجود ہوتے ہیں۔ بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ اُدھر کسی مشہور مُقرّر یا مُدبّر نے کوئی معرکے کی تقریر پارلیمنٹ میں کی اور اِدھر ایک گھنٹہ بھر کے اندر اخبارات نے اُسے شہر بھر میں پھیلا دیا۔

اس میں شک نہیں کہ یہ نتیجہ کئی مختلف ذرائع کے مجموعی استعمال سے مترتّب ہوتا ہے۔ شارٹ ہینڈ والا (مختصر نویس) تقریر کو بآسانی قلمبند کر لیتا ہے اور تار برقی سے اسے مطبع تک پہنچا دیتا ہے۔ مطبع میں آہنی حروف کے جوڑنے والے (کمپازیٹر) منٹوں میں حروف جوڑ لیتے ہیں اور مشینیں ذرا سی دیر میں بیشمار کاغذ چھاپ کر رکھ دیتی ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ حروف جوڑنے کی ترکیب کے بغیر اور ساری ترکیبیں چنداں کارآمد نہیں ہو سکتیں۔ ہم گو اس منزل سے ابھی بہت دُور ہیں اور ہمارے حالات اور ضروریات بھی سردست اس امر کی متقاضی نہیں کہ ہم اس معیارِ ترقی کی جلد تقلید کریں یا کر سکیں۔ لیکن اس منزلِ مقصود کو پیش نظر رکھنا بہرحال مفید ہے۔ بلکہ ترقی کے لئے لازم ہے۔

اور ملکوں میں تو کتابیں اخبار رسالے سب چیزیں ٹائپ سے ہی چھپتی ہیں اور بالتخصیص وہاں کتابوں کی اشاعت میں بھی ٹائپ نے بہت مدد دی ہے لیکن ہم اگر ابتدا میں کتابوں کے لئے چھپائی کے مروجہ طریق یعنی لیتھوگراف سے ہی کام لیتے رہیں اور صرف اخباروں اور رسالوں

کے لئے ٹائپ کا استعمال شروع کریں تو ہمارے ملک کے حالات کے لحاظ سے موزون ہوگا۔ اُردو میں کچھ تک ٹائپ کے غیر مروّج ہونے کے دو بڑے سبب ہیں۔ ایک تو یہ کہ اُردو کا نستعلیق خط ملک میں مرغوب طبع ہے اور حقیقت میں ہے بھی خوبصورت نستعلیق ٹائپ مکمل طور پر اب تک تیار نہیں ہوا اور جب تک تیار نہ ہو لوگ ٹائپ کی طرف پورے مائل نہ ہونگے دُوسری وجہ ٹائپ کے مروّج نہ ہونے کی یہ ہے کہ ہمارا ملک بہت خوشحال یا امیر ملک نہیں اور ٹائپ کے کارخانے لیتھو کے کارخانوں سے بہت زیادہ سرمایہ چاہتے ہیں اور ٹائپ کی چھپائی پر لیتھو کی چھپائی سے زیادہ لاگت آتی ہے۔ اس لئے یہ تجویز دونوں صُورتوں کے بین بین اور نسبتاً آسانی سے عمل درآمد کے قابل ہے کہ شروع شروع میں ٹائپ کی چھپائی کا تجربہ ایسے اخبارات اور رسالوں کے ذریعہ کیا جائے جو باقاعدگی اور پابندیٔ اوقات کی خاطر نستعلیق خط کی خوشنائی سے درگذریں اور ٹائپ کی چھپائی کے مصارف کی زیادتی کو بخوشی برداشت کریں۔

انگریزی عملداری کے آغاز میں کلکتہ میں بعض کتابیں ٹائپ کے حروف میں چھپیں مگر بدقسمتی سے وہ حروف نہ صرف خوشنائی کے لحاظ سے ناقص تھے بلکہ اُنکے پڑھنے میں بھی ذرا اُلجھن ہوتی تھی۔ اس لئے مقبول نہ ہوئے۔ سرکاری گزٹ کا اردو ترجمہ پنجاب اور صوبجات متحدہ میں عرصہ دراز سے ٹائپ کے حروف میں چھپتا ہے۔ اور سرکاری عہدہ دار اسے دیکھتے ہیں۔ مگر اُس کے ذریعہ بھی ٹائپ کا رواجِ عام نہیں ہوسکا۔ کیونکہ وہ بھی بہت آسانی سے پڑھا نہیں جاتا تھا اور نستعلیق خط کی عادی آنکھیں ٹائپ

کے حروف کو قبول نہیں کرتی تھیں ۔ سر سیّد احمد خاں مرحوم کی نگاہِ دور بین نے آج سے مدتوں پہلے یہ دیکھ لیا تھا ۔ کہ اُردو کا کام ٹائپ کے حروف اختیار کئے بغیر نہیں چلیگا ۔ اور اپنی مسلمہ عاقبت اندیشی سے آج سے نصف صدی پیشتر ٹائپ کو رواج دینا چاہا تھا ۔ رسالہ تہذیب الاخلاق ٹائپ کے حروف میں چھپتا رہا اور علیگڈھ گزٹ کے حروف بھی وہی لوہے کے حروف رہے ۔ مگر سیّد ؒ کی یہ کوشش زیادہ کامیاب نہ ہوئی ۔ ایک تو اس لئے کہ وہ اُن دنوں میں بہت ہی پیش از وقت تھی اور دُوسرے اس وجہ سے کہ حروف وہی سرکاری گزٹ والے حروف تھے جن سے اُردو خواں اصحاب اتنی مدت میں بھی مانوس نہیں ہو سکے ۔

اُردو میں ٹائپ پُورا مقبول تو جب ہوگا کہ نستعلیق ٹائپ عام طور پر میسّر ہو ۔ ہندوستان میں ایک دو جگہ نستعلیق حروف ڈھالنے کی کوشش کی گئی ۔ مگر اس میں کسی قدر ناکامی رہی ۔ حلقے جوڑ کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتے اور جوڑ بدنما رہتا ہے ۔ ایک دفعہ میں نے سُنا کہ ایک جرمن کارخانے میں نستعلیق حروف تیار ہوتے ہیں ۔ بڑے شوق سے اُن کو خط لکھا کہ مجھے نمونہ بھیجئے اور نرخ بتایئے ۔ لیکن وہاں سے جواب ملا کہ جو نمونے تیار ہوئے تھے سب فروخت ہوئے اور نمونے تیار ہونے پر بھیجے جائینگے ۔ جو آج تک نہیں آئے ۔ ٹرکی میں نستعلیق حروف تیار ہوئے ہیں ۔ مگر جلی قلم کے عنوانوں کے لئے ۔ ایسے نہیں کہ کوئی کتاب یا رسالہ پُورا اُن سے تیار ہو جائے ۔ مختصر یہ کہ نستعلیق ٹائپ عام استعمال کے قابل ابھی کہیں میسّر نہیں ۔ کچھ عرصہ تک ہو جائے تو تعجب نہیں ۔ کیونکہ

بڑے اور جلی حروف تیار ہو جانے سے یہ تو ظاہر ہو گیا کہ تھوڑی سی اور کوشش سے مکمل ہو سکتا ہے۔ لیکن اب وُہ وقت نہیں کہ ٹائپ کی تکمیل کی انتظار میں نچلے بیٹھے رہیں۔ وُہ مکمل ہوتا رہے گا۔ سردست ضرورت یہ ہے کہ جیسا ٹائپ میسّر ہے اُسی سے آغاز کر دیا جائے۔ موجودہ نمونوں میں آسانی سے پڑھا جانے والا اور زیادہ تر قابلِ قبول وہ ٹائپ ہے۔ جس سے اکثر مصری اخبار عربی زبان کے چھپ کر نکلتے ہیں۔ وُہ اردو میں خاصہ کام دے سکتا ہے اور ہم جہاں تک اندازہ لگا سکتے ہیں ضرور مقبول ہو جائیگا کلکتہ کے نامور انگریزی ہمعصر کامریڈ کے ایڈیٹر صاحب نے حال میں یہ اعلان کیا ہے۔ کہ اُن کا ارادہ ہے۔ کہ دہلی میں کامریڈ کا دفتر منتقل کیا جائے اور وہاں دار السلطنت پھر قائم ہو کر "حق بحقدار رسید" کی یادگار میں ایک روزنامہ اخبار وہاں سے اردو زبان میں شائع کیا جائے۔ جو مصری ٹائپ کے حروف سے چھپے۔ ہم اس تجویز کا نہایت خوشی سے خیر مقدم کرتے ہیں اور اُمید کرتے ہیں۔ کہ ہمارے کامریڈ صاحب کی یہ عمدہ تجویز کامیاب ثابت ہو گی +

عبد القادر

نعت

اے آنکہ خیال تست پیدا در دل | عالم بجمال تست شیدا در دل
دانی کہ چہ شد سیاہی سایۂ تو | در چشم سواد شد۔ سویدا در دل

ہر چند بہ تر ترا پایا ہے | لیکن تجھے ہم نے آپ میں پایا ہے
دل میرا قد صنوبری ہے تیرا | پتلی مری تیرا گمشدہ سایا ہے

ابو الاعظم سید محمد حسین امجد

موسم کی نظمیں

اتفاق سے ایسی تین نظمیں ہمارے پاس ایک ہی وقت پہنچی ہیں - وہ بھی مختلف مضمون نگاروں کی بھیجی ہوئی اور مختلف مقامات سے - کر اگر اُن کو اس نمبر میں یکجا درج نہ کیا جائے تو بے وقت ہو جانے کے باعث پھر اُن کا لطف یقیناً جاتا رہیگا - نظم میں اب کے قصائد تاجپوشی بالکل جگہ نہیں چھوڑینگے - اِس لئے ہم اِن نظموں کو ناظرین مخزن کی ضیافت طبع کے لئے حصہ نثر میں درج کرتے ہیں۔

رخصت سرما کا قطعہ

رخصت اے سرما! کہ رُت بدلی گئی
ہے خزاں جانے کو آتی ہے بہار

رات کے گھٹتے ہی دن بڑھنے لگے
رنگ لائی گردشِ لیل و نہار

رحمت آئی کملی کاندھے کی مثل
دوش پر ہوتا ہے بالا پوش بار

ہو رضائی شال یا کمبل لحاف
تہ کرینگے سب کو اب سر سے اُتار

وہ سُہانی پیاری پیاری پُرفریب
ہلکی ہلکی زرد کرنیں خوشگوار

وہ افق کے دامنِ گلرنگ پر
نرم و نازک خوشنما سونیکے تار

ہیں دکھانے کو شرر افشانیاں
آنچ سے سورج کی ہو کر شعلہ بار

مشعلِ خاور کی برقی روشنی
نور سے بنتی کبھی ہے گرما کے نار

گولیاں سیماب کی بن جائینگی
قطرہائے شبنم گوہر نثار

کُرۂ ناری کا بھڑکے گا تنور
خاک کے طبقے سے اُٹھینگے بخار

ڈالیاں جل کر ہری ہونیکو ہیں
اب دھوئیں دل کے نکالے گا چنار

جنگلوں میں ڈھاک کے پھولینگے پیڑ
بن کا بن - بنجائے گا گلگوں عذار
نکلینگے شاخِ زمرد رنگ سے
آتش یاقوت کے رنگیں شرار

زرد پتے ہو رہے ہیں زرفشاں
ہونگے مالا مال دشت و کوہسار
پائینگے خلعت جوانانِ چمن
لائینگے اشجار تازہ برگ و بار
پھوٹتی جاتی ہیں نازک کونپلیں
گل کھلانے کو ہے شاخوں کا نکھار
واہ کیا کیا رنگ لاتا ہے شفق
دورِ چرخ و انقلاب روزگار

شفق عماد پوری

بہار آنے کو ہے

کوہ و صحرا سے نویدِ نو بہار آنے کو ہے
شورِ مرغانِ چمن صوتِ ہزار آنیکو ہے
دیدہ پھر ہونے کو ہے فرشِ رہِ موجِ نسیم
شاہدِ گل پر دلِ بے اختیار آنیکو ہے
گوہرِ شبنم پہ پھر ہونیکو ہیں انجم نثار
خاک پر افلاک کے دل میں غبار آنیکو ہے
دیکھئے اب کے برس کس کس پہ یہ بجلی گرے
گھر سے باہر برقِ حسنِ بیقرار آنیکو ہے
آگیا بنکر ہرا دل نعرۂ بادِ یمن
آتشِ گل اور برقِ لالہ زار آنیکو ہے
پھول ہنسنے کو جہاں میں اور ہیں رونیکو ابر
کوئی آتش بار کوئی اشکبار آنیکو ہے
دمبدم دیتی ہے مژدہ یہ صبائے مشک بیز
وادئ کشمیر میں دشتِ تتار آنیکو ہے
سبزۂ خوابیدہ جاگا مثلِ طفلِ شیرخوار
دیدۂ بیدارِ نرگس میں خمار آنیکو ہے
بول اٹھیگی زبانِ سوسنِ خاموش بھی
زلفِ سنبل میں قیامت کا نکھار آنیکو ہے
کوئی دم میں آپ اپنے منہ سے پھوٹیگی کلی
کوئی دن میں گل کے جوبن میں ابھار آنیکو ہے
یوسفِ گل شاخ پر بیٹھے گا مثلِ نوعروس
بوئے گل دوشِ صبا پر پھر سوار آنیکو ہے
ہر دم بادِ بہاری میں ہے اعجازِ مسیح
ہر تنِ مردہ میں روحِ خوشگوار آنیکو ہے
جاگ اٹھیگی زمیں اور بول اٹھینگے طیور
ہر نہالِ کہنہ سر با برگ و بار آنیکو ہے

...یا کہوں کیونکر شگوفہ دشت میں کھِلتا ہے | پھاڑ کر شاخوں کو باہر ایک بار آنیکو ہے
...وادیٔ کشمیر ہو جائیگی دستِ گلفروش | مژدہ اے یاراں کہ پھر فصلِ بہار آنیکو ہے
حُسنِ گل ہونیکو ہے پھر برقِ جانِ عندلیب | پھر محبوں کو نویدِ وصلِ یار آنیکو ہے
کیوں دمِ موجِ صبا سے جل اُٹھے سینے کے داغ | بے بہار آنیکو یا پیغامِ یار آنیکو ہے
اب کے صادق کو بھی چشمِ مست کے صدقے پلا | پھر بہار آنیکو ہے ساقی بہار آنیکو ہے

منشی صادق علی خان سرینگر کشمیر

ہولی

نکالیں وصل کا کچھ ہم بھی ڈھنگ ہولی میں | وہ شوخ کھیلنے نکلے تو رنگ ہولی میں
لگائیں باتوں میں ایسا کہ ہم سے کھُل کھیلے | پلائیں خوب سی آج اس کو بھنگ ہولی میں
عوض معاوضہ کا کچھ گلہ نہیں ہوتا | جفا کے بدلے کریں اسکو تنگ ہولی میں
نہ پوچھو سوجھتی ہے ہم کو اندنوں کیسی | عجب طرح کی ہے اُٹھتی اُمنگ ہولی میں
شراب خانے میں رند انکو کھینچ ہی لائے | جنابِ شیخ کی ہے عقل دنگ ہولی میں
لپٹ ہی جائیں بہانہ سہی ہولی ملنے کے | کہیں ملے وہ بتِ شوخ و شنگ ہولی میں
بہار آ کے دلوں کو اُبھار دیتی ہے | کسے خیال ہے کیا نام و ننگ ہولی میں
رقیب روسیہ پتھر سے اپنا سر پھوڑے | ہمارا اُنکا جو ہو جائے سنگ ہولی میں
وہ شعلہ رو تھا بھبوکا بھڑک اُٹھا گویا | ملا گلال کا ہم نے جو رنگ ہولی میں
یہ سب کے واسطے خوش مستیوں کا موسم ہے | رگڑ کے صاف کرو دل کے زنگ ہولی میں
ہر اک کے ہاتھ بھری رنگ کی ہے پچکاری | یہ ہے لڑائی کا چلتا خدنگ ہولی میں
یہ آرزو ہے کہ پہلے وہ رنگ کھیلیں پھر | نہائیں ملکے لبِ آب گنگ ہولی میں
بغل میں ہو کوئی بس پھر نہیں ہے کچھ پروا | کہاں کا تکیہ کدھر کا پلنگ ہولی میں

ہٹو بھی چھوڑو جہانگیر کیا ہوا تم کو
کہاں کی تم نے مچائی یہ جنگ ہولی میں

[illegible]

حکیم ہیرقلیس

(سلسلہ تاریخ حکما)

حکیم ہیرقلیس او نہترویں سال اولمپیاد میں ظاہر ہوا۔ شہر افسوس کا رہنے والا تھا ایلوزون کا بیٹا تھا۔ لوگ اسکو حکیم معمّی کہتے تھے۔ کیونکہ اُس کے اکثر کلمات حکمت رموز میں ہیں۔ لویرتہ کا قول ہے کہ یہ شخص دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے اور سوائے اپنے آپکے سب کو ناقابل اعتبار سمجھتا ہے۔

ہیرقلیس کہا کرتا تھا کہ اومیروس اور ارخیلوتوس کی کتابوں کو ہر جگہ سے نکال پھینکو

اس حکیم کا ایک دوست صادق ہرموداس نامی تھا۔ شہر افسوس کے لوگوں نے اس کو شہر بدر کر دیا۔ جس سے یہ حکیم اپنے اہل وطن سے سخت نالاں تھا۔ اور باواز بلند کہا کرتا تھا کہ اگر اس شہر کے تمام آدمیوں کو قتل کر دیا جائے۔ اور انکی اولاد کو نکال دیا جائے۔ تب بھی تو اُن کے اس گناہ کا کفارہ نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے شہر کے اعیان اور ملک کے بڑے شجاعوں کو نکال باہر کیا ہے۔ اس کی معارفت وفصاحت وذہانت بے انتہا تھی۔ حالانکہ نہ وہ باضابطہ کسی استاد کے پاس پڑھا نہ بیٹھا۔ لوگوں کے افعال پر سخت افسوس کرتا تھا اور ان کی غفلت اور سیاہ قلبی سے نہایت متاسف رہتا تھا۔ اور اسی وجہ سے ہمیشہ روتا رہتا تھا۔ جوفال نے لکھا ہے کہ یہ حکیم روتا رہتا تھا۔ برعکس اس کے حکیم دومقریطس ہمیشہ ہنسا کرتا تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ دومقریطس کا ہنسنا گویا لوگوں کے حال پر رونا تھا۔

ابتداء حال میں یہ حکیم ظاہر کیا کرتا تھا کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ نہ میں نے کچھ پڑھا

لکھا ہے۔ جب جوان ہو گیا اور لوگوں نے اُس کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا تو کہنے لگا کہ مجھے سب کچھ آتا ہے اور کوئی معارف ایسے نہیں جو مجھ سے پوشیدہ ہوں۔ شاید یہی وجہ ہو کہ وہ کسی کو پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھتا تھا نہ کسی کے پاس بیٹھکر خوش ہوتا تھا۔ بلکہ سب سے نفور رہتا تھا۔ بجائے جوانوں یا ہمعمروں کے بچوں کے ساتھ جاکر بتخانہ دیانہ کے سامنے کھیلا کرتا تھا۔ اُس کو بچوں میں کھیلتا دیکھکر لوگ جمع ہو جاتے اور سخت تعجب کرتے۔ ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ بچوں میں کھیلنا تمہاری شان سے بعید ہے تو سخت غصہ میں کہنے لگا کہ ان معصوموں کے ساتھ کھیلنا اس سے بہتر ہے کہ تم جیسے قبیح الافعال لوگوں کے ساتھ اختلاط رکھوں۔ جن لوگوں میں کہ صلاحیت تدبیر جمہوری نہ ہو۔ اُن سے کنارہ کشی بہتر ہے۔ اہلِ شہر نے ایک مرتبہ اُس سے قوانین ضبط کر دینے کے واسطے کہا تو جواب دیا کہ تم لوگوں کے اخلاق اور طبائع میں سخت فساد ہے۔ کوئی قانون تم کو عادات ذمیمہ سے نہیں چھڑا سکتا۔ اِس لئے مَیں تمہارے لئے کوئی قانون نہ بناؤنگا۔

یہ حکیم کہا کرتا تھا کہ رعایا کو لازم ہے کہ وُہ اپنی تمام ہمت و کوشش اس پر صرف کردیں کہ قانون کے پابند رہیں اور اپنے ملک کی حمایت کریں۔ بہ نسبت بھڑکتی ہوئی آگ کے بجھانے کے یہ بہتر ہے کہ لوگ آپس کی دشمنی اور دغابازی کو بیخ و بنیاد سے اُکھاڑ پھینکیں۔ آگ اتنا نقصان نہیں کرتی۔ جتنا کہ عناد و دغا۔ آگ سے صرف چند گھر جل کر رہ جاتے ہیں۔ اور عناد و دغا کا نتیجہ ہوتا ہے جنگ جس سے مُلک بھر ویران ہو جاتا ہے اور رعایا کو سخت نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔

اتفاقاً شہر افسوس میں ایک سخت فتنہ برپا ہُوا۔ لوگ جمع ہو کر ہیرقلیس کے پاس

آئے اور اُس سے کہا کہ کوئی ایسی تدبیر کرو کہ یہ فتنہ فرو ہو جائے۔ ہیرقلیس نے پہلے بہت سے آدمیوں کو جمع کیا۔ اور پھر ایک بڑے اُونچے منبر پر چڑھا اور ایک پیالہ میں پانی منگوایا۔ اور وہیں میدان سے کچھ خس و خاشاک اُٹھا کر پانی میں ملا دیا۔ اور تمام پانی کو معہ خس و خاشاک کے پی گیا اور بغیر کچھ کہے سُنے منبر پر سے اُتر آیا۔ اس کے یہ معنی تھے کہ اگر فتنہ کو فرو کرنا چاہتے ہو تو لذات دُنیا کی پروا نہ کرو۔ اور ادنیٰ چیزوں سے فتنہ کا سدباب کر دو۔

اس حکیم نے ایک کتاب علم طبیعیات میں تالیف کی اور اُسکو تبخانہ دیانہ میں رکھدیا۔ یہ کتاب ایسی دقیق تھی کہ اسکو سوا اکابر علما کے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اور یہ اس غرض سے کہ عام لوگ اسکو نہ سمجھ سکیں۔ تاکہ اس کے پاس ان انفار کا ہجوم نہ ہونے پائے۔ باوجود اس کے اس کتاب نے اُس کو دور دور تک مشہور کر دیا۔ یہانتک کہ داریوس بادشاہ عجم کو بھی اس کی اطلاع ہوئی اور اُس نے اپنے ارکان کو بہت کچھ تحائف دیکر ہیرقلیس کو بلوا بھیجا۔ اور اپنے ہی ملک میں توطن اختیار کرنے کی درخواست کی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہ اپنی کتاب کو خود ہی آکر سمجھا دیں۔ مگر ہیرقلیس نے ان تمام درخواستوں کو نامنظور کر دیا۔

یہ حکیم ہمیشہ چپ رہا کرتا تھا۔ کسی نے سکوت کی وجہ پُوچھی تو جھلا کر کہنے لگا کہ میرا چپ رہنا تم لوگوں کے ساتھ کلام کرنے سے بدرجہا بہتر ہے۔

اہل افسیس سے سخت ناراض تھا کہ باوجود اس کے کہ وہ لوگ اُس کا احترام کرتے ہیں مگر اس کو شہر افسوس میں چھوڑ رکھا ہے۔ جہاں کے لوگ حقیر ترین اشیاء سے ہیں۔

ہیرقلیس کا قول ہے کہ ہر ایک چیز کی اصل آگ ہے۔ یہ عنصر جب کثیف ہو جاتا ہے

تو ہوا بن جاتا ہے اور ہوا کثیف ہو کر پانی۔ اور پانی کثیف ہو کر مٹی۔ اور اس کے جوہر الگ الگ ہو کر پانی بن جاتا ہے۔ اور پانی کے جوہر الگ الگ ہو کر ہوا۔ اور اسی طرح ہوا آگ۔ غرض اس دلیل سے ہر چیز کی اصلیت آگ ہے۔

اس کا قول تھا کہ اس عالم کے سوا اور کوئی عالم نہیں ہے۔ اور اس کے متعلق ایجاد کا دروازہ بند ہو گیا۔ اس عالم کی ترکیب اور نشو و نما آگ سے ہی ہے اور آخرکار یہ آگ ہی سے فنا ہو جائیگا۔ اس کا گمان تھا کہ یہ دُنیا ذوی العقول و غیر ذوی العقول سے بھری پڑی ہے۔

ہیرقلیس کے نزدیک آفتاب کا جسم جتنا نظر آتا ہے اُس سے زیادہ نہیں ہے۔ ہوا میں بہت سی چیزیں کشتیوں کی شکل کی پائی جاتی ہیں۔ اُن کا جو رُخ ہماری طرف ہے وہ مقعر ہے اُن ہی میں زمین کے بخارات اُڑ اُڑ کر جمع ہوتے ہیں۔ جن چیزوں کو ہم ستارے کہتے ہیں یہی کشتیاں ہیں کہ بخارات سے بھری ہوئی ہیں۔ اور یہ بخارات وہیں جمع ہو کر بھڑک اُٹھتے ہیں جو پڑے چمک رہے ہیں۔ کسوف خسوف اس طرح ہوتا ہے کہ آفتاب و ماہتاب کی کشتیاں اپنے دوران میں اس طرح اُلٹ جاتی ہیں کہ ان کا مقعر حصہ بجائے سمت زمین کے اوپر کی طرف ہو جاتا ہے۔ اس لئے ان کا کوئی حصہ یا تمام و کمال تاریک نظر آتا ہے۔ ان دونوں کی چالیں تیز نہیں ہیں۔ بلکہ بہت دھیمی۔

رُوح کی نسبت یہ حکیم اکثر کہا کرتا تھا کہ اس کی اصلیت معلوم کرنے میں میں نے اپنی تمام عمر ضائع کر دی۔ لیکن یہ چیز کچھ اس طرح چھپائی گئی ہے کہ اس کا کچھ پتہ نہیں لگتا۔

جو تجربے اس حکیم نے اپنی زندگی میں اُٹھائے تھے۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ

اُس کو مرضِ استسقا ہو گیا۔ اپنے علاج کے واسطے ایک طبیب کے پاس گیا تو اُس سے بھی معموں ہی میں باتیں کرنے لگا اور پوچھا کہ تجھے کوئی ایسی ترکیب بھی آتی ہے کہ تو بارش کو خشکی سے تبدیل کر کے توانائی پیدا کر دے۔ بھلا غریب طبیب اس کو کیا سمجھتا۔ ہیرقلیس اس کے پاس سے اُٹھ کر چلا آیا۔ پھر ایک مکان میں پہنچا کہ جہاں گائے بیل بندھتے تھے۔ اُن کا گوبر اور پیشاب دیکھ کر یہ سوجھی کہ اس مزبلہ ہی سے کوئی ایسی . . ہیر سمجھا تے کہ یہ ورم جاتا رہے۔ چنانچہ وہیں لیٹ رہا۔ جب اُٹھنا چاہا تو نہ اُٹھا گیا۔ اور وہیں کتوں نے اس حکیم کو اپنا تر لقمہ بنا لیا۔

اِس حکیم کی عمر ۶۵ سال کی ہوئی ۔

(ترجمہ از عربی) محمد خلیل الرحمٰن

ایشیائی شعرا کی نازکخیالی

نازکخیال شعرا بہت کم گذرے ہیں۔ حالانکہ نزاکت کلام کا بہت بڑا حسن ہے۔ بھدے ڈیل ڈول والا فربہ اندام معشوق کس کام کا۔ معشوق کی بڑی صفت نزاکت ہے جس پر شعرا نے خیالات دوانیاں کی ہیں اور اس کے مضامین سے دیوان معمور ہیں وجہ یہ ہے کہ نازک مضمون فصاحت و بلاغت دونوں کو اپنی بندش کے پہلو میں لئے ہوئے ہے۔ تتابع اضافات و استعارات سے بھی نزاکت پیدا ہو سکتی ہے۔ سنگین اور جنبی الفاظ میں بسا اوقات نزاکت مضمر ہوتی ہے۔ مگر جن لوگوں کو لغت پر کامل عبور نہیں ہوتا انکی طبیعت الجھن میں پڑ جاتی ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ ایک شعر کے سمجھنے کے لئے صراح و قاموس میں الفاظ کے معانی ٹٹولتے پھریں۔

نازک مضامین کا سمجھنا ذہن پر بھی موقوف ہے۔ بعض ذکی الحس ہر ایک نازک مضمون کو جھٹ پٹ سمجھ جاتے ہیں اور گھڑیوں مزہ لیتے ہیں اور بعض کند طبع صاف اور سادہ کلام بھی نہیں سمجھ سکتے۔ اس سے صاف واضح ہے کہ نازک کلام میں شعرا کا قصور نہیں بلکہ پڑھنے اور سننے والوں کی بلادت طبع کا قصور ہے ؎

رقص کردن خود ندانہ صحن را گوید کج است

مولانا نظامی گنجوی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے ممدوح کی تعریف میں یہ شعر لکھا تھا ؎

چو بر دریا زنی موج پلالک　　بماہی گاو گوید کیف حالک

اس پر ایک مولوی نے اعتراض کیا کہ مولینا کیفَ حالکَ برفع لام است۔ چہ مبتدا و خبر مرفوع می باشند و اینجا بمقابلہ قافیہ پلالک کہ بفتح لام است کیف حالک نیز بفتح لام می آید حالانکہ غلط است۔ مولانا نظامی تک جب یہ شگوفہ پہنچا تو فرمایا "یاران شعرِ مرا بمدرسہ کہ بُرد۔ گاؤ نحو نداند"۔ مولینا نے یہ بطورِ مضحکہ فرمایا ورنہ پلالک بالفتح بھی مستعمل ہے اور بضم لام بھی پس حالک بالضم صحیح قافیہ ہوا۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ اے ممدوح اگر تو دریا پر تیروں کی بوچھاڑ کرے تو تیر تحت الثرٰے تک پہنچیں اور گاؤ زمین ماہیٔ زمین سے کہے کہ تیروں سے تیرا کیا حال ہے؟ یعنی میری طرح کیا تجھے بھی تیروں نے چھید ڈالا۔ پرانے خیالات کے موافق زمین گاؤ کے سینگوں پر ٹھہری ہوئی ہے اور گاؤ مچھلی پر۔ پس مولینا نے معترض کی سمجھ پر مضحکہ اڑایا کہ کیفَ حالکَ گاؤ کا مقولہ ہے اور وہ غریب نحو کیا جانے کہ حالک پر زبر ہے یا زیر۔

ناظم ہروانی خاقانی کے کلام میں الفاظ بھی سنگین ہوتے ہیں اور ترکیبیں بھی اجنبی۔ تاہم اکثر اشعار نزاکت کے پھولوں میں تلے ہوتے ہیں۔ شاہ افغنسان کی مدح میں ایک عالیشان قصیدہ لکھا ہے جسکے چند اشعار درج ذیل ہیں۔ ناظرین ان کی متانت و رزانت۔ فصاحت و بلاغت اور باایہمہ نزاکت ملاحظہ فرمائیں۔ یہ قصیدہ کورس منشی فاضل اور ایم۔ اے میں داخل ہے اور ہم نے حل کر دیا ہے۔

واضح ہو کہ یہ قصیدہ عید رمضان کی تہنیت میں ہے۔ ناظرین یہ امر ملحوظ رکھیں۔ تاکہ اشعار کی بلاغت و نزاکت آسانی سے سمجھ سکیں ؎

صبح خیزاں بیں قیامت در جہاں انگیختہ
نعرہاشاں نفخ صور از ہر دہاں انگیختہ

حل صبح خیزاں سے مراد صبوحی پینے والے تہنگان مے آشام ہیں نہ کہ صبح خیز زاہدان عبوس و تلخکام۔ یعنی دیکھو تو صبوحی پینے والے رندوں نے دنیا میں کیسی قیامت برپا کی ہے (اور دھوم مچائی ہے) جنکے نعروں نے ہر سامع کو چونکا دیا ہے یعنی انکے نعرے کس غضب کے ہیں کہ سننے والوں کے منہ سے بھی صور جیسی چنگھاڑیں نکل رہی ہیں بس یہ نزاکت ہے۔ اور اگر نفخ صور صبح خیزوں ہی کے نعرے ہیں تو لفظ (ہر) حشو ہے اور یوں ہوتا ؂

نعرہاشاں نفخۂ صور از دہاں انگیختہ

روزہ پا اندر رکاب ایشاں باستقبال عید دستہا را از رکاب مے عناں انگیختہ

حل ان کا روزہ پا در رکاب ہے اور یہ عید کے استقبال کے لئے ہاتھوں کو شراب کی رکاب سے عناں انگیختہ کئے ہوئے ہیں۔ رکاب بڑی طشتری (رکابی) کو بھی کہتے ہیں یعنی مقدس روزہ تو رخصت ہو رہا ہے اور رندان صبوحی آشام مقدس عید کا استقبال کس شان کے ساتھ مینوشی سے کر رہے ہیں۔

برجہاں ایں نقرہ گیران عید کردہ پیش ازانکہ صبح عید ایں نقرہ خنگے زیر ران انگیختہ

لغت۔ نقرہ چاندی اور نقرہ گیر چاندی کی پیالیوں میں شراب پینے والے یا چاندی جیسی صاف و شفاف چمکتی ہوئی شراب پینے والے۔ اور سفید گھوڑا

حل دنیا پر ان میخواروں نے اس سے پہلے عید منالی کہ عید کی صبح اس نقرہ گھوڑے (آفتاب) کو زیر ران دوڑائے۔ بلاغت اور نزاکت یہ ہے کہ صبوحی پینے کا ٹھنڈا وقت طلوع آفتاب سے پہلے ہے اور جب دھوپ

چڑھتی ہے تو گرمی ہو جاتی ہے اور مے نوشی کا لطف جاتا رہتا ہے۔ نقرہ گیر اور نقرہ خنگ سبحان اللہ۔ یہ صنائع بدائع کسی کے کلام میں نہیں۔ نہ یہ نزاکت۔

عاریت بردہ زکام روزہ داراں بوئے مشک　　در لب خم کردہ و زخم ضیمران انگیختہ

لغت ضیمران بالفتح ایک خوشبو دار پھول جسے سپر غم کہتے ہیں۔

حل۔ روزہ داروں کے منہ سے بوئے مشک مانگ کر لے گئے اور اس کو خم شراب کے منہ میں رکھدیا اور خم سے ضیمران کی خوشبو اٹھائی۔ اشارہ ہے اس حدیث کی جانب کہ ریح فم الصائم اطیب من ریح المسک یعنی روزہ دار کے منہ کی بو بوئے مشک سے اچھی ہے۔ واہ کیا کہنے ہیں پاک خوشبو کا استعمال کیسی ناپاک جگہ کیا ہے۔ بس یہ نزاکت ہے ؎

کردہ سی روزہ قضائے عشرت از یک صبوح　　و آتش زآب صبوحی در جہاں انگیختہ

حل تیس روزوں میں جو عشرت (مے نوشی) قضا ہو گئی تھی وہ ایک صبوحی میں ادا کی اور ایک صبوحی (شراب) سے آتش رشک دنیا میں اٹھائی کہ سب ایسا ہی کریں۔ واہ روزوں کا کفارہ کیا خوب ہے بس یہ نزاکت ہے۔

شاہداں آب دنداں آمدہ بر روئے کار　　فتنہ را از خواب خوش دنداں کناں انگیختہ

لغت شاہداں آب دنداں۔ وہ پریزاد ساقین جن کے دانت آبدار ہیں۔ دنداں کناں چڑاتا منہ بناتا دانت نکالنا۔ رنجیدہ۔ کا۔ آب۔ شراب پلانے کا کام۔

حل۔ خوبصورت دانتوں والے معشوق شراب پلانے کے کام میں لگے اور فتنہ کو خواب خوش سے دانت نکالتا اٹھایا۔ آب دنداں اور دنداں کناں اجنبی محاورات اور جدید ترکیبیں ہیں۔

کشتی زریں بکف دریائے یاقوتی درو — وز حباب گنبد آسا بادباں انگیختہ

حل ساقی کے ہاتھ میں سونے کی کشتی ہے جس میں دریائے یاقوتی (سرخ شراب) بھری ہوئی ہے اور شراب میں گنبد کی طرح جو بلبلے اُٹھے ہوئے ہیں وُہ کشتی کے بادبان ہیں۔ کشتی دریا میں ہوتی ہے نہ کہ دریا کشتی میں۔ بس یہ غرابت و نزاکت ہے۔ سُبحان اللہ۔

آہوئے شیر افگن ماگاوِ سیمیں بر دست — وز لب گاوش لعاب لعل ساں انگیختہ

لغت۔ آہوئے شیر افگن شوخ و طرار اور چنچل ساقی جو مے کی ایک پیالی سے بڑے بڑے شیر مردوں کو چت کرتا اور چلّوؤں میں اُلو بنا دیتا ہے۔ گاوِ سیمیں چاندی کی صراحی جو رندوں کی گئو ماتا ہے۔

حل ہمارے شیروں کے پچھاڑنے والے آہو خصال ساقی کے ہاتھ میں چاندی کی گائے جیسی صراحی اور اس کے لب سے سُرخ لُعاب (ارغوانی شراب) اُٹھی ہے۔ پھر بزمِ مے نوشی میں رقص و سرود بھی ہو رہا ہے چنانچہ آگے چلکر لکھتا ہے:۔

نائے چوں طفل حبش دہ ترک خادم پیش و پس — ہشت خلد از طبع و نہ چشم از میاں انگیختہ

لغت۔ نائے سے مراد بانسلی یا تو نے کی نہیں نہیں بلکہ چمڑے کی بنی ہوئی سیاہ رنگ ہوتی ہے۔ دَہ ترک دس انگلیاں۔ نہ چشم نو سوراخ جنپر باری باری انگلیاں رکھکر بجاتے ہیں۔

حل۔ نَے ایک حبشی بچہ ہے جسکے آگے پیچھے دس خادم ہیں۔ آٹھ بہشت (سرود راحت بخش سرود) اور نو آنکھیں کمر سے اُٹھائی ہیں۔ نے کی نیچرل تصویر کھینچدی ہے۔ واہ۔ دوسرے نمبروں میں دیگر شعراء فارسی و اردو و شعرائے عرب متنبی و حماسہ کی نزاکت و فصاحت و بلاغت و سلاست کا منظر ناظرین کی نظر سے گذریگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

روزنامچہ نوّاب سربلند جنگ بہادر

(یکم جنوری ۱۸۸۶ء - لندن)

ناشتہ کرکے ایکوٹی[۱] میں امتحان دینے کے لئے لنکنز ان[۲] کو روانہ ہُوا - کل کامن لا[۳] میں امتحان ہُوا تھا - اہلِ ہند سے تقریبًا دس آدمی امتحان میں شریک ہیں - دیکھئے کتنے کامیاب ہوتے ہیں -

امتحان کے بعد ڈیڑھ بجے عبدالمجید صاحب کے ساتھ میں نے کھانا کھایا - اس کے بعد مسٹر موریس[۴] کے مکان واقع پارک لین[۵] پر گیا اور وہاں صرف مس موریس اور مسٹر سیپی موریس سے ملاقات ہُوئی - آدھ گھنٹہ ٹھہر کر میں گرجائے ہیومینٹی[۶] کو گیا - وُہ کمرہ جس میں جلسہ ہوتا ہے ایک گلی موسومہ لیمبز کانڈویٹ اسٹریٹ[۷] میں ریڈ لین اسٹریٹ[۸] ہولبورن کے نزدیک واقع ہے - وہاں تمام اقوام و مذاہب کے مشہور اشخاص کے نیم بُت اور تصویریں دیکھنے میں آتی ہیں - ڈاکٹر کانگریو[۹] نے جو ایڈریس[۱۰] دیا وُہ عمدہ مگر معمولی تھا - ایڈریس مذکور اصُولِ ثبات پر تھا اور اس کے مُتعلق پہلے بھی قبل ازیں میرے اور ڈاکٹر صاحب موصوف کے درمیان بڑی دیر تک گفتگو رہ چکی تھی - گرجا

---

۱ Equity.

۲ Lincoln's Inn.

۳ Common law.

۴ Mr. Morris of the firm of well known Solicitors.-

۵ Park lane, Hyde Park.

۶ Church of Humanity (Positivist)

۷ Lamb's Conduit str:

۸ Red Lion Street Holburn.

۹ Dr: Congreve.

۱۰ Address.

مذکور میں مسٹر اور مسز ہومرشم کاکس سے ملاقات ہوئی۔ کئی دوستوں سے مجھ سے تعارف کرایا گیا۔ منجملہ ان کے ایک صاحب یعنی مسٹر کامیٹن نے مجھے آیندہ ہفتہ کو اپنے گھر پر مدعو کیا۔ وہاں سے میں حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب سے ملنے کو گیا۔ صاحب موصوف علی گڑھ کے رئیس اور میرے والد کی دوستوں میں سے ہیں۔ فی الحال اس ملک میں بحالت رواروی وارد ہوئے ہیں۔ اور سینٹ پنکراس مڈلنڈ ہوٹل میں مقیم ہیں۔ چونکہ وہ کسی تھیئٹر کو جا رہے تھے۔ اس لئے میں زیادہ نہیں ٹھہرا۔ قریب ساڑھے سات بجے کے میں نارتھ بروک انڈین کلب کو گیا۔ اور وہیں کھانا کھایا۔ اور بلیرڈز کھیلا۔ وہاں سے ستھنا کو گھر پہنچانے پیدل ٹہلتا ہوا گیا اور وہاں سے اپنے مقام سکونت پر آیا جو نمبر ۴۸ کانڈویٹ اسٹریٹ بانڈ اسٹریٹ میں تھا۔

۲- جنوری ۱۸۸۵ء دس بجے کے بعد میں اسمٰعیل خاں صاحب کے ساتھ برلنگٹن ارکیڈ ہوتا ہوا ان کو لنڈن یونیورسٹی لیگیا۔ وہاں سے گاڑی پر ڈاگز ہوم کو گیا جو بیٹرسی میں واقع ہے۔ اس کے بعد وائٹ لی کے مکان پر گیا۔ پھر نارتھ بروک انڈین کلب کو گیا اور خاں صاحب موصوف کو کھانا کھلایا۔ چونکہ وہ لیج

Midland Hotel St. Pancras.

Northbrook Indian Club, 3 Whitehall Gardens.

Burlington Arcade.

Dog's Home. Battersea

W. Whiteley & Co:- Westbourne Grove.

ہیں۔ کنگ کے پاس جانا چاہتے تھے اِس لئے اُن کو انڈیا آفس دکھا کر اُن سے رخصت ہوا
ڈاگز ہوم کی کیفیت جسکو میں نے آج پہلے ہی مرتبہ دیکھا ہے۔ قابلِ ذکر ہے:۔
وہ ایک بہت بڑا مکان ہے اور اس میں سینکڑوں کتے ہیں۔ جن میں سے بعض گم
شدہ اور بعض فروختنی ہیں۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی داشت اچھی
کی جاتی ہے۔ لیکن مجھے تعجب ہے کہ وُہ آپس میں لڑنے سے کیونکر باز رکھے جاتے
ہیں۔ بھولی بھٹکی بلیاں بھی وہاں رکھی جاتی ہیں۔ لیکن وہ مقابلہ کتوں کے کم ہیں
میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کی بلیوں کی خبرگیری زیادہ تر کونٹس[۹۱] ڈی لاٹاری کرتی ہیں۔ جو
لنڈن میں بلیوں کی پالنے والی مشہور ہو گئی ہیں۔

بعض دوستوں سے ملنے گیا۔ ناخدا محمد علی روگھی صاحب مکان پر نہ تھے
اِس لئے مسز پروتھرو[۹۲] سے ملنے کو گیا جو اپنی والدہ کے پاس ٹھہری ہوئی تھیں۔
اُنکی دو بہنوں سے قدیم سے میری شناسائی تھی اُن کی ماں مسز بوچر[۹۳] اور مس[۹۴]
ریلی سے جدید تعارف کرایا گیا۔ مس موصوف میرے کیمبرج کے دوست والٹر
ریلی کی ہمشیر تھیں۔ ریلی صاحب خود بھی وہاں مع اور اشخاص کے موجود تھے۔ یہ
خواتین لنڈن کی معمولی خواتین سوسائٹی کی مثل نہیں ہیں۔ جو نہ تو معنی خیز گفتگو
کر سکتی ہیں اور نہ دلچسپ بلکہ وُہ بہت قابل ہیں۔ اور فاضل ہنرمند وہاں سے میں روگھی صاحب
کے پاس واپس آیا اور ان کے ساتھ کھانا کھا کر ساڑھے دس بجے شب تک ٹھہر

---

[۹۱] Countess de-la Torre.—
[۹۲] Mrs: G. W. Prothero of Cambridge..
[۹۳] Mrs: Butcher..
[۹۴] Miss Raleigh.—

۲-جنوری ۱۸۸۵ء | آج صبح میں نے سینٹ جیمس[له] تھیٹر کی ایک جگہ نمبر ۵ ہال کا ٹکٹ خرید کیا۔ خاندان[عه] مسٹر بک کے اشخاص سے ملنے کے لئے اسٹوک[ته] نیونگٹن گیا اور انہیں کے ساتھ کھانا کھایا۔ اور چار بجے تک ٹھہرا اس کے بعد خاندان کامپٹن[عه] کے اشخاص سے ملنے گیا جو مکلن برگ[ه] اسکوئر نمبر ۲۴ میں رہتے ہیں۔ وہاں پروفیسر بیزلی[له] سے جو مشہور شخص ہیں بھی ملاقات ہوئی۔ وہاں سے کلب کو گیا اور کھانا کھا کر تماشا دیکھنے گیا۔ یہ پہلا ہی موقع تھا جو مجھے اس تھیٹر کے اور مسٹر و مسز کنڈال[ه] کو تماشا کرتے ہوئے دیکھنے کا ملا۔ مجھے اس کھیل کے اصل مضمون یا اس کے اخلاقی نتیجہ سے بالکل دلچسپی نہیں ہے۔ اسکو حال کے فرانسیسی کھیلوں کے مثل ایک فرانسیسی کھیل سمجھنا چاہئے۔ جن میں نہ تو کوئی واقعی خوبی ہوتی ہے اور نہ اصلیت۔ لامیتر ڈی فورج[ه] سے بڑھکر کونسا کھیل لغو ہو سکتا ہے۔

مسز کنڈال بہت قابل نقالہ ہے اور اس کی اداؤں میں تصنع نہیں پایا جاتا بلکہ بالکل اصلی معلوم ہوتی ہیں۔ جہانتک میں خیال کرتا ہوں لباس ضرورت سے زیادہ زرق برق تھا اور اس کا تماشا کرنا شروع سے آخر تک نہایت خوب

له St: James Theatre.

عه Mr: Beck, the father of the late Mr: T. Beck Principal M. A. O. College Aligarh.

ته Stoke Newington.

عه Mr: Compton.

ه Mecklenburg Square.

له Prof: Beezely.

ه Mr: & Mrs: Kendall.

ه Le Maitre de Forge.

تھا۔ لیکن کاش اس نے ایک معقول ڈراما اختیار کیا ہوتا جس میں اسکو اپنی قوت بہت خوبی کے ساتھ ظاہر کرنے کا موقع ملتا۔ مس[۵۱] ایلن ٹیری کی نسبت مسز کنڈال میں نقالی کی قوت زیادہ ہے گو مس مذکور مختلف حیثیتوں کے اختیار کرنے میں زیادہ قابل ہے۔ انگریزی اسٹیج پر میں نے جتنی ایکٹرس[۵۲] دیکھی ہیں ان سب بلکہ ارونگ[۵۳] پر بھی کنڈال کو فوقیت حاصل ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جاسکتا ارونگ میں تصنع اور کنڈال میں اصلیت معلوم ہوتی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ اس تھیٹر کی کمپنی میں معزز اشخاص شامل ہیں لیکن خواہ یہ سچ ہو یا نہ ہو۔ یہ بات ضرور ہے کہ تھیٹر کے منتظمین وغیرہ معمولی حیثیت سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اس تھیٹر کو ایزیولائک اٹ کے کھیل میں جسکی تیاری ہو رہی ہے اگر وہ کیا جائے گا تو بہت کامیابی ہوگی

۴۔ جنوری ۱۸۸۵ء | ناشتہ کے بعد میں نے روسو کی کتاب ایمیل[۵۴] اٹھائی جس کے ساٹھ صفحہ میں قبل ازیں دیکھ چکا تھا۔ یہ کتاب اچھی ہے لیکن مجھے مصنف کے تمام خیالات سے اتفاق نہیں ہے۔ گو اکثر خیالات سے میں متفق ہوں۔ یہ ایک بہت قابلیت کا رسالہ ہے اور اس میں بہت سے قابل قدر اشارات ہیں اور زبان عمدہ ہے۔ روسو کی دیگر تصنیفات سے میں نے صرف دو کتابیں یعنی کانٹرکٹ سوشیل[۵۵] اور اوریجن[۵۶] آف

---

۵۱ Miss Ellen Terry.--

۵۲ actress.--

۵۳ Irving.--

۵۴ Rousseau's Emile.--

۵۵ Social Contract.--

۵۶ Origin of Inequalities.--

ان ایکو الیٹیز مطالعہ کی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف میں خیالی حالات کا نقشہ اور خاکہ کھینچنے کی بڑی قوت ہے۔ میں نے ہربرٹ اسپنسر[۵۱] کا بھی وہ رسالہ جو اس نے تعلیم پر لکھا ہے پڑھا ہے۔ گو وُہ بھی ایک نادر تصنیف ہے لیکن اس سے تشفی نہیں ہوتی اور نہ اس سے اِنسانی فطرت کی خاصیت اور میلان کا ایسی باریکی کے ساتھ اظہار ہوتا ہے جیسا کہ اس تصنیف سے جو اب میرے زیرِ مطالعہ ہے۔

پونے دو بجے کے قریب میرے دوست آنریبل ناخدا محمد علی روگھے کی چِٹھی میرے پاس آئی۔ جس میں اُنہوں نے کھانے کی دعوت دی تھی۔ اِس لئے میں سیدھا اُن کے یہاں گیا۔ حاجی اسمٰعیل خاں اور چند دُوسرے لوگوں کو بھی آنریبل موصوف نے دعوت دی تھی۔ اس لئے بہت فرحت خیز صحبت رہی۔ چار بجے کے قریب ہم اپنے فیاض میزبان سے رخصت ہُوئے اور مَیں حاجی صاحب موصوف کے ساتھ مڈلنڈ ہوٹل[۵۲] کو گیا۔ جہاں وہ قیام پذیر تھے۔ اور تقریباً چھ بجے تک میں اُن کے پاس ٹھہرا۔ اس کے بعد مَیں کلب کو گیا وہاں بلیرڈز[۵۳] کھیلا اور کھانا کھایا۔ اور میکس مُلر[۵۴] کے مضمون "وحشی[۵۵]" کو جو اس مہینے کے نائن ٹینتھ سنچری[۵۶] میں شائع ہُوا تمام کیا۔ یہ ایک دلچسپ اور اچھا مضمون تھا اور اس کی غرض سنسکرت ادب اور لاطینی تواریخ

---

[۵۱] Herbert Spencer.

[۵۲] Midland Hotel.

[۵۳] Billiards.

[۵۴] Max Muller.

[۵۵] Savage.

[۵۶] Nineteenth Century.

مضمون ٹیسی ٹس کی جرمینا کی تعلیم کو تقویت دینے کی تھی تاکہ یورپ کی اقوام حالیہ کی تربیت کا ابتدائی نشو ونما کچھ سمجھ میں آئے۔ مضمون نگار کا خیال یہ ہے کہ امریکہ و آسٹریلیا کے وحشی لوگوں کے طریقوں اور رواجوں سے ہمارے آباء کے طریقوں کا پتہ نہیں چلتا۔ اُس کو ڈارون کی اس رائے سے اختلاف ہے کہ انسانوں کے ادنیٰ ترین مثال فجین لوگ تھے اور اپنی تائید میں زبان Language کی جانچ پڑتال پیش کرتا ہے۔ اس کا قول ہے کہ اُن کی زبان میں تقریباً ...۳۰ الفاظ تھے۔ اور ترقی کرنے والے وحشیوں اور تنزل کرنے والے وحشیوں میں وُہ ایک امتیاز قائم کرنا چاہتا ہے۔ یہ اُن لوگوں پر ایک دلچسپ حملہ ہے جو وحشی کا لفظ ایسے لوگوں کی نسبت استعمال کرتے ہیں جن کے حال سے وہ اس قدر ناواقف ہیں کہ اگر اُن سے وحشی کی تعریف پوچھی جائے۔ تو قابلِ اطمینان طریق پر نہیں بتا سکتے۔ قریب دس بجے کے میں اپنے قیام گاہ پر واپس آیا اور ۱۲ بجے تک ایمیل کے کچھ اور صفحوں کا مطالعہ کیا اور اب سونے جاتا ہوں۔

۵۔ جنوری ۱۸۸۵ء | آج صبح کو میں پونے دس بجے اسمٰعیل خانصاحب کو رخصت کرنے چیرنگ کراس اسٹیشن پر گیا جو ٹائڈل ٹرین میں جانے والے تھے۔ وُہ

---

۵۱ Tacitus Germania.

۵۲ Darwin.

۵۳ Fijian.

۵۴ Emile.

۵۵ Chairing Cross.

۵۶ Tidal.

[redacted]

پیرس گئے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہاں درحقیقت کتنے عرصہ تک قیام کرنے کا اُن کا ارادہ ہے۔

ٹرین کی روانگی کے بعد میں نے ناشتہ کیا اور اسٹرینڈ[1] کی طرف اس غرض سے روانہ ہوا کہ دیکھوں عدالت میں کیا ہو رہا ہے۔ جب میں گیا تو عدالتیں کھلی ہوئی تھیں۔ مگر کچھ کام نہیں ہو رہا تھا۔ وہاں سے میں اسٹیورڈ[2] کے دفتر واقع لنکنس ان[3] میں گیا اور سید عبدالرؤف کے لئے داخلہ کے فارم لئے۔ اس کے بعد ویجیٹیرین ریسٹارنٹ[4] واقع کوچہ راتھبون[5] میں کھانا کھایا۔ اور کچھ کتابیں خرید کر حسبِ وعدہ پی ×× کی ملاقات کو روانہ ہوا۔ میں نے اُن کو طرف مقابل سے آتے دیکھ کر کہا کہ میں تو تمہارے یہاں جا رہا تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ تم مجھ سے بچ کر نکل جانا چاہتے ہو۔ اُنہوں نے اس کا کچھ معمولی سا جواب دیا اور مجھے پوسٹ آفس لیگئے اور اس کے بعد ایک بلیرڈ[6] روم میں گئے جہاں اُنکے بھائی اور ایک دوست کھیل رہے تھے۔ ہم نے بھی کھیل شروع کیا لیکن چونکہ اُن کو کہیں اور جانا تھا۔ اس لئے ختم نہیں کر سکے۔

بابو صاحب ادھر متوجہ ہوجئے۔ جبکہ آپ کے طور طریقے اچھے نہیں

---

[1] Strand

[2] Steward's Office.

[3] Lincoln's Inn.

[4] Vegetarian Restaurant.

[5] Rothbone Place.

[6] Billiard Room.

ہیں تو تعلیم حاصل کرنے سے کیا فائدہ۔ آپ ایک دوست کو بلاتے ہیں اور وقت معین اس کے بلانے کے وقت گھر سے نکل جاتے ہیں۔ اگر آپ ترقی کرنا چاہتے ہیں تو معاشرت کو درست کیجئے۔ ایک مرتبہ میں نے ناشتہ کی دعوت دی تھی۔ اور اگرچہ میں نے عمداً انہیں کے واسطے ناشتہ کا وقت دیر سے معین کیا تھا لیکن اس پر بھی وہ نہیں آئے تھے۔ اپنے کمرہ میں سوتے پڑے رہے۔ شرم۔ شرم۔

اولی فنٹ[۵۱] کے ایک ناول کے چند صفحہ پڑھکر جسکو میں نے آج خریدا تھا بستر پر گیا۔

خوشی کی بات ہے کہ میرے والد ماجد کو سی۔ ایم۔ جی کا خطاب عطا ہوا ہے۔

وہ بہت اعزازات جنکا مجھے فخر ہے ہم کو ہمارے آبا و اجداد سے وراثتاً ملے ہیں اور جنکو ہم نے اپنے تدین و بے غرضی سے ابتک حاصل کیا ہے اور امید ہے کہ آیندہ بھی خالق جل و علا کی درگاہ میں حاصل کرینگے لیکن تمام لوگ ایک ہی خیال کے نہیں ہوتے۔ اُن لوگوں کو جنکی نظروں میں خطابات گرانقدر ہیں جاننا چاہیئے کہ دیانتداروں کو بخلاف اُن کے دشمنوں کے اس دُنیا میں بھی اُسی طرح صلہ ملتا ہے۔ جیسا کہ عاقبت میں۔

---

۵۱ Oliphant's Novels.

تِل

اے کشش سے لبریز دامِ حسن کے دانے' تیری دلفریب صورت کے پھندے میں سینکڑوں ناکردہ گناہ عشاق کے دِل کیونکر پھنس جاتے ہیں! اور پھر ایسے پھنستے ہیں کہ نہ تڑپتے ہیں نہ لوٹتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس رُوحانی غذا کے اثر سے ایسے متاثر ہوتے ہیں کہ نہ حاجتِ شکوہ باقی رہتی ہے' نہ شکایت کا دخل ہو سکتا ہے۔ بلکہ اُن کی ہستی کا چمکتا ہُوا چراغ اس کالے کے روبرو گل ہو جاتا ہے اور وُہ اپنے تاریک وجود کو تیری سیاہی میں ملا کر تیرے حسنِ خداداد کو دوبالا کر دیتے اور آنکھوں کے تِل کے جھروکوں سے الگ تھلگ بیٹھے ایسا بھرپور مزہ لوٹتے ہیں کہ اغیار کی نظرِ بد کے لئے اُن کی چشمِ مروت میں تِل بھر جگہ باقی نہیں رہتی۔

رُخِ رنگین کے سجادہ پر اے تِل تو سچ بتا کیوں اس قدر تیور بدلے متمکن ہے؟ چشمِ بد دور کیا کسی کے عالم سوز حسن کو نظرِ بد سے تحفظ میں رکھنے کے لئے آتشِ حُسن پر کالا دانہ سلگا کر ادا و غمزے کی دھونی دے رہا ہے۔

یا اس بارود کے دلنے سے کسی کی اُمیدوں کے مستحکم قلعہ کو ایک ہی فیر میں اڑا دینے کا ارادہ ہے؟

او فنا کرنے والی' نار' دلوں کو جلا کر خاک سیاہ کرنے والی' ید بیضا پر فوق رکھنے والی نار یوں ہی مشتعل رہکر میرے جذبات کی آتش کو بھڑکاتی رہ اور دِل میں چاہ اور دماغ میں شوریدگی پیدا کرتی رہ۔

ہاں پیارے! وہ نکات جو تل کی اوٹ میں تیرے فسوں ساز کرشموں سے بچے گئے ہیں بتا، پیارے بتا ....

ہیں یہ بے رحمی، یہ بیدردی، آہ! اِن تلون تیل ہی نہ تھا گویا۔

اے مشکیں خال تیری خوشبو سے عشاق کے مشامِ جان ایسے معطر ہیں کہ مصنوعی عطریات اُن کے خیال میں بھی نہیں سماتے۔ بلکہ تیری فرحناک خوشبو سے ایسے بے خود ہو جاتے ہیں کہ عاشق و معشوق میں تل بھر فرق نہیں رہتا۔

اگر کسی نے تیرے خال کی خوبی و رعنائی پر سمرقند و بخارا بخشدیا تو کیا تعجب مجھ عاشقِ جانباز کے پاس اقلیمِ دل جس کی بستی میں امیدیں بستی ہیں۔ حاضر ہے، لے! اور عشوہ و انداز کے بادشاہ کو متمکن کر، اور اس کے صلہ میں اور کچھ نہیں تو اپنی آنکھ ہی کے تل میں جگہ دے تاکہ خوشی میں آکر عالمِ خیال میں محفل منعقد کروں۔ اور تمام عشاق کی رُوحوں کو جمع کر کے تل کے لڈو تقسیم کروں۔ اور حالتِ وجد میں تیرے تل کو شمار دانہ بنا کر سورۂ اخلاص پڑھ پڑھ کر تیرے منور اور روشن چہرہ پر مدام دم کروں۔ اور اپنے بلبلِ دل کو خالِ رخسار پر گلِ مقصود سمجھکر پروانہ وار تصدق کیا کروں۔

خدا کرے ایک دن یہ معراج نصیب ہو کہ بعدِ مُردن تیرے ہی جنت نشان کوچہ میں تل بھر جگہ میسر آجائے تاکہ مجھ حرمان نصیب کی مٹی عزیز ہو۔ اور تیرا خالِ سیاہ ابرِ رحمت بنکر مجھ عاشقِ جانباز کی قبر پر سایہ فگن رہے۔

حکیم محمود۔ ماہر (اکبرآبادی)

شمس العلما حضرت مفتی سید محمد عباس مغفور

گذشتہ تیرہ صدی کے اوائل عہد میں جبکہ ہندوستان اور خصوصاً اعظم ہی میں فارسی و عربی تعلیم کا بازار سرد ہونے لگا۔ لکھنؤ نے اس کو بہت کچھ سنبھالا۔ وہاں کے ہندوؤں اور مسلمانوں نے ان دونوں زبانوں میں معتدبہ ترقی کی۔ خصوصاً مسلمانوں کے فرقے نے عربی کے معقولات و منطق اور کسی قدر فن ادب میں بھی نمایاں ترقی کی۔

اُدھر فرنگی محل کے واجب التعظیم عُلما نے حسبۃً للہ پڑھانے پر کمر ہمت چُست باندھی دُور دور سے یہ خبر پاکر طالبانِ علم زحمت سفر گوارا کر کے آنے لگے وہاں کے رؤسا و اُمرا نے بلا قید مذہب اپنے اپنے گھروں میں اس گروہ کو رکھ کر کھانے کپڑے اور رہنے کی جگہ دینی شروع کی اور علما نے نہایت شفقت و مہربانی سے پڑھانا شروع کر دیا۔

ادھر خاندان اجتہاد نے بھی جہدوانی کے ساتھ عام و خاص پر فیض علم کا دروازہ کھول دیا شیعہ سُنّی علما سے نہ ہچکتے تھے اور سُنّی شیعہ مولوی سے۔ بزرگوں کا چشم دید بیان ہے کہ جس شیعہ یا سُنّی مولوی کے گھر جائیے۔ دس بیس طلاب کو بیٹھا دیتے ہوئے دیکھ لیجئے۔ اطبا کی درگاہ کا بھی یہی حال تھا۔ رفتہ رفتہ نصف صدی تک پہنچ کر کیسے کیسے نامی وگرامی علما ہوئے کہ اگلے مشاہیر اہل علم سے کسی طرح کم نہ تھے۔ سلطنت اودھ نے بھی قدردانی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا کیا

عمدہ زمانہ تھا جب ایک طرف جناب مفتی سعد اللہ صاحب اہل سنت و جماعت کے فرامین و فتاویٰ پر دستخط فرماتے ہونگے۔ دوسری طرف جناب مفتی سید محمد عباس صاحب شیعوں کے مذہبی امور فیصل کرتے ہونگے۔

یوں تو شیعوں میں اور بھی چند اہل علم و کمال تیرہ صدی کے عشرۂ خامسہ میں ایسے نامی گرامی ہو گذرے جن کے نام صفحۂ تاریخ میں طلائی حرفوں سے لکھے جانے کے قابل ہیں لیکن بہ حیثیت مجموعی اور خاص کرکے ادبیات میں جناب مفتی سید محمد عباس صاحب ایسے علامۂ وقت پیدا ہوگئے کہ اگلے ادبا میں بھی بہت تلاش سے ایسا ادیب ملے تو ملے۔ میں اس مختصر تحریر میں حضرت ممدوح کی سوانح عمری نہیں لکھتا کیونکہ اس مبارک اور ضروری کام کو وہ حضرات جو اس کے اہل ہیں سرانجام دینے میں مشغول ہیں۔ فی زمانا جو حضرات ممدوح سے بالکل ناواقف ہیں اُن کو بالاجمال واقف اور جو بزرگوار پہلے سے آگاہ ہیں۔ اُنکی خدمت میں یہ عرض کیا چاہتا ہوں کہ بالفعل لکھنؤ میں باہتمامِ عالی جناب مستطاب اُستاد العلما جناب مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ مجتہد العصر حضرت مفتی صاحب غفران مآب کی سوانح عمری لکھی جارہی ہے۔ ممکن ہے کہ کسی صاحب کو مومی الیہم کی نسبت کوئی صحیح واقعہ یا تحقیقی حال معلوم ہو۔ خواہ جناب کی کوئی تحریر اُن کے پاس ہو یہی مبارک وقت ایسی چیزوں کے شایع کا ہے حضرت مجتہد العصر ممدوح دام ظلہ سے اس باب میں مراسلت و خط و کتابت فرمائیں۔

جناب مفتی صاحب مغفور نہایت کم عمری میں فارغ التحصیل اور نامی گرامی عالم ہو چکے تھے جب ہی سے تصنیفات کا شوق مفرط پیدا ہوا۔ فنون موجودہ مروجہ میں کوئی فن ایسا نہ تھا جس میں اُن کی ایسی تصنیف نہ ہو کہ خاص و عام

فن کے اساتذہ انکو مان نہ گئے ہوں۔ تیرہ چودہ ہی برس کی عمر میں فارسی کی ایک طویل مثنوی بطرز نان و حلوائے شیخ بہائی علیہ الرحمۃ کے لکھی جس میں جابجا حسب موقع عربی اشعار ہیں اُس کی فصاحت و بلاغت محاورات فارسی کی پاکیزگی حسن تاثیر اس درجہ ہے کہ سُننے والا دنگ ہو جاتا ہے۔ تعجب یہ ہے کہ جناب ممدوح کو شاعری میں کسی سے تلمذ بھی نہ تھا چنانچہ خود اس مثنوی میں فرماتے ہیں ؎ در فن شعرم زکس امداد نیست ۔ کار بے استاد را بنیاد نیست
ایک جگہ اپنے صغر سن کا اعتراف کرتے ہیں ؎ تو نظر بر خورد سالیم مکن ہیں چساں پیرانہ گفتم ہر سخن۔

جب یہ مثنوی چھپ کر شائع ہوئی تو ہندوستان سے لیکر عرب و عجم تک اس کی شہرت ہوگئی۔ ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں مشہد یا طہران کے کسی بازار میں چلا جا رہا تھا۔ دیکھا کہ کسی موقر شخص کو سینکڑوں شریف صورت گھیرے ہوئے ہیں اور وہ شخص بڑے تقلقے کے ساتھ کچھ اشعار پڑھ رہا ہے۔ جو سُنتا ہے مارے وجد کے سر دُھنتا ہے اور پڑھنے والے پر شیدا ہو رہا ہے۔ میں بھی اس غول کے اندر چلا گیا کہ دیکھوں پڑھتا کیا ہے۔ سُنا تو یہی مثنوی جس کا نام "منّ و سلویٰ" ہے پڑھ رہا ہے۔ مجھ کو اس کے اشعار یاد تھے مگر ڈر کے مارے اظہار کی جرأت نہ ہوئی۔ جب وہ پڑھ چکا اور بھیڑ چھٹ گئی تو میں اس کے نزدیک گیا اور آہستہ سے کہا کہ آقا "ایں کلام کیست" اس نے بے تکلف جواب میں کہا کہ "کلام من است" تب میں جھلا گیا اور میں نے کہا کہ نہ خیر ایں کلام سید است (جناب مفتی صاحب کا تخلص سید ہی) اُس نے مُنہ بنا کر کہا کہ بلے من سید ہستم۔ تب میں نے کہا کہ نامش سید محمد عباس است

اُس نے ظاہر کر کے کہا کہ نام من سید محمد عباس است۔ تب میں خاموش ہو گیا۔ اہل عجم کسی کو فارسی زبان میں بجز ایرانی کے مانتے نہیں۔ بلکہ اس کی ہستی نہیں جانتے۔ اسی نوعی کی نسبت ایک نقل مجھ پر بھی گزری ہے۔ میں نے ایک مثنوی فغانِ دلکش نام فارسی میں کہی۔ وُہ مثنوی چھپ گئی۔ اتفاقاً میں کلکتہ گیا۔ شام کا وقت تھا۔ عمدۃ الاُدبا شمس العلما جناب شیخ محمود صاحب جیلانی کی ملاقات کو گیا۔ وہاں اُس رات سفیر ایران کی دعوت تھی۔ قریب تیس چالیس موقر لوگوں کے مدعو تھے۔ قابل اہل عجم کا مجمع تھا جن میں ناخدائے شیرازی و مرزا محمد باقر شیرازی خاص کر کے قابل ذکر ہیں۔ مزاج پرسی و تعارفات کے بعد میں نے اپنی مثنوی کی ایک جلد شیخ محمود صاحب کی خدمت میں بطور ہدیہ کے دیدی۔ اُنھوں نے بڑے ذوق و شوق سے لیکر فرمایا کہ ورزبانِ فارسی است میں نے کہا بلے

ناخدا صاحب شیرازی کو کب تاب تھی۔ شیخ صاحب سے پُوچھا کہ چہ چیز است آغا۔ اُنھوں نے کہا کہ مثنوی است از کلامِ اقدس حضرت شاد سلمہ اللہ۔ میرزا باقر شیرازی بولے کہ بعد از خمسۂ نظامی مثنوی گفتن چہ ضرور چنانچہ ما می گوئیم بطور مثل کہ مثنوی بعد از خمسۂ نظامی و دیوانِ غزلیات بعد از دیوانِ حافظ جز سوختن بکار دیگر نمی آید۔ مجھ کو یہ تعصب اور یہ بد اخلاقی بہت بُری معلوم ہوئی۔ میں نے کہا کہ چہ میگوئی در خصوص خمسۂ امیر خسرو و لیلی مجنوں ہاتفی و مثنوی ملا علی رضا تجلی و دیگران جواب میں دونوں صاحبوں نے کہا کہ بلے ہمہ خوب است ما بدنمی گوئیم۔ اما حق مثنوی چنانچہ نظامی ادا کردہ است دیگران نہ کردہ اند۔ ساتھ اس کے یہ بھی کہا کہ امیر خسرو کہ از عہدۂ مثنوی برآمد ازیں است کہ ہندی نبود۔ اگر ہندی می بود۔ فارسی را ایں پاکیزگی کا ہے نمی گفت۔ میں نے کہا۔

چہ می گوئی در باب مفتی میر عباس کلام ایشاں جواب میں کہا کہ ہمیں مثنوی کہ مولوی است شنیدم طبع شعر ہم دارد۔ مجھ کو غصہ تو آیا مگر ٹال کر کہا کہ مثنوی شیخ بہائی را کہ ملاحظہ کردہ کہنے لگے بلے میں نے کہا کہ مثنوی مولوی معنوی ہم ماشاء اللہ در نظر شما ہست فرمایا کہ بلے بہ بہ ایں باخصوص مولوی معنوی کارہا کردہ است یہیں سے میں نے کچھ اشعار مثنوی معنوی کے اور کچھ شعر مثنوی نان وحلوا کے پڑھنے شروع کر دیئے۔ اب ساری صحبت متوجہ ہو کر سننے اور تعریفیں کرنے لگی۔ میں نے مناسب مقام دیکھ کر جناب مفتی صاحب کی مثنوی من وسلویٰ کا جوڑ لگا دیا ؎

خامشی اے دل نغمہ سازی تا بکے ۔۔۔ در قرے بانگِ حجازی تا بکے
کور را بنمودنِ آئینہ چیست ۔۔۔ گاؤ خر را دادنِ لوزینہ چیست

قریب پچاس شعر کے پڑھے اب تو بہ بہ اور احسن احسن کہتے ہوئے ساری صحبت کی زبان خشک ہو گئی۔ جب اس لقش کو میں نے کامل کر لیا تب چونک کر کہا کہ آغا ایں ہمہ اشعار کہ شنیدی چہ طور است سب نے بے اختیار کہا کہ مثل و نظیر ندارد۔ اس وقت میں نے کہا کہ ایں است کلام ہماں مفتی میر عباس تب تو ناخدا اور میرزا باقر بہت گھبرائے اور کہنے لگے کہ ببخشید باخبر نہ نشستیم۔ بعد اس کے میری مثنوی فغانِ دلکش شیخ صاحب سے دیکھنے کے لئے مانگ لی۔ یہ دیکھ کر میں نے کہا کہ آغا من مرد ہندی ہستم۔ فارسی را درست نمی دانم اگر جائے ماندہ باشد بمن نشان خواہید داد کہ منت شما خواہم شد۔ دونوں صاحبوں نے فرمایا چشم چشم۔ تیسرے دن میری فرودگاہ یعنی گول کوٹھی میں مثنوی کو لئے ہوئے دونوں صاحب تشریف لائے۔ میرے ہم سفر جناب غفران مآب المسی لوذعی نواب حکیم محمد علی خاں صاحب

انجم مخلص رئیس قصبہ شیخ پورہ بھی تھے وہ بھی تشریف رکھتے تھے ناظر صاحب نے میری مثنوی کی تعریف کی اور دبی زبان سے فرمایا کہ دو جا از سہو ماندہ است (مجھ کو یاد نہ رہا کہ انہوں نے کس محاورہ کی نسبت کہا کہ ما چنیں نمی گوئیم) فوراً جناب حکیم محمد علی خانصاحب نے مثال میں عرفی کا شعر پڑھا کہ شما نمی گوئید مگر عرفی می گوید" یہ سن کر چپ ہو گئے خلاصہ یہ کہ جناب منشی صاحب کو عرب و عجم سب مان گئے تھے۔

جناب مولانا و مخدومنا حکیم مولوی سید محمد جواد صاحب ڈاکٹر جو حضرت ممدوح کے رشید شاگرد اور اپنے کمالات و تحقیقات علمیہ میں متفرد اور فی الواقع صاحب نفس ذکیہ ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ایک تیز فہم اہل علم عرب کے سامنے میں نے جناب مفتی صاحب کے عربی کے دو تین شعر پڑھے جو فصاحت و بلاغت میں نظیر نہیں رکھتے ہیں وہ وجد میں آکر کہنے لگا کہ ھذا من کلام اھل المدینۃ ولعلہ من اھل البیت یعنی یہ کلام ضرور اہل مدینہ کا ہے اور شاید کہ اہل بیت رسول میں سے کسی کا کلام ہے۔ میں نے کہا کہ ھذا کلام السید اس نے جواب دیا کہ ھو ایضاً من اھل البیت جناب ممدوح کا دیوان عربی موسوم بہ رطب العرب ایسا ہے کہ عراق عرب کے علما ادبیات میں سبقاً اس کو پڑھاتے ہیں تیرہویں صدی کے عشرہ سابعہ ثامنہ و تاسعہ میں لکھنؤ کی شیعہ جماعت میں شاید ہی کوئی ایسا فارغ التحصیل عالم و مجتہد ہو جس نے جناب ممدوح کا فخر تلمذ حاصل نہ کیا ہو۔ استاد العلما و سند المجتہدین کا لقب بلاشبہ انہیں کے لئے سزاوار تھا۔ اگر انکی تصانیف کی فہرست اور اس کے ساتھ مختصر مختصر ان تصنیفوں کے حالات یہاں درج کروں تو کئی جزو ہو جائیں۔ لطف یہ ہے کہ عربی فارسی کے ساتھ اردو شاعری کے بھی بے مثل مینا کار اور محاورہ پر

حاوی تھے۔ مذاق ایسا سلیم پایا تھا کہ اُردو میں مَیں نے آج تک ویسا شعر فہم نہیں دیکھا اُردو کے شعر اتنے یاد تھے کہ تعجب ہوتا ہے۔ اہلِ دل ایسے تھے کہ اچھا شعر سُننے ہی رونے لگتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جناب مخدومنا مولانا حکیم سید محمد جواد صاحب قبلہ نے راقم کی غزلوں کے چند شعروں کی نسبت یہ فرمایا کہ یہ سب شعر جناب مفتی صاحب کے سامنے پڑھے جاتے تو بہتر تھا۔ اتفاقاً ۱۸۸۲ء کے کچھ بعد میں اور جناب مولانائے ممدوح کلکتہ میں وارد ہُوئے۔ چند دنوں بعد خیال آیا کہ جناب مفتی صاحب قبلہ مٹیا برج میں تشریف رکھتے ہیں۔ حاضرِ خدمت ہونا چاہئے۔ مَیں اور جناب مولانا ایک دن مٹیا برج میں حاضر ہُوئے۔ دن کے دس بج چکے تھے حضرت کے دروازہ پر ایک صاحب اہلِ لکھنؤ کھڑے ہُوئے تھے۔ اُنہوں نے کہا کہ اب جناب کی ملاقات کا وقت نہیں ہے۔ غذا نوش کر کے اندر آرام فرماتے ہیں۔ مَیں نے کچھ التفات نہ کیا اور پردہ کے پاس جا کر صدا کی۔ اندر سے آواز آئی کہ کون صاحب ہیں؟ مَیں نے کہا کہ علی محمد شاد اس کے جواب میں عجب بشاشت سے فرمایا کہ اللہ اللہ میں ابھی آیا۔ تھوڑی دیر میں ہاتھ میں حُقّہ لئے باہر آئے دُوسرے ہاتھ میں تمباکو اور کولوں کی تھیلی تھی۔ مَیں آداب بجا لایا۔ بڑی شفقت سے ہم دونوں آدمیوں کو گلے سے لگا لیا اور نہایت مسرّت آمیز تعجب کے لہجہ سے فرمایا کہ بھئی یہ نعمت آج مجھ کو کیونکر میسّر آئی۔ گھر ایک تخت تھا کوئی امیر آئے یا غریب سب اسی پر بیٹھتے تھے اور اپنا فخر جانتے تھے۔ غرض اسی تخت پر نشست ہوئی۔ مَیں نے معذرت کی کہ جناب کو اس وقت بہت زحمت ہُوئی۔ یہ وقت آرام کا تھا۔ بے اختیار فرمایا کہ تم لوگوں کے ملنے میں جو دلی آرام ہے اس کے آگے دوسرے آرام کی کیا حقیقت ہے۔ غرض تھوڑی

مشغول ہوتے ہیں اسی ضمن میں اُن شعروں کا بھی تذکرہ آگیا۔ فرمانے لگے کہ اے بھائی شاعروں کے ہر شعر میں معنویت کو کیوں ڈھونڈھتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ قبلہ وکعبہ میں ایسا کوئی شعر نہیں عرض کرتا جس میں ظواہریات کے سوا معنویت سے بحث نہ ہو۔ اگر عاشقانہ شعر میں معرفت نہ ہو تو وہ شعر ہی کیا ہے بڑے تعجب سے فرمایا کہ بھائی یہ بہت دشوار ہے۔ غرض میں نے اُن شعروں کو پڑھا جنکی نسبت ہمارے مولانا چاہتے تھے۔ حضرت نے تامل سے سُنکر نہایت اظہار مسرت کیا اور فرمایا کہ فلاں فلاں لفظ نے معنی کو صاف کھول دیا ہے کہ مقصود یہ ہے۔ اس کے بعد ہمارے مخدوم مولانا سید جواد صاحب قبلہ نے راقم کی اکثر غزلوں کا حضرت سے ذکر کیا۔ میں اپنا دیوان لیتا گیا تھا۔ غزلیں سنانے لگا تو حضرت کی یہ حالت تھی کہ اکثر شعروں پر آنسو نکلتے تھے اور اکثر شعروں کو سُنکر کثرت بشاشت سے ہنسنے لگتے تھے۔ اور ہزاروں دُعائیں دیتے جاتے تھے۔ جب میں جناب کی تکلیف کے خیال سے دیوان بند کرنے لگتا تھا تو اصرار فرماتے تھے کہ غنیمت وقت ہے پڑھے جاؤ۔ پڑھتے پڑھتے پانچ بج گئے اور میں تھک گیا۔ آخر معذرت کی۔ چند غزلوں کی نقلیں طلب فرمائیں۔ جنکو میں نے سعادت سمجھ کر بھیجدیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت کی عمر اسّی برس کی ضعف قویٰ و علالت میں گرفتار۔ جدت فہم یہ کہ ادھر منہ سے شعر نکلا اور اُس کے تمام نکات پر نظر دوڑ گئی۔ فقط یہی نہیں بلکہ اُسی مضمون کے عربی و فارسی و بھاشا تک کے کئی کئی شعر زبان پر آ گئے۔

جناب مولوی سید محمد صاحب وزیر تخلص جناب کے سب سے بڑے صاحبزادہ اور محل اولی سے تھے۔ سب اولاد میں اُن کو بہت دوست رکھتے تھے

اور اُن کی خاطر بیحد عزیز تھی۔ وہ نقل فرماتے تھے کہ میر انیس مغفور جب جب کوئی مرثیہ نظم کرتے تھے تو پہلے اپنی جگہ اس کو خوب دیکھ لیتے تھے بعد کو نہایت خفیہ طریقہ سے جناب مفتی صاحب کے پاس بھیج دیتے تھے کہ ایک نظر اس پر فرما جائیں یہ بات ایسی احتیاط سے ہوتی تھی کہ کسی کو برسوں تک پتہ نہ لگا۔ ایک دفعہ میر صاحب نے نیا مرثیہ ایسا کہا کہ مسودہ ہی کی حالت میں اُس کی شہر بھر میں دُھوم مچ گئی۔ چونکہ مجھ کو بڑی مشکل سے یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ میر صاحب کا خدا بخش معتبر خدمتگار جو کبھی کبھی رومال میں لپٹی ہوئی کوئی چیز لاتا ہے اور بجز جناب کے اور کسی کے ہاتھ میں نہیں دیتا ضرور وہ چیز مرثیہ ہے۔ اس دفعہ جس طرح ممکن ہو خدا بخش سے (جب وہ لائے تو) رومال میں خود لیکر دیکھوں۔ تاک میں لگا رہا۔ آخر خدا بخش کوئی چیز چھپائے ہوئے لایا۔ حضرت اندر تھے میں نے اس سے کہا کہ جو چیز لائے ہو مجھ کو دیدو۔ میں ابھی پہنچائے دیتا ہوں۔ وہ صاف انکار کر گیا کہ صاحبزادہ خیر ہے۔ میں کوئی چیز نہیں لایا۔ تب میں نے اسکو دس روپے کا لالچ دیا کہ میاں خدا بخش میں خوب جانتا ہوں کہ تم مرثیہ لائے ہو اور میں کسی سے بھی کہنے والا نہیں ہوں اور یہ بھی جانتے ہو کہ جو چیز والد کے پاس جائے گی میں ضرور اس کو دیکھ سکتا ہوں۔ لو یہ دس روپے لے لو۔ تمہارے سامنے ہی میں دیکھکر تمہارے حوالہ کر دونگا۔ وہ بہت بگڑا اور آنکھیں نیلی پیلی کیں اور کہا کہ صاحبزادہ اب پھر ایسا نہ فرمائیے گا۔ کیا مرثیہ اور کیا دیکھنا۔ غرض پھر مجھ کو جرأت نہ ہوئی۔ اِتنے میں جناب گھر سے باہر آئے الگ تخلیہ میں لیجا کر اس سے باتیں کیں۔ اُس نے نظر بچا کر سفید رومال میں بندھا ہوا بستہ اس ترکیب سے دیا کہ کسی نے نہ دیکھا مگر چونکہ میں تاک لگائے تھا جب وہ رومال جناب خود دوپٹہ میں لپیٹنے اور چھپانے لگے تو گوشہ پر میری نظر

پڑگئی۔ وقت دیگر بشاش پاکر جناب سے مَیں نے باصرار تمام عرض کیا کہ حضور کو تو معلوم ہے کہ مَیں ہرگز کشفِ راز نہیں کرتا۔ خصوص جب اس کا معاہدہ بھی کرلوں۔ اس دفعہ جو مرثیہ میر انیس نے ملاحظہ کے لئے بھیجا ہے مَیں چاہتا ہوں کہ حضور ہی کے سامنے ایک نظر اس کو دیکھ جاؤں۔ حضرت یہ سنتے ہی طیش میں آگئے۔ مجھ پر کبھی ویسا غصہ نہ کیا تھا۔ جیسا اس دن کیا فرمایا کہ کیسا مرثیہ کیا ایک ہے ہو کس نے تم سے کہا۔ خبردار پھر ایسی لغویات کا سوال مجھ سے نہ کرنا۔ اللہ اللہ کیسے کیسے کامل اور کیسے کیسے سخن فہم لوگ تھے۔ جنکی روزمرہ کی حکایتیں ہم لوگ تعجب سے سنتے ہیں۔ میر انیس مرحوم اور انکے کلام سے محبت کا پایہ گزر کر قریب عشق کے پہنچ گیا تھا۔ مَیں نے خود بھی اکثر دیکھا اور سنا بھی کہ جب میر انیس کا نام آگیا تو پھر ان کے پہروں تک کوئی دوسرا ذکر نہیں کرتے تھے۔ جناب کے جید شاگردوں نے مجھ سے کہا کہ جس دن سبق کے وقت میر انیس کا ذکر آگیا اس دن کے سبق سے ہم لوگ مایوس ہو جاتے تھے۔ اسی کے قریب قریب میں نے میر انیس کی حالت بھی دیکھی اگر موقع ہوا تو میر انیس کے حالات میں درج کروں گا۔ خدا کرے جناب مفتی صاحب کی سوانح عمری جس طرح پر میرا دل چاہتا ہے یعنی آزادی و بے تعصبی وغیرہ وغیرہ کے ساتھ (جو اس کے لوازمات ہیں) معقول طرح چھپ کر شائع ہو جائے اور طریقہ لکھنے کا بھی وہ اختیار کیا جائے کہ قصیدہ مدحیہ نہ ہو۔ بلکہ ان کے محامد ہو بہو حد اعتدال کے ساتھ بیان کئے جائیں اور لکھنے والے ضرور ہر ملت و مذہب کے سنجیدہ لوگوں کے پڑھنے کے لائق اس کو بنادیں ؎ این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد +

سید محمد علی شاہ

دوست کی یاد

کارخانۂ نیچر کا ہر اِک ذرہ متحرک ہے۔ حیاتِ انسانی کے ہنڈولے نے چکر لگایا۔ اور تھا! نظامِ عالم میں ہزاروں، لاکھوں انقلابات پیدا ہوئے، ہونگے، ہوتے رہینگے، تارے چمکے، چمک کر ٹوٹے۔ ٹوٹ کر آنکھوں سے نہاں ہوئے، چاند نکلا، نکل کر بڑھا، بڑھکر روشن ہوا، گھٹا، گھٹ کر بے نور ہوا، سورج طلوع ہوا، طلوع ہو کر پھر ڈوبا، زمانہ پلٹا، موسم بدلا۔ جاڑا گیا گرمی، گرمی گئی برسات، دن نکلا، پھر ڈھلا، رات آئی، نسیم سحری چلی، چل کر غنچے کھلے، کھل کر مرجھائے، پھول ہنسے، ہنس کر، کمہلائے، شاخوں سے پتے گرے، گر گر سوکھے، اُن کی جگہ نئی کونپیں نکلیں، نکلیں بڑھیں۔ سبزہ پامال ہوا، پھر اگا۔ میووں سے ڈالیاں لدیں، لدکر بازار میں آئیں۔ گر گئیں، پک کر گاہکوں کے مشتاق ہاتھوں میں پہنچیں، بادل گھرا۔ گھر کر برسا، بجلی چمکی، چمک کر ٹوٹی، ٹوٹ کر سخت سے سخت دل کو تڑپایا، یہ سب کچھ ہوا، ہوگا۔ ہوتا رہیگا!

مگر مجھ سے پوچھو تو سکونِ خاطر مفقود، ہر وقت "دوست کی یاد"، موجود اکثر یہی دیکھا گیا ہے کہ جب آپس میں ایک دوسرے کو یاد کرے تو اس کا یاد کرنا اور آنا لازمی ہے۔ جبکہ یہاں صورتِ حال جدا ہے تو پھر یہ یاد کیسی!!

بھلاتا لاکھ ہوں لیکن وہ اکثر یاد آتے ہیں   الٰہی ترکِ اُلفت پر بھی کیونکر یاد آتے ہیں!

یہ عجیب زبردستی کی یاد ہے!!

لیکن میری سمجھ میں اب تک مطلق نہ آیا کہ کیا چارہ کار اختیار کیا جائے۔ نہ معلوم کہ اُس کی یاد کا وہ گہرا نقش جو میرے صفحۂ دل پر مرتسم ہوا ہے اس کو کس طرح دُور کروں؟ اور وُہ کونسی روشنائی تھی؟ اور وُہ کون نسخہ ہے، اور اس کے اجزاء کیا ہیں؟ کہ جس سے اس طرح کا نقش مرتسم کرنے کے لئے کام لیا گیا؟ کیا اچھا ہوتا کہ اگر اُس روشنائی کا نسخہ معلوم ہوتا تو مَیں بھی اس یاد کے دفعیہ کے لئے اسی قسم کا نسخہ تلاش کرتا لیکن دستیاب ہونا معلوم! اِس لئے کہ قضا و قدر کو خود منظور نہیں کہ وُہ نسخہ مجھے دستیاب ہو اور اس کی یاد میرے خیال سے جاتی رہے! یہ بھی خوب یاد ہے؟ بلبل کی چہک کوئل کی کوک، پپیہے کی پی کہاں، بھونرے کی الاپ، پتوں کی پُر ترنم آواز۔ یہ نیچرل سوز و ساز، زیر و بم، ایک حد تک ایک نیچر پرست کو کسی کی یاد سے تغافل شعاری سکھا سکتا ہے، اکثر نے اِس سے کام لیا، مَیں بھی لے سکتا ہوں، مَیں نے بھی لیا، ایک لحظہ بلکہ اس سے بھی کچھ کم، مگر آخر کیا ہوا، کیا بتاؤں؟

اتنی ذرا سی تغافل شعاری کا عوض عجیب طرح سے یُوں ملتا ہے کہ وُہی یاد ایک قہر مجسم، خشمناک، ابروں پر بل پڑا ہوا، سامنے موجود اور مشغول جرح کہ:۔ اس تغافل شعاری کا جواب دیا جائے کہ ایسی تغافل شعاری اور لاپروائی میری یاد سے کیوں برتی گئی کہ جس میں سراسر میری توہین ہے؟

مَیں کیا جواب دوں! کوئی جواب ہوتا تو دیتا، یا گویائی میرے اختیار میں ہوتی تو کہتا، آخر کار میں اقبالی مجرم بنجاتا ہوں!! (واقعی انصاف سے دیکھا جائے تو ہونا بھی چاہئے)، یہ بھی عجیب اقرار جرم ہے!! یُوں تو فطرت کی عطا کردہ چیزوں میں ایک کو دُوسرے پر فوقیت ہے لیکن اعضائے انسانی میں "دل" جس قدر نرم ہے" کوئی دُوسرا عضو" اس کی برابری نہیں کر سکتا،

اس لئے کہ یہ اثر پذیر بہت ہے، اور خاصکر میرا دل جو ذرا سی خوشی اور خفیف سے غم سے بہت جلد متاثر ہوتا، اور ہو جاتا ہے، بعض اوقات ایسا ہوا ہے کہ دوست کی بیوفائی سے اس قدر تنگ آگیا ہوں کہ "العظمت للہ" اور میں نے بھی اسی سنگ کو دیکھ کر اپنے دل کو سخت بنانے کی کوشش کی" اور کامیاب بھی ہوا، اس لئے کہ آخر میں بھی تو انسان ہوں، دل رکھتا ہوں، میری رگوں میں بھی خون دوڑتا ہے میں ہر ایک لذت اور جراحت، کو محسوس کر سکتا ہوں اور میرا دل تو "صد گونہ حرمان در بغل" بنا ہوا ہے اس لئے میں نے بھی اپنے دل کو جو بالکل نرم گوشت کا لوتھڑا تھا، پارہ الماس، زمرد، ہیرا، یاقوت، کی طرح سخت بنالیا اور وہ بنگیا (میرے خیال میں بہ نسبت دوسرے سنگ ریزوں کے معنوی لحاظ سے اس میں سختی زیادہ ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ یہ ایک مدت تک بڑے بڑے گراں ڈیل کوہ کے سینہ میں پوشیدہ رہتے ہیں اور مدت کے بعد نکل کر اپنا اثر پھیلاتے ہیں)۔

مگر اب فکر یہ پیدا ہوئی کہ دوست کی یاد سے نجات تو فی الحال پائی لیکن دل کو کس کام میں لگایا جائے (اس لئے کہ طبیعت ایک زمانہ سے ان باتوں کی عادی ہے) سوچتے سوچتے اس نتیجہ پر پہنچا اور پختہ ارادہ بھی کر چکا کہ کوئی مضمون لکھا جائے اور اس کام کو شروع بھی کر دیتا ہوں لیکن غضب تو یہ ہوتا ہے کہ اس کام کو ابتدا کئے ابھی چند سکنڈ بھی ہونے نہیں پاتے کہ میری اس غفلت کو اس کی یاد محسوس کر لیتی ہے (اس سے مجھے گمان ہوتا ہے کہ اسکو بھی میری یاد ہوگی لیکن مجھے یقین نہیں آتا) اور وہی یاد ایک عجیب متین، سنجیدہ صورت مجسم ہو کر خندہ کناں میرے روبرو جلوہ گر ہوتی اور نہایت ہی بردبارانہ طور پر یوں مجھ سے ہم کلام ہوتی ہے کہ:۔ "ہاں جناب فرمائیگا کہ کیا شغل ہو رہا ہے" چونکہ مجھے اس کی آمد کی

طلاع پہلے سے نہیں تھی۔ اِس لئے اِس آواز کے ساتھ ہی میری آنکھیں نیچے سے اُوپر اُٹھ جاتی ہیں اور مَیں کیا دیکھتا ہُوں کہ وُہی یاد ایک نورِ مجسم ہو کر سامنے موجود، اُن آنکھوں سے میری آنکھوں کا چار ہونا تھا کہ مجھے بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ کشش رُوح کا عمل شروع کر دیا گیا۔ مجھ میں حس، نہ حرکت، بفرضِ محال مَیں نے اپنے حواس بجا بھی رکھے تو نہایت ناتوان آواز سے جو میرے مُنہ ہی میں رہ جاتی ہے کہتا ہوں کہ: جی کچھ نہیں۔ یُوں ہی ایک مضمون جس کی سُرخی کا شعر ہے ؎

اب لذتِ زخمِ جگری پوچھتے کیا ہو۔ جب تم ہو نمک پاش تو پھر کیوں نہ مزہ ہو

لکھ رہا ہُوں۔ تو وہی یاد ایک خندۂ زیرِ ضیا سے اُسی طنطنہ اور وقار کو قائم رکھے مجھے یوں مخاطب کرتی ہے کہ: ”اچھا تو چند منٹ کے لئے قلم ہاتھ سے رکھ دیجئے گا، اور میری باتوں کا جواب دیجئے“ مَیں مجبوراً محکوماً قلم ہاتھ سے رکھ دیتا ہُوں۔ اگرچہ اس وقت لاکھ لاکھ کوشش تو اس امر کی ضرور کرتا ہوں کہ اس کے حکم کی تعمیل نہ کروں لیکن اس کے حکم کو رد کرنے کی طاقت خود میں نہیں پاتا، اور مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میری یہ طاقت سلب کر لی گئی، مجبوراً بُت کی طرح کھڑا ہو جاتا ہوں تو ارشاد ہوتا ہے کہ: باوجود تاکید کے پھر بھی آپ نے میری یاد سے سہل انگاری کی، اس کی کیا وجہ، ایسی حالت میں بعض اوقات انسان کی فطرتی تیزی عود کر آتی ہے۔ اور میں بھی اس موقع کو غنیمت جان کر کسیقدر بیباکانہ (مگر اس میں بھی عاجزی و انکساری کا پہلو صاف طور پر دکھلائی دیتا ہے۔ کہتا ہُوں کہ ستم کی بھی کوئی انتہا ہے، ظلم کی بھی حد ہوتی ہے، لیکن یہ بیوفائی آخر تابکے، جب آپ نے مجھ سے لاپروائی برتی تو کوئی وجہ نہیں کہ مَیں خواہ نخواہ آپ کی یاد کو تازہ رکھوں۔ یہ جواب ملتا

ہے کہ :۔ ایسا ہی سہی ۔ مگر بڑے بول کا سر نیچا وُہ آپ کی ابتدائی لنترانیاں کیا ہوئیں کہ میں ایسا، میں ویسا خیر بقول آپ کے میں بے وفا، ظالم، بیدرد، تغافل شعار، غرض سب کچھ سہی ۔ لیکن آپ یہ تو بتائیے کہ محبت کی عدالت میں آپ بیوفائی کے مجرم کیوں ہوتے ہیں اور کہاں تک آپ کے قول و فعل کا اعتبار کیا جائے ۔ بس یہ کہ وُہ یادِ مجسم چلدیتی ہے اور میں بسمل کی طرح تڑپتا رہجاتا ہوں اور میرا مضمون رکھے کا رکھا رہجاتا ہے !! یہ بھی نرالی یاد ہے ! اظہار واقعات میں حقیقت و سچائی سے انحراف کرنا نہ چاہئے ، بعض دفعہ یہی یاد میرے حق میں فرشتۂ غیبی سے کم نہیں ثابت ہوئی ، کیونکہ اکثر اوقات میں دنیا کی بے ثباتی پر غور کرتے کرتے کہیں سے کہیں پہنچگیا ہُوں ۔ اور اسی غور میں اس قدر ٹھوکریں کھائیں کہ بناہ بخدا ، حالانکہ جس قدر راہِ راست پر آنے کی کوشش کی اُسی قدر راہ گم کردہ تھا ۔ (واقعی ہونا بھی چاہئے ۔ کیونکہ میری طبیعت کو کسی پہلو قرار ہی نہیں) سوچتے سوچتے اس نتیجہ پر پہنچا کہ " شاید زندگی اسی کا نام ہے جسکی ایک کائنات کو ضرورت ہی حالانکہ وہ صریحًا دیکھ رہے ہیں کہ بجز درد ، تکلیف ، رنج ، مصیبت ، یاس ، حسرت ، حرمان ، وغیرہ کے کچھ نہیں ، لیکن ایک عالم ہے کہ اسی کا شیدائی ، ایک زمانہ ہے کہ اسی کا فدائی ، اگر نظرِ تعمق سے دیکھا جائے تو اس زندگی میں کوئی لمحہ بلکہ اس سے بھی کم جس کو " سچی راحت یا مسرت " کہیں نصیب ہونا ، ناممکن ، بلکہ محالات سے ہے !!!

مجھے تو ایسی زندگی کی تمنا نہیں ، مجھے ایسی زندگی کی خواہش نہیں جو ہوائے یاس سے گراں ہو ، مجھے زندگی ایسی چاہئیے جس میں ایک ایسی محویت ہو کہ اپنا ہوش نہ رہے ، ایک ایسی لذت محسوس ہو کہ دُنیاوی لذتیں اس کا مقابلہ

کر نہ سکیں، ایک ایسی رُوحانی کیفیت طاری ہو کہ جس کی کیفیت عقل انسانی سمجھنے اور حل کرنے سے قاصر رہے،۔

چونکہ انسان علائق دُنیا میں ایسا مقید ہے کہ جیتے جی ایسی زندگی کا ملنا ناممکنات سے معلوم ہوتا ہے تو میرا خیال اکثر یہی ہوا اور کئی دفعہ پختہ ارادہ بھی کر چکا کہ "طائر رُوح کو قفس عنصری سے قبل از وقت آزاد کردوں" اور یہ حیات ابدی" حاصل ہو جائے (نہ معلوم کہ نیچر کو کب تک قفس عنصری میں طائر رُوح کا مقید رکھنا منظور ہے) کہ وہی یاد "فرشتہ رحمت" بنکر مجھے میری غفلت سے اس طرح بیدار کرتی ہے:۔ خبردار! صراطِ مستقیم سے قدم نہ ڈگمگائے کہیں ایسی غلطی کا مرتکب نہ ہونا، ورنہ بجائے "حیات ابدی" کے "عذاب سرمدی" میں گرفتار نہ ہو جائے۔ صبر و استقلال سے کام لے۔ دیکھ کہ آیندہ کیا کیا ہونے والا ہے"۔ مَیں وہیں اس خواب غفلت سے چونک اُٹھتا ہوں، تو میری مسرت کس قدر بڑھ جاتی ہے اور میں کس قدر اُس کی یاد کو یاد کرتا اور دُعائیں دیتا ہوں کہ اس کے وجُود سے مجھ پر کیسی خوفناک حقیقت کھُلی۔ اور مَیں کیسی خطرناک غلطی سے متنبہ کیا گیا۔ ورنہ معلوم کہ کیا ہوتا اور مَیں کیا کر جاتا، اُس وقت میری موجُودہ مسرّت اور بڑھ جاتی ہے، اس مسرّت کی لذّت کو وہی خوب محسوس کرے گا جو میری طرح کا دل رکھتا ہو ورنہ ممکن نہیں کہ کُنہِ ذات کو پہنچ سکے اور اس لذّت کو محسُوس کر سکے! آہا یہ سب سے اچھی اور سب سے پیاری یاد ہے!!!

غرض یہ یاد عجیب عجیب طرح سے آکر اپنا کرشمہ دکھا جاتی ہے، کبھی تو میرے زخموں پہ مرہم کا کام کر جاتی ہے، کبھی میری جراحتوں پر نمک پاش ہوتی ہے، ہو، کچھ بھی ہو، دونوں حالتیں لذّت سے خالی نہیں!!

آ - آ - او پیارے دوست کی پیاری یاد آ، کائنات عالم کی بساط الٹ جائے۔ رات۔ دن۔ دن۔ رات۔ ہو جائے خورشید چاند نیلگوں آسمان پہ چمکنا بھول جائیں سمندر خشک ہو جائے۔ آسمان زمین۔ زمین آسمان ہو جائے۔ مٹی میں مٹی مل جائے۔ روح جسم خاکی سے پرواز کر جائے۔ یا جسم خاکی خالی ہو جائے۔ مگر تیری یاد تو میرے دل سے کبھی نہ جائیگی۔ نہ جائیگی!! نہ جائیگی!!!

محمد عبدالرزاق بسمل

تپ دق

ہمارے بدقسمت ملک ہندوستان میں جو بے شمار قیمتی جانیں آئے برس اس موذی مرض کا شکار ہوتی ہیں۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ اور اس لئے کوئی کوشش بھی جو اس مرض کے کم کرنے کی غرض سے کی جائے مبارک سمجھی جانی چاہیئے۔ مرزا علی حسن صاحب ایڈیٹر و پروپرائیٹر اخبار **وقت** لاہور نے حال میں ایک سو صفحہ کی کتاب تالیف کر کے حقیقت میں اہل ملک پر بڑا احسان کیا ہے۔ کہ اُن کے لئے اس نامراد بیماری کے متعلق بہت کچھ ضروری معلومات مختلف جگہوں سے تلاش کر کے کتابی صورت میں یکجا کر دی ہیں۔ اہل وطن کا فرض ہے کہ وہ مرزا صاحب کی اس قیمتی تالیف سے فائدہ اُٹھائیں۔ کتاب کی قیمت ۱۲؍ ہے اور مرزا صاحب سے مل سکتی ہے +

بھارت بیوپار جنتری سنہ ۱۹۱۲ء

جو نولکشور پریس لکھنؤ کیلئے حکیم رگھبیر سنگھ منجم نے بنائی ہے بغرض ریویو دفتر مخزن میں موصول ہوئی۔ جنتری کے ضروری مضامین کے علاوہ اور بہت سی مفید اور کارآمد باتیں بھی اس میں درج ہیں قیمت ۳؍ محصول ڈاک ۱؍ نولکشور پریس یا بڑے بڑے شہروں کے مشہور کتب فروشوں سے مل سکتی ہے +

ہمارا مستقبل

آج ہم اپنی پریشانیٔ خاطر اُن سے
کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھئے کیا کہتے ہیں

اس زمانہ میں جب ادبار نے ہم کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے اور زحل و مریخ ہماری قسمت کا فیصلہ کرنے پر مامور نظر آتے ہیں اور سوائے دلشکن صداؤں اور تکلیف دہ آوازوں کے خواہ وہ یورپ کے زرد مطلع سے بلند ہوں۔ جو پان اسلامی تحریک میں ایک زبردست آنے والے خطرے کی ابتدا دیکھتا ہے خواہ وہ ہندوستان کی درگاہ کانگریس سے جو جداگانہ نیابت میں ہندوستان کی بربادی اور تباہی کے آثار پاتی ہے۔ ہمارا مستقبل ایک اہم مسئلہ بن گیا ہے۔ جب تک ہم ایک صحیح راستہ بعد کامل غور و خوض اختیار نہ کرلیں۔ ہماری ترقی۔ ہماری امیدیں اور ہماری قومی عزت سخت خطرناک حالت میں رہینگے اور ہمارا تغافل اس خطرہ کو اور بھی زیادہ کردیگا۔ اس لئے جس اصول اور جس پیمانہ پر ہمارا مستقبل قائم کیا جائے وہ کل قوم کی توجہ اور غور کے قابل ہے۔

میں اُن ضروریات کو جو قوم کی زندگی۔ بہبودی اور فلاحیت کا باعث ہیں۔ تین شقوں میں منقسم کرونگا۔ اور ہر ایک شق پر جداگانہ بحث کرکے یہ بتلانے کی کوشش کیجاویگی کہ وہ کس طرح حسب دلخواہ سرانجام پاسکتی ہیں۔

(اوّل) دماغی ضرورت۔ انسانی رُوح بغیر تعلیم کے کان والے سنگ مرمر کے مشابہ ہوتی ہے جو اپنے قدرتی حُسن کو بغیر جلا دیئے ہوئے ظاہر نہیں کر سکتا۔ صیقل گر اس کے رنگ کو نکھارتا ہے۔ اِس کی سطح کو روشن بناتا ہے اور اس کی ہر ایک خوبصورتی کو جو قدرت نے اس میں ودیعت کی ہے پیدا کرتا ہے۔ تعلیم کا اثر ایک شریف دماغ پر بعینہ ایسا ہی ہوتا ہے یعنی تعلیم ہر ایک پوشیدہ قوت کی جو انسانی تکمیل کا باعث اور پاک طینتی کا موجب ہوتی ہے۔ عُمدہ طور سے نشوونما کرتی ہے۔ کہا جاتا ہے اور بالکل صحیح کہا جاتا ہے کہ صحیح دماغ اور تندرست جسم اُس خوشحالی کی جو اس دُنیا میں میسّر آ سکتی ہے پوری تشریح ہیں۔ وُہ شخص جو ان نعمتوں سے متمول ہے حقیقی غنی ہے اور جو ان میں سے ایک کا بھی محتاج ہے اِس کی حالت قابلِ رحم ہے کیونکہ وہ شخص جس کا دماغ راہ راست نہیں بتلا سکتا صحیح رستہ اختیار کرنے میں مجبور ہے اور وُہ شخص جس کا جسم کمزور اور لاغر ہے ترقی کرنے میں معذور لیکن یہ نعمتیں تعلیم ہی کی خوشہ چین ہیں اور تعلیم ہی کی بدولت میسّر آتی ہیں۔

اگر ہم اپنی ایک صدی پیشتر کی حالت پر ریویو کریں تو اس مقولے کی سچائی کا عمدہ ثبوت پاتے ہیں۔ اُس زمانہ میں مُسلمانوں کی حالت دماغ اور جسم کے لحاظ سے عبرت انگیز تھی۔ دماغ معطل اور بیکار ہو گئے تھے اور جسمانی صحت کا معیار اہل دہلی اور بعدہٗ اہل لکھنؤ نے نازک بدنی اور آہستہ خرامی مقرر کیا تھا۔ نتیجہ جو کچھ ہوا وُہ اظہر من الشمس ہے۔ صورت ببیں و حالش مپرس"۔

البتہ سرسید نے اپنے مقولے میں قومی ترقی کے راز کو مشتہر کیا اور مسلمانانِ علیگڑھ کا مقصد صحیح دماغ اور تندرست جسم والے طلبہ پیدا کرنا قرار دیا۔ آج پچیس سال کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ سرسید کی سچی محبت پھل لائی۔ اور علیگڑھ نے صدہا مسلمان نوجوان پیدا کئے جو اپنے سلف کا فخر ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ ہماری حالت نسبتاً درست ہوگئی ہے لیکن ہنوز دلی دور است۔ اس کشمکش کے زمانہ میں جب کہ تمام قومیں ترقی کی ریل میں جا رہی ہیں۔ ہمارا پیدل چلنا اور وہ بھی لنگ کے ساتھ ہماری رفتار میں کس قدر فرق ڈال دیگا اور ہماری قومی حیات کے لئے کس قدر مہلک ثابت ہوگا۔

باوجودیکہ علیگڈھ کالج نے صدہا گریجوایٹ پیدا کئے جو قومی خدمت کو اپنا فرض سمجھتے ہیں لیکن اب تک ایک بھی موجد دماغ پیدا نہیں ہوا۔ ایک میں بھی وہ سپرٹ نہیں پائی جاتی جو یورپ میں عام طور پر جلوہ گر ہے۔ اور ایک بھی مکمل انسان نہیں نکلا۔

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

اس صاف گوئی سے میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم علیگڈھ کالج کی کوشش کے مشکور نہیں ہوئے اور قوم کی اصلاح میں علیگڈھ بیکار جز ثابت ہوا نہیں نہیں بلکہ جو کچھ اس نے کیا وہ مردہ قوم کے لئے آبِ حیات نکلا۔ لیکن وہ زندگی جو دنیا میں کوئی کار نمایاں نہ کرے اور ترقی کے کسی شعبہ میں نام آور نہ ہو موت سے بدتر ہے۔ اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ یہ تمام قصور نظامِ تعلیم کا ہے اور اس کا علاج بجز اسلامیہ یونیورسٹی کے کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارا نظامِ تعلیم ہماری ضروریات کے مطابق نہیں ہے

اور یہی خامی ہماری ترقی کی سدِ راہ ہے۔ [illegible]

یونیورسٹی ہمارے مستقبل کو ضرور درخشاں بنا دیگی۔ اگر وہ مسلمانوں کے دماغ کو صحیح راستہ پر لاسکی۔ اور ان میں وہ اخلاقی قوت پیدا کرسکی جو زندہ قوموں کی خصوصیت ہے۔

لیکن اسلامیہ یونیورسٹی کی کامیابی کا انحصار اُس کے نصاب پر ہے جس کا تعلق معتمدان یونیورسٹی سے ہے اور اس کے طلبہ کی ابتدائی تعلیم پر جس کا تعلق والدین طلبہ سے ہے۔ نصابِ تعلیم کو مقرر کرتے وقت صحیح دماغ اور توانا جسم کا پیدا کرنا مقصدِ اعلیٰ قرار دیا جائے اور اخلاقی اور مذہبی پابندی کا ہونا ضروریات سے سمجھا جائے۔ البتہ بچے کے دماغ کو ابتدا سے صحیح ڈھنگ پر لانا تاکہ وہ تعلیم سے وہ فائدہ اُٹھا سکے۔ جو یورپین بچے اُٹھاتے ہیں ایک سخت معمہ ہے اور اسی کے صحیح حل پر ہمارے مستقبل کا دارومدار نظر آتا ہے۔

میرے خیال میں اگر بچے کو ابتدائی تعلیم اس کے رجحانِ طبع اور قدرتی میلان کے مطابق دیں تو یہ وقت غالباً کم ہو جائے۔ اگر ایک بچہ قدرتی طور پر شکسپیر بنتا نظر آتا ہے تو اسکو نیوٹن بنانے کی کوشش صرف بیکار ہی نہ ہوگی بلکہ اُس کی زندگی کو برباد کر دے گی۔ اسی طرح اگر والدین کے ذرائع بچے کو مانی و بہزاد نہیں بنا سکتے تو انہیں اس کے دماغ کو فنِ مصوری کے صحیح راستہ پر لگا دینا چاہیئے۔ وہ آئندہ زندگی میں خود خود اپنی درستی کر لیگا۔ لیکن اُس کے مذاق کو بگاڑنا اور اپنی ضرورت کے موافق بنانا نہ رکھیں۔ اسی طرح کے بیان کرنے کی ضرورت

ہے [illegible]

اور دماغی نشو و نما بچے کی تربیت میں کس قدر اثر رکھتا ہے۔ انگریزی مثل ہے کہ ہاتھ جو گہوارہ کو ہلاتا ہے دُنیا پر حکومت کرتا ہے اور اہل یورپ کے صحیح دماغ۔ ایجاد کنندہ طبیعت اور عالمگیر حکومت نے اس مثل کی سچائی میں چاہے چون و چرا باقی نہیں چھوڑی۔

پس اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا مستقبل منور ہو تو ہم قوم میں ایسے دماغ پیدا کریں جو معاملہ فہم ہوں۔ اختراع کنندہ ہوں۔ محقق ہوں اور اولوالعزم ہوں تاکہ دُنیوی ایجاد اور انکشاف میں حصہ لیں اور زندہ قوموں کے زمرہ میں شامل ہوں۔

(دوم) تمدنی اور اخلاقی ضرورت۔ ہماری یہ زبردست آفت جس نے ہم کو حکمران سے محکوم بنا دیا۔ اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ ہم میں وہ تمام عیب موجود ہیں جو ایک زوال پذیر قوم میں ہوتے ہیں جن میں تمدنی ابتری اور اخلاقی کمزوری ضرور شامل ہیں۔ ہماری تمدنی حالت کا فوٹو ان الفاظ میں کھینچا جاسکتا ہے کہ انتظامِ خانہ داری میں کفایت شعاری اور دور اندیشی کے اصُول کی پابندی ہم اب تک نہیں کرتے۔ اسراف بیجا میں ہم نے البتہ نام پیدا کیا ہے اور ایسی رسمیں بکثرت اختیار کر لی ہیں۔ جو ہماری اس نام آوری کا باعث ہوں۔ مناکحت کے معنی ہمارے یہاں صرف یہ رہ گئے ہیں کہ دو متضاد جنسوں کو بغیر ان کی میلانِ طبع اور ان کی آئندہ زندگی کے خیال کے گٹھ دیں۔ یورپین طرزِ معاشرت اور آداب نے ہم کو سوٹ اور ہیٹ پہنا دئے۔ لیکن افسوس کہ وہ حوصلہ جو اہل یورپ کی رگوں میں [illegible] رواں ہے ہم میں پیدا نہیں ہوا۔

ایک فلاسفر کا قول ہے کہ انسان کے خیالات ایسے کہ [illegible] نہیں ہیں۔ نیکی تقریریں اس کی مبلغ علم کی مطلع ہوتی ہیں۔ لیکن اس کے افعال رسم و رواج کے ماتحت ہیں۔ پس عمدہ رسم و رواج کا اختیار کرنا ہمارے مستقبل کے لئے از حد ضروری ہے۔ اور یہ وقت ہے کہ سوشل ریفارمر ہماری تمدنی حالت کے سدھارنے میں اور ہم کو عمدہ رسم و رواج کے پابند بنانے میں کوشاں نظر آئیں۔

ہماری سوسائٹی کا مذاق بھی اُس پایہ سے بہت گرا ہوا ہے جو ایک زندہ قوم کا ہوتا ہے۔ ہم اپنے ناخواندہ ممبروں کے شاکی نہیں ہیں۔ کیونکہ اُن میں مذاق کا نہ ہونا بدیہی اور قدرتی امر ہے۔ البتّہ ہمارے تعلیم یافتہ بھائیوں میں بھی صحیح مذاق پیدا نہیں ہوا۔ صحت مذاق سے میری مراد وہ جذبہ ہے جو کسی نظم یا تصویر کے استادانہ نکتوں اور قدرتی حسن کو فوراً اطمینان اور تلطف کے ساتھ محسوس کرتا ہے اور بے پروائی یا کمزوری کو حقارت سے دیکھتا ہے۔ یہ اعلیٰ اور مہذب مذاق ہم کو انسانوں کے چال چلن میں تمیز کرنا نیکی اور ذہین کے افکار طبع کا سمجھنا اور شریف ہنر کا پیدا کرنا سکھلاتا ہے۔ وہ شخص جو نفاست مذاق سے بہرہ ور ہے۔ شریف اور ظریفانہ گفتگو سے محظوظ ہوتا ہے اور گستاخانہ اور بیہودہ تکلم کو اپنے لئے سزا سمجھتا ہے۔ اس مذاق کا اثر جذبات پر بھی نہایت طمانیت بخش ہوتا ہے اور انسان کی طبیعت سے تعجیل جو کار شیطان ہے جاتی رہتی ہے اور اطمینان اور غور و خوض کرنے کی قوت اور حُسن کے مطالعہ کی عادت خواہ وہ نظم میں یا خواہ فصیح تقریر میں۔ موسیقی میں ہو یا مصوری میں پیدا ہو جاتی ہے۔ محبت کرنیکا جذبہ اور

بخوبی ہم آہنگی پیدا کرنے کا ڈھنگ نفاست مذاق کی بدولت خوبی سے سرانجام پاتا ہے۔

ہماری قوم میں اُن لائق اصحاب کا قحط ہے جو نفاست مذاق رکھتے ہوں اور۔ ایسے علما کم ہیں جو صحیح مذاق سے بہرہ ور ہوں پس اگر ہم اپنا مستقبل درخشاں دیکھنا چاہتے ہیں تو ہماری سوسائٹی میں نفاستِ مذاق پیدا کیجائے جس کے لئے ضروری ہے کہ قوم کے بچوں کی زندگی ابتدا سے اس رنگ میں رنگی جائے۔ اور سوسائٹی کو علمی مباحثوں اور صنعتی چرچوں کا مرکز بنا دیا جائے۔

اخلاقی پہلو پر مَیں زیادہ بحث نہ کرونگا۔ کیونکہ اگر ہم نے اپنی دماغی اور تمدنی حالت کو سُدہار لیا تو عمدہ اخلاق کا پیدا ہونا ایک لازمی امر ہوجائیگا۔ البتہ اس قدر ضرور عرض کرونگا کہ یہ عام شکایت کہ صرف ہماری مذہبی تعلیم کی کمی ہمارے تنزل کا باعث ہوئی ہے۔ مَیں خیال نہیں کرتا کہ بالکل حق بجانب ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہماری مذہبی تنزلی بھی ہمارے زوال کا ایک باعث ہے لیکن اس قدر اہمیت نہیں رکھتی کہ اس کو سب سے بڑا سبب تسلیم کیا جائے۔ عبد اور معبود کے تعلق کا نام مذہب رکھا گیا ہے۔ ہماری مذہبی حالت خدانخواستہ ایسی نہیں ہوگئی ہے کہ اس تعلق میں فرق ڈالے اور ہم اسوقت تک من حیثِ قوم ذاتِ باری تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک مانتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے کہ "اِنَّ اللّٰہَ لایغیر مابقومٍ حتیٰ یغیروا ما بانفسھم" اور اس ارشاد کی خلاف ورزی حقیقت میں ہمارے تنزل کا سبب ہے۔

سوم - مالی حالت کا قابلِ اطمینان ہونا ہر ایک ترقی کے لئے ضروری ہے اور بغیر زر کے ہم ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتے۔ مختصر یہ کہ ع

"اے زر تو خدا نہ ولیکن بخدا   ستار عیوب و قاضی الحاجاتی"

ہماری مالی حالت کی خرابی کی جواب دہ علاوہ ہماری بداعمالیوں کے وہ فلسفانہ تعلیم ہے جو ہم کو تھوڑی چیز پر قناعت کرنا۔ جو کچھ ملے اس پر صابر رہنا۔ دنیا کو ہیچ سمجھنا اور اس کی نعمتوں کو ذلیل جاننا سکھلاتی ہے۔ گو اس قسم کی تعلیم قرنِ اولیٰ میں مفید ہو لیکن اس صنعتی زمانہ میں ہمارے لئے زہر ہلاہل ثابت ہوئی اور ہماری فلاکت کا موجب نکلی۔ اب دُنیا پیرزال نہیں رہی بلکہ بتِ رعنا بن گئی ہے اور اس کا نام دار المحن نہیں رہا۔ بلکہ دار الآسائش ہو گیا ہے۔

پس اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری فلاکت دُور ہو اور افلاس سے پیچھا چھُوٹے تو ہم اپنی اُٹھتی ہوئی پود میں وُہ خواہشات پیدا کریں جنکی تکمیل آسان نہ معلوم ہوتی ہو اور ان کے ارادے اس قدر بلند بنا دیں جو ناممکن العمل نظر آتے ہوں۔ اس تعلیم و تربیت کا خوشگوار نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارے بچے اولوالعزم بنینگے۔ ہر ایک مہم میں پیشقدمی کرینگے اور اپنے بلند حوصلوں کی تکمیل کے ذرائع تلاش کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھینگے۔ دُنیا کا سفر سقر نہیں رہیگا بلکہ وسیلۂ ظفر ہو کر فرحت بخشیگا۔ انکشاف کا باعث ہوگا اور تجربہ میں اضافہ کریگا۔ انکی مالی حالت بھی انکی محنت اور جانفشانی کی نسبت سے عمدہ اور قابل اطمینان ہو جائیگی اور افلاس ایک قصۂ ماضی بنجائے گا۔

خدا کا شکر ہے کہ مسلمان برسوں کی آزمائش اور تکالیف کے بعد ایک ہموار رستہ پر آتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں ایک تازہ سعی اور ایک نیا جوش پیدا ہو چلا ہے جو انکی کشتی کو گرداب سے بچا کر ساحلِ مراد پر پہنچا دیگا بشرطیکہ صحیح رستہ پر چلا جائے۔ انکو یاد رکھنا چاہئے کہ یہ صعوبات جو انہوں نے اب تک برداشت کیں صرف پیش خیمہ تھیں اُن تکالیف کا جو انکو آئندہ اُٹھانا پڑینگی۔ ترقی اور ترقی بھی قومی کوئی بازیچہ اطفال نہیں ہے اور نہ اُس کا مدار قسمت پر ہے اور نہ اتفاقات پر بلکہ محنت۔ ریاضت۔ اور ایثارِ نفس پر۔ انکو قومی توکل اور دیانتداری کے ساتھ اپنے نخلِ امید کو بارور بنانے میں جان توڑ کر کوشش کرنا ہوگی اور اسفندیاری ہفتخوان کو جو تکلیف اور مصیبت سے پُر تھیں ہیچ سمجھنا ہوگا۔ انکو اپنے مقصدِ اعظم کے حاصل کرنے میں نہ تو یورپ کے رندِ مطبع کے آوازہ کی پروا کرنا ہوگی اور نہ کانگریسی سکول کی بیہودہ چیخ وپکار کی بلکہ اپنی جمہوری طاقت کے ہر ایک ذریعہ کو فراہم کر کے صحیح رستہ پر چلانا ہوگا ✤

راقم مشہدی (علیگ)

از کھام گاؤں (برار)

ریویو

رسالہ نظام المشائخ دہلی رسول نمانمبر (جلد ۶- نمبر ۲ و ۳) ہمارے پاس بغرض ریویو آیا ہے۔ یہ نو رسالہ کی عام خوبیوں سے معزز اصحاب کافی آشنا ہو چکے ہیں۔ مگر رسول نمانمبر خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ مضامین لکھائی چھپائی۔ کاغذ سب کچھ اچھا۔ حجم ۱۶۶ صفحے۔ قیمت قسم اول عہ قسم دوم ۸؍ شائقین مینیجر صاحب دفتر رسالہ نظام المشائخ چتلی قبر۔ دہلی سے جلد منگائیں +

تحقیق سخن سید حسن نقی صاحب شفق عماد پوری شاگرد حضرت امیر مینائی مرحوم نے ایک مختصر سا رسالہ تالیف کیا ہے جسمیں عیوب سخن۔ قیود سخن اور اصناف سخن پر کافی معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔ اور جو نومشق شعرا کے لئے ایک استاد شفیق کا کام دے سکتا ہے۔ قیمت فی جلد ۸؍ رفیق گنج ضلع گیا کے پتہ پر جناب شفق سے طلب کریں +

جلوۂ ایثار یہ ایک ناول ہے جسکو منشی نواب رائے صاحب نے تصنیف کر کے انڈین پریس الہ آباد سے شائع کیا ہے۔ ناول کیا ہے۔ ایک ہندو خاندان کے حب وطن کا دلچسپ قصہ ہے۔ یہ کوئی عشق و محبت کی مخرب اخلاق داستان نہیں ہے۔ جس نے بدقسمتی سے ہمارے ملک کے نوجوانوں کا مذاق ہی بگاڑ دیا تھا۔ ایسی کتابوں کی اشاعت کی ہندوستان میں آجکل سخت ضرورت ہے اور منشی صاحب نے واقعی ایک بڑی کمی کو پورا کر کے نمیں حصہ لیا ہے۔ اہل ملک کا فرض ہے کہ قدردانی فرما کر منشی صاحب کی حوصلہ افزائی کریں ۲۳۲ صفحے ۲۲×۱۸ کی تقطیع۔ کاغذ چھپائی عمدہ۔ قیمت فی جلد عہ انڈین پریس الہ آباد سے ملیگا۔

مدحِ شہنشاہی

ہمارے معزز دوست خان بہادر مولا بخش صاحب جو گورنمنٹ عالیہ ہند کے محکمہ پولیٹیکل کے نامور عہدہ دار ہونے کے علاوہ فارسی زباندانی میں خاص مہارت رکھتے ہیں اور ایران کی سیر و سیاحت بھی کر چکے ہیں۔ ایک فارسی قصیدہ مصنفہ جناب مولوی سید تصدق حسین صاحب حیرت مخزن میں شائع ہونے کے لئے بھیجتے ہیں اور اس کے ساتھ مولوی صاحب ممدوح کے متعلق حسب ذیل کلمات بطور انٹروڈکشن کے لکھتے ہیں :-

میں نے بہت سے قصائد فارسی دیکھے ہیں جو ہز مجسٹی شہنشاہ جارج پنجم کے دربار تاج پوشی دہلی کی تقریب پر لکھے گئے۔ میری نظر میں جناب مولوی تصدق حسین صاحب کا قصیدہ سب سے بہتر ہے۔ مولوی صاحب بٹالہ کے ایک نہایت قدیمی ذی علم خاندان کے رکن ہیں۔ جو شاہان مغلیہ کے عہد میں قاضیوں کا خاندان تھا اور جس خاندان میں علم و فضل کا ورثہ اب تک چلا آتا ہے۔ مولوی صاحب نہ صرف ایک جید عالم ہیں بلکہ فارسی میں شعر بھی اعلیٰ درجہ کا کہتے ہیں۔ میں نے آپ کا کلام چند مرتبہ پر ایران میں اہل زبان کو سنایا تو انہوں نے داد دی۔ ایسے استادانِ فن کا وجود ہمارے ملک کے لئے باعث فخر ہے۔ مگر مولوی صاحب پرانے بزرگوں کی طرح اس قدر گوشہ نشین اور خاموشی پسند ہیں کہ لوگ اُن سے اس قدر واقف نہیں۔ جس قدر کہ ہونا چاہیے۔ بہرحال ان کا کلام اُنکی بہترین تعریف ہے اور وہ میں پیش کرتا ہوں :-

ترا اے بادشاہِ ملک پرور   مبارک باد تخت و تاجِ شاہی
دیدم چو دوش خیمۂ خضرا و زرنگار   یعنی سپہر و گنبدِ این سبز گون حصار

شد جلوہ گر بگوشۂ او از ہلالِ عید — شکلے چو چوبِ کوسِ شہنشاہِ تاجدار
از رنگ و وضعِ خویش عیاں کرد ماہِ نو — عکسے ہست از کلاہِ شہنشاہِ نامدار
فرخندہ آں کلاہ کہ بر سر نہاد شاہ — در وقتِ سعد و جائے ہمایوں خجستہ بار
یا ہست نقشِ نعلِ سمندِ فلک خرام — آتش عناں سمند کہ شاہش شود سوار
یا آنکہ آسماں پئے آسیش رکاب ساخت — ہنگامِ سیرِ چرخ شود تا رکاب دار
یا آنکہ کج نہاد کلاہ ترکِ آسماں — تا وقتِ تاجپوشیِ شاہش دہند بار
انگشتِ چرخ یا باشارت بلند شد — کاینجاست جملہ نقدِ مہ و مہر کم عیار
با ایں کلاہِ خسروی تاجدار شاہ — خورشید را چہ نسبت و مہ را چہ اعتبار
با ابروئے ہلال اشارت کند کہ چرخ — بر تاجِ بادشاہ کند مہر و مہ نثار
پیکِ کلاہ پوشِ فلک یا خبر دہد — از عید و روزِ جشنِ شہنشاہِ کامگار
انگشت بر لب است فلک یا ز حیرتے — رشکش شد ز شوکتے کہ ز جشن است آشکار
جشنِ جلوس آنکہ کہن روزگار را — روزی نگشت گاہ چنیں روز روزگار
جشنے کہ جشنِ جم نبود ہمقرانِ او — صد جامِ جم خبر ندہد ہمچو روزگار
جشنے کہ محفلِ طربش یک جہانِ عیش — آں محفلے کہ داشتہ سامانِ صد بہار
ساماں چنانکہ ہیچ بساماں شہنشہے — ساماں چناں ندید بملک خود و دیار
جشنے کہ شادمانیِ او تا ابد بود — چوں نورِ آفتاب جہانگیر و برقرار
جشنے کہ گشت منتظمش وائسرائے ہند — در عرصہ گاہِ دہلی و از شہر برکنار
جشنے کہ کرد شاہ بتقریبِ خرمی — تقریب آنکہ داشت جہاں را در انتظار
تقریبِ خرمی کہ نہد تاج بر سرش — شاہنشہِ زمانہ و دارائے کامگار
شاہنشہے کہ شاہ و گدا مدح خوانِ اوست — ہر بندہ میکند بسرش جانِ خود نثار

شاهنشهی که لطف خدا پاسبان اوست — لطفش برای خلق خدا ایمنی حصار
شاهنشهی که فکر رسا دارد و بلند — پست و بلند ملک و جهان را نگاهدار
شاهنشهی که نعل فلک سیر رخش او — در گوش آسمان فگند همچو گوشوار
فرخنده نام جارج پنجم که از خرد — مشهور هفت کشور و ممتاز هر دیار
ای حبذا نوازش خلاق ماه و مهر — با اهل هند ساخته بخت بلند یار
ظل خدا و بادشه آسمان پناه — آمد ز مهر بر سر هند آفتاب وار
این گلشن لطافت و باد نسیم عیش — در گلزمین هند در آورد نوبهار
فرخنده بخت کشور و اقلیم فرخ است — کانرا بتاج پوشی شه کرده اختیار
از سالها ز نعمت دیدار بادشاه — بودند اهل هند بحرمان ناگوار
جان در تنش دمید مبارک جلوس او — اکنون که گشت بخت بلندش رفیق و یار
دهلی ز دیر خاک نشین نیاز بود — شه کرد مستقر خلافت جهان مدار
هست اولین شهنشهی از خاندان خویش — کو تاج پوش و تخت نشین شد بدین دیار
هر گونه لطف کرد از پیش خاندانش — این مهربانیش بنمود هم عجیب کار
وقتیکه بود هند سراسیمه و بال — یک رستخیز داشت همین بود یا بسیار
در هند فتنه های جهان داشت مسکنی — شد خانمان خراب همه ملک و ملکدار
آزاد شد هر آنکه به بند اجل رسید — بر دار وا رسید گرفتار گیر و دار
سرمایه دار و مرد فرومایه در الم — زردار و بی زران همه با نالهای زار
فریاد در جواب فغان چون صدای کوه — فریادرس نبودی و فریادخوان هزار
ملک از جفای عامل ظالم شده تباه — عامل تباه از ستم و جور ملک دار
ارکان مملکت همه با یکدگر غدر — اعدای ملک جمله بهم یار و دوستدار

[redacted]

والیٔ ملک بود ز خویشان خود نفور — هر خویش او ز خویشتن و باد سوگوار
جائے کسے تهمتن و اسفندیار بود — افراسیاب بود بجائے ستم شعار
بے مایه از علوم دل ساکنان او — خود را شناختند فلاطون روزگار
در وقت اینچنین همه بربادی و ستم — در هیچ روزگار پریشانئ دیار
شاهان دودمان شهنشاه ماز مهر — دادند هند را بکرم امن و زینهار
غفران پناه جدّهٔ عرش آشیان او — از هند دور بود ظلام شبان تار
از نظم و نسق سلطنت باسعادتش — گردید انتظام پریشانئ دیار
آن گونه انتظام که در عقل دوربین — بهتر ازین همے نتوان کرد مرد کار
سنگین دلان رحم فراموش را گداخت — فرمود شسته را بد انصاف سنگسار
کس را نماند گله کسے در تمام ملک — گل را نماند شکوه از کاو کاو خار
آن اعتدال طبع عطا کرد داد او — هر گلبن آورد رگ گلها بجائے خار
در باغ هند موسم گل برشد زیاد — در گلزمین او چمنے نیست بے بهار
هر ضلع همچو شکل عروسی نگار بست — گردید چون عروس عدلش گهر نگار
خلق مهذبانه در آموخت مهر او — تهذیب بخردانه از و یافت اقتدار
طرح ادب بکشور هندوستان نهاد — از گنج هائے علم و هنر کرد مایه دار
انصاف و عدل را همه جا داوران نهاد — خواه بلده است یا ده و یا مصر نامدار
هر کار را نشسته جدا بهر داد خواه — دادار و داوران پسندیده روزگار
دار العلوم ساخته و کالج و سکول — کامل معلمان و هزاران وظیفه خوار
پرداخت راه ها ز نشیب و فرازها — بنشاند طرف راه درختان پرشمار
مهمان سرا و چاه بهر راه ساختند — فرقے نداشت راه و خیابان لاله زار

بشکست پائے خانہ خرابیِ سیل ہا — پل ہا بہ بست بر سرِ دریا و چشمہ سار
آورد لطف ہائے خدا خاندانِ او — در بوستانِ کشورِ ہندوستاں بہار
دخلے نہ کرد در رہ و رسمے کہ داشت ملک — ہر کس بدینِ مذہبِ خود داشت اختیار
زنار دار و گبر و مسلماں و موسوی — ہر کس بکیشِ خویش کند عیش خوشگوار
کس را بدین ہیچکسے نیست مدخلے — ہرگز بدینِ کس نرسد امرِ ناگوار
در خانقاہ و دیر و کلیسا رباط ہا — اہلِ مذاہب اند بہر جا وظیفہ خوار
ہر جا بشہر و دہ پئے انعامِ سلطنت — تربت پرست میکند آرائشِ مزار
ویرانہ دیرہا شدہ رنگیں تر از چمن — زیں زیب اوست خانہ ارژنگ شرمسار
بتخانہ ہا ز حسنِ بتاں با فروغ تر — یک گوشہ صنم کدہ و وید خواں ہزار
در سجدۂ نیاز بپایش فتادہ ہاست — جائے برہمنے بسرِ بت شود نثار
پیرِ مغاں بہ گرمیِ بازارِ خویشتن — افروختہ است چہرہ صد شعلہ ہائے نار
دارند آفتاب پرستاں بشاشتے — زانگونہ کآفتاب ندارد بروئے کار
صوفی برقص دست فشاں است و پائے کوب — از حال و وجد بیخبرے ہمچو مے گسار
در صومعہ ہاست زاہدِ فارغ نشینِ خلق — دارد بعالمے ز کرامات اشتہار
ہر مسجدے کہ بود خرابی خطیبِ او — محراب و منبرش شدہ اکنوں فلک گزار
انہار ساخت از پئے شادابیٔ زمیں — از جوی و نہر گشتہ بہر قطعہ و دیار
با آبِ آسماں نبرد التجا زمیں — ممنونِ ابر مے نشود تازہ کشت زار
در ہر مقام ریل و دخانی مراکب اند — دریائے فیضِ اوست بہر طرف ہر کنار
بہر رساندنِ خط و پیغام و ہر خبر — ڈاک است و تلغرافِ جہانگیرِ برق تار
آسائشِ رعیت و سامانِ راحتش — ایجاد کرد رحمتش افزوں تر از شمار

[redacted]

قانونِ دل پسند جهان منضبط نمود	مشکورِ لطف ساخته حیوان و جاندار
تعلیم داد علم و هنر اهلِ هند را	بر اوجِ ارتقائے رسانید روزگار
این خاندان و جدهٔ غفران پناه شاه	آن لطفها که کرد به هندوستانِ دیار
مشکل بود که ناطقه پیرا سخنورے	پیرایهٔ بیان کندش قطره از بحار
تا کیست آنکه شمهٔ شکرش ادا کند	نتوان شمار کرد کرمهائے بے شمار
دیرینه رسم هست که هم باستانیان	هنگامِ تاجپوشیِ سلطانِ هر دیار
سامانِ عیش و جشنِ ملوکانه ساختند	هرکس شدے بخرمی و عیشِ خوشگوار
جشنِ کیان و جشنِ فریدون جشنِ جم	دارد جهان ز چرخِ کهن سال یادگار
شاهانِ غور و غزنی و شاهانِ ملکِ هند	کردند جشنها به تجمّل هزار بار
لیکن نداشت این طرب و لطفِ جشنِ شان	حاصل نکرده اند چنین عیش پایدار
بل جشنِ داورانِ سلف بود پُرخطر	راحت بشاه و با دگران محض اضطرار
این جشنِ نامدار شهنشاه دیده اند	صرفش شده ز حاصلِ صدکان و صد بحار
شاه و رعیتش همه را شادکام ساخت	در معرضِ خطر نشد اینجا گلے ز خار
این خرمی و روزِ خوش و خوشتر از زمان	هرگز ندیده هیچکس از اهلِ روزگار
هر جا فگنده طرحِ نشاط و سرور را	معمور گشته مجلسِ رنگین بهر کنار
با ساز و برگِ خرّمی عالم نواختند	سازندگان ز صوت و نواهائے سازگار
ناخن بدل ز زمزمهٔ سازها زدند	بسته دمِ مسیح بگره نغمه‌هائے تار
د آواز زیر و بم ز نواهائے ارغنون	بیتاب باربد شد و پرویز شرمسار
هر گوشه بزمگاهِ رفیقانِ عیش دوست	هر بزم جلوه گاهِ تجلّیِ حسنِ یار
مست ترانه شد دلِ هر هوشیار دل	هر هوشیار بیخبر از نغمه مست وار

چون غنچه بود گروهی خامشی پسند   شد نغمه خیز تار نفس های او چو تار
شاهان و راجگان و سفیرانِ ملکها   در دهلی آمدند ز فرمانِ شهریار
عالم فراهم آمده ایمن ز هر خلل   افواجِ بادشاه در آمد چو مور و مار
همچون نجومِ چرخ ز اندازه بیشتر   چون ذره های مهر برون از حدِ شمار
هر لشکری برشتهٔ اخلاص پای‌بند   بر لطف و جان نوازیِ شاهانه جان سپار
هر یک سلاح پوش ظفر دیده جنگ جو   صد بار جنگ کرده بمیدانِ کارزار
فولاد پوش با درع و جوشن و کلاه   در بر گرفته خنجر و شمشیرِ آبدار
بند و قبا بدوش اجلها بدستِ شان   در زیر پا فگنده سرِ دشمنانِ خوار
گردیده سربلند ز اکرامِ بادشاه   اُفتاده بر زمینِ نیازش چو خاکسار
جانبازِ آستانِ ادب محفلِ نیاز   از جان و دل فدای کرمهای شهریار
مانندِ برق - نورِ نظر - دانشِ رسا   بادِ نسیم - بُوئے چمن - موجهٔ بهار
اسپانِ تیزگام خرامان بهارها   زین سو بآن طرف گهی زینجا بآن کنار
چون کوه برستاده و چون برق در شتاب   سر بر فلک سرادق و ایوانِ ابهار
خرگاه و خیمه ها و سراپردهٔ جلال   چون ابرِ نوبهار برآمد بکوهسار
همچون بروجِ گنبدِ خضرای آسمان   کالسکه های راجه و نواب و شهریار
پُر از ستاره مُشتری و ماه و آفتاب   در هر مقام و منزل و میدانِ مرغزار
طرفه سراچه های ز پشمینه و حریر   جای ز مخمل اطلس و دیبای زرنگار
در جای نی ظروفِ بلورینه و زجاج   همچون سپهر گشته بپا آبگینه حصار
جای خروس و تیهو و دراج و صیدها   مُرغابی و کلنگ و بط و کبکِ کوهسار
مرغانِ صیدگیر چو شاهین و شاهباز   گاهی بآسمان گهی بر دستِ بهله دار

بازیگران و شعبده بازان هزارها | جا بالسحرِ بابل و هاروت کرده کار
بارود بازی‌ها به تحیّر فگنده بود | گردید آسمان مگر آن شب ستاره بار
در هر مقام بود چراغانِ عشرتے | گویا که کرده بود فلک بر زمین گذار
هیبت چنانکه در ره و میدانِ جشن گاه | از جائے بر نخاست سر خیره سرِ غبار
جلبید گر ز راه سراسیمه وار گرد | سیلے بزد بروئے و سرکش و دستِ آشنا
هر کس ز داردان و تماشاگیانِ جشن | پابستهٔ ضوابط و قانونِ گیر و دار
مهمانِ سلطنت بجد و در خیامِ خویش | چون آفتاب و مشتری و ماه در مدار
بردند گنج‌ها ز خرید و فروخت‌ها | سوداگران و تاجرِ هر ملک و هر دیار
بیننده را بحسنِ بهارینه جلوه‌اش | گردد بهجومِ حیرتِ نظاره پرده‌دار
یعنی و فورِ کثرتِ سامانِ جشنِ او | مهرِ لبِ بیان شود با سخن گذار
وقتِ جلوسِ شاه با ورنگِ خسروی | هنگامِ تاجپوشی و جشنِ جهان بهار
زندانیانِ قرضه و دیوانیان اسیر | گردون پناه شاه رها کرد صد هزار
هم قرضه‌هائے شان ز کرم داد گنجها | بنواخت قارضان و اسیرانِ قرضدار
از دامِ وام بهرِ دوام آرمیده اند | وارسته از کشاکشِ زجر و دُه بیار
زندانیانِ عمر و اسیرانِ بے وطن | آزاد کرد لطفِ جهانگیرِ شهریار
نوّاب و راجگان و امیرانِ مملکت | ز انعامِ او برائے ابد برده اقتدار
قنطارهائے زر پئے تعلیمِ ملک داد | زرها بداد با سپه و با سپاهدار
هر بنده و ملازم و نوکر بهر مقام | بردند حظِّ وافر و گشتند کامگار
ارباب بزم را ز کرم جانِ تازه داد | چون شد باهلِ بزم گهربار شهریار
گفتا که شاه آبِ خضر یا دمِ مسیح | خود دولتِ ابد کرم و فضلِ کردگار

از غایتِ کرم شده شکر فشانِ بزم   سلطانۂ جہاں بخواتینِ نامدار

ممنونِ خویش کرد ز انعامِ یک جہاں   سلطانۂ زمان و شہنشاہِ باوقار

از شکرِ اوست در ہمہ جا قیل و قالِ ما   ممنونِ خویش کرده صغارند یا کبار

تحریک ہائے موجۂ بادِ نسیمِ باغ   مے آورد ترانۂ شکرش ز شاخسار

تا ہر کسے بفالِ ہمایوں کند دعا   در ہند کرده است ہمیں جشن شاہوار

وز بہر آنکہ ہست پسندِ ضمیرِ شاہ   اخلاص ہائے سایہ نشینانِ ایں دیار

وز بہرِ آنکہ در خورِ شائستگیِ خویش   ہر خورد بہره بردو ہر بزرگوار

گنجینہ ہائے زر بردو مایۂ رضاش   آنرا کہ کرده اند خردمند و بختیار

وز بہرِ برگزیدنِ حق برگزیدگاں   ایں جائے بزمِ عیشِ جہاں کرد اختیار

کانرا کہ برگزید خدا برگزید شاہ   زینجاست لطفِ شاہ بود لطفِ کردگار

وز بہرِ آنکہ خوش کند و خوش شود الٰہ   خرم بود ز خرمیِ ملک شہریار

وز بہرِ آنکہ ساکنِ ہر شہر و ہر دہے   سالارِ ملک و سرور و درویشِ خاکسار

ببینند بادشاہ بچشمِ نیازہا   با ہر یکے نظر کند از لطفِ شاہوار

وز بہرِ آنکہ بہرِ دوامِ بقائے شاہ   یکجا دعا کنند باظہار و استتار

القصہ ہمچو شاہِ فلک بارگاہِ ما   شاہے نیافرید جہاں آفریدگار

نے ہمچو خاندانِ شہنشاہِ بحر و بر   کرد است دودمانِ کسے ہمچو نیک کار

نے جشنِ ہیچ شاہِ جہانگیر بوده است   مانندِ جشنِ قیصر و خاقانِ ایں دیار

نے ہمچو وائسرائے است مددگارِ سلطنت   نائب منابِ ظلِ الٰہی جہاں مدار

در انتظامِ سرورِ دانش پناہِ ملک   در کارِ بادشاہ کمر بستہ بنده وار

گر راست خواہی اے بوفا آشنا رفیق   گر راستی طلب کنی اے راستی شعار

ننده و امیر ای کسی بهره ور شود　　از فرخی و خرمی و عزت و وقار
حسن نکردی یکی این سعادت　　روزی نشد برای کسی همچو روزگار
ای فرخا سعادت و اقبال ایسرا　　کز بخت نیک کرد بایں طور نیک کار
عامل هر آنچه کرد ز ملک آفرین او　　با ملک هرچه کرد پسندیده کرد کار
نواب لفتننت گورنر بهادر آنکه　　در انتظام جشن بادشه رفیق و یار
پنجاب را ز همت او آبرو فزود　　آباد کرده دشت و بیابان و کوه و غار
این هم ز لطف سلطنت بادشاه ماست　　مانند شان بملک عطا کرد ملکدار
ای بادشاه دهر و ملک سیرت کریم　　باشد جهان بزم نوال تو جرعه خوار
دست تو لب گشت زر افشان عجب بود　　لبریز زر اگر نبر آید کف چنار
[illegible] عقده [illegible]　　حل کرده است مشکل امسال را ز پار
[illegible] عدالت [illegible]　　بنشست فتنه های جهانگیر بود تار
فرو نهیب عدل تو چون [illegible]　　دارالامان برق شود برج پنبه زار
عدلت سکون باد برد از نهاد او　　با برگ گل خلد اگر از باد نوک خار
سوزد زبان شعله ز برق عتاب تو　　بیتاب گر شود ز تپیدن رگ شرار
[illegible] امواج بحر گر　　گردد حباب آب پی ماهیان حصار
گر در عروج جاه تو گردد بروز و شب　　تا زین تردد رسدش چرخ در جوار
اقبال تو [illegible] جهان [illegible]　　جاه تو داشت بختی اقبال در قطار
سعی تو لطف و لطف تو سامان [illegible]　　آید بخار ز آب یم و ابر از بخار
در کشت زار گر برسد بوی خلق تو　　آرد بجای سبزه زمین نافهٔ تتار
بجام جم است دیده حیران بزم تو　　ور رزمگاه جرأت شیران کنی شکار

آباد خاندانِ تو آباد کرد ملک / آباد از تو دہر و جہاں پرورِ ایں تبار
از آسماں ستارہ و از بحر قطرہ ایست / کردم ہر آنچہ ذکرِ جمیلت باختصار
حیرت بتہنیت کند اکنوں دعای تو / از ذاتِ حق اجابتِ او را امیدوار
تا آنکہ زامتدادِ زمان ہست سال و ماہ / تا آنکہ عمر را بود از سال و مہ شمار
دورانِ دولتِ تو بود حسبِ مدعا / مانندِ دورِ نیّرِ خورشید پائدار
اولادِ تو بدولت و اقبالِ بیزوال / باشند ہمچو مشتری و ماہ برقرار

ایں تابعانِ دولتِ تو ناظمانِ ہند
باشند زیرِ حکمِ تو جاوید کامگار

قصیدہ در تہنیتِ تاجپوشی شہنشاہ جارج پنجم قیصرِ ہند دام اقبالہ

نوائے شادمانی در جہانے / طرب ساماں نشانے در زمانے
ستادہ سرو بالا در ادائے / بنغمہ بلبلِ رنگیں نوائے
بخندد گل زند خندہ بر رضواں / شدہ رضواں کدہ دشت و بیاباں
طرب خوانِ نعم ہر جا کشیدہ / بآسایش جہانے آرمیدہ
مصوّر در خیالِ نقش بستن / رسائی در خیالِ دل شکستن
بحرف آید تکلّم با خموشی / زند لب با تبسّم ناز و شوخی
زباں [illegible] / [illegible]

بسے خسرو صاحب قرانے　　　شہے جم جاہ بہ نصرت در جہانے
زہے دوراں کہ این از جفائے　　　نہ ایذائے نہ از دستے عنائے
ستارہ دورِ گردوں ماہ تاباں　　　فلک گردش عطارد زہرہ کیواں
سناں ناوک دمِ شمشیر و جوہر　　　سپر خنجر صدف دُر آب گوہر
خزائن لشکر و عمال و درباں　　　سپہبد تخت و دیہیم سلیماں
ہمہ ہندی قلم و خورد و اکبر　　　بجشنِ تاجپوشی فرق و افسر
بہ تہنیت طراز بیدہ زبانے　　　بمدح تاج بخشِ شہ زمانے
نشانِ فتحمندی بار کابش　　　بمیزانِ سکندر رائے حسابش
بہ قدرت با قضا دارد حسابے　　　سپہرِ مروّی را آفتابے
ثوابت از شکوہش نقشِ مسطر　　　کہ از بیمش مہرِ نو تارِ بستر
فلک اطلس بہ تعظیمش خمیدہ　　　بہ بستاں سرو بالا قد کشیدہ
حقیقت فہم آئینِ جہانی　　　شناسائے رموزِ خسروانی
کلاہ حق شناسی بر سرِ او　　　قبائے حُسن و خوبی در برِ او
حلاوت می تراود از زبانش　　　فصاحت ناز دارد از بیانش
نپرّد مرغِ وہمش در ہوائے　　　بلندی خیالش در فضائے
فتادہ آسے ز قدرش قدرِ جوہر　　　کہ از قدرش بگردد آبِ گوہر
کہ جاہ ہست خورشید جہانتاب　　　کہ در صورت شبیہ ماہ و ماہتاب
خطا و عفو از ذاتت بنازد　　　کہ عفو تو خطا را در گذارد
مدیح تو شدہ شیریں زبانے　　　بوصفِ تو شدہ رنگیں بیانے
منم عاجز ز وصفِ قدرِ جوہر　　　کہ از تو ہست گل را آبِ گوہر

خموشی بس دلاور از فغانے　　دعا شاید بمدح شہ زمانے
بگردد تا فلک مہر درخشاں　　نشان کہکشاں و ماہ تاباں
شہ قیصر بود با تخت و افسر　　باقبال سکندر نیک اختر

خلیفہ سید محمد شاہ منشی فاضل دلاور جالندہری

کلام عزیز

عالیجناب نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز ناظم عطیات صرف خاص علاقہ حضور نظام حیدر آباد دکن نے اپنا کچھ کلام حال میں ہدیۃً رسالہ مخزن کے لئے عنایت کیا ہے۔ جسے ہم شکریہ کے ساتھ ذیل میں درج کرتے ہیں۔ اُمید ہے کہ نواب صاحب اسی طرح مخزن کو کبھی کبھی یاد فرماتے رہینگے۔

غزل

کام کچھ چلتا نہیں تدبیر سے　　آدمی مجبور ہے تقدیر سے
میری خاموشی کا نقشہ دیکھئے　　کم نہیں ہے آپ کی تصویر سے
باندھتا ہوں میں جنوں کے جوش میں　　اپنا دامن دامن شمشیر سے
بولنے کی مجھ میں اب طاقت کہاں　　روح پہلے کھنچ گئے تصویر سے
دامن شب میں رہے ارمان وصل　　کام بگڑا صبح کی تنویر سے

دیگر

حالت بدل گئی ہے دل نا اُمید کی　　اللہ رے خوشی تیرے عہد جدید کی

مرکر بھی تو رقیب اکیلا نہیں رہا
دہشت ہے ساتھ ساتھ عذاب شدید کی

کس طرح اُنکے عہد وفا کا ہو یقیں
قسمیں وہ کھا رہے ہیں کلام مجید کی

دو آنکھیں دل کے ساتھ تھیں ہیں اسی لئے
گنجائش ایک میں تھی کہاں ذوق دید کی

ترچھی نگاہ بھی ۔ تری سیدھی نگاہ بھی
دونوں ہیں میرے واسطے چھریاں حدید کی

دیگر

نشہ میں چور ہیں ساغر اُٹھا نہیں سکتے
وُہ مجھ کو ہاتھ سے اپنے پلا نہیں سکتے

مَیں اُنکے ہاتھ سے دل کو بچا نہیں سکتا
وُہ میرے ہاتھ سے دامن چھڑا نہیں سکتے

نفس کی آمد و شد سے ہے زندگی قائم
ہوا کے جھونکے مری خاک اُڑا نہیں سکتے

اُمید وصل سے ہے جان کس مصیبت میں
ہم اپنی جان سے بھی ہاتھ اٹھا نہیں سکتے

تمہارا دزدِ حنا یا نگاہِ دزدیدہ
یہ دونوں چور میرا دل چرا نہیں سکتے

یہ آہ سرد کے جھونکے یہ اشک کے قطرے
لگی ہُوئی مرے دل کی بجھا نہیں سکتے

عزیز روٹھ گئے ہیں اگر وہ باتوں میں
تو کیا ہُوا تم انہیں کیا منا نہیں سکتے

دیگر

کدورت کا بُرا ہو مانعِ دیدار ہوتی ہے
کبھی چلمن کبھی پردا کبھی دیوار ہوتی ہے

میری قسمت جگانے سے نہ جاگی ہے نہ جاگیگی
یہ متوالی ازل کی ہے کہیں بیدار ہوتی ہے

یہی ہیں آرزو ۔ ارمان ۔ حسرت پوچھنے والے
یہی ہیں جن سے تسکین دلِ بیمار ہوتی ہے

نہیں رہتی مصیبت ایک حالت پر زمانہ میں
کبھی آسان ہوتی ہے کبھی دشوار ہوتی ہے

رُباعی

نرگس کی طرح ششدر و حیراں میں ہوں
سنبل کی طرح سخت پریشاں میں ہوں

اس گلشن ہستی میں وہ وحشت ہے عزیزؔ
پھولوں کی طرح چاک گریباں میں ہوں

آنی جانی!

عدم سے بشر آئیگا ایک دن زمانہ کہے گا اُسے "نیک دن"
لڑکپن کے دن ہونگے شاہی کے دن محبت کے دن بیگناہی کے دن!
خوشی ان دنوں نور برسائیگی
مگر یہ گھڑی بھی گذر جائیگی

پھر آئے گا مدہوش کرنے شباب رہیگا خیالِ شراب و کباب
کبھی جوشِ مستی۔ کبھی نوش خواب نہ فکرِ ثواب و نہ خوفِ عذاب
گھٹا دل پہ پندار کی چھائیگی
مگر یہ گھڑی بھی گذر جائیگی!

بھرا ہوگا سامانِ عشرت سے گھر چلا آئے گا غیب سے مال و زر
بنے گا بشر۔ مالکِ بحر و بر بہم ہونگے گنجینۂ خشک و تر
امیری۔ کبھی مفلسی آئے گی
مگر یہ گھڑی بھی گذر جائے گی!

گھڑی نذر۔ کوئی گھڑی لائیگی کسی وقت زنجیر پہنائیگی
کبھی ساعتِ سیر گل آئیگی کوئی آن۔ کانٹے چبھو جائیگی
چڑھی ندی اک دن اتر جائیگی
مگر یہ گھڑی بھی گذر جائیگی!

زر و زورِ بازو رہینگے بہم بہم ہونگے معشوقِ عیسیٰ دم
رہے گا نہ دل پریشانِ الم بتوں پر بھی ہوگا خدا کا کرم
خوشی نافِ دل میں جگہ پائیگی
مگر یہ گھڑی بھی گذر جائے گی

سپاہی جواں مرد کہلائیگا لڑائی میں زخمِ گراں کھائیگا

غش آئے گا۔ سیروں لہو جائیگا — کراہے گا۔ تڑپے گا۔ چلّائیگا
قضا بوند پانی کو ترسائے گی
مگر یہ گھڑی بھی گذر جائیگی!

بشر ہوگا عالم میں ذی احتشام — بڑھے گی لیاقت سے شہرت تمام
رہے گی نہ شہرت بھی اس کی مدام — کہ شہرت کو بھی یاں نہیں ہے قیام
یہ شہرت نیا رنگ چمکائے گی
مگر یہ گھڑی بھی گذر جائیگی!

کبھی بخت و دولت کی ہمسائیگی — کبھی تنگ دستی فرمائیگی
کبھی دانہ ابر کی دائیگی — کبھی خشک سالی ستم ڈھائیگی
بہار آئے گی ڈالیاں لائیگی
مگر یہ گھڑی بھی گذر جائیگی

زمانہ کرے گا جواں کو ادھیڑ — توانائی کا ہوگا پژمردہ پیڑ
لگائے گا اسپ جوانی کو ایڑ — نقاہت کرے گی قوا سے چھیڑ
طبیعت اس آفت سے گھبرائیگی
مگر یہ گھڑی بھی گذر جائیگی

بڑھاپے سے ہوگا بڑا انقلاب — نہ ہوگی دلیری نہ ہوگا شباب
ضعیفی کرے گی کل اعضا خراب — یہاں تک کہ جینا بھی ہوگا عذاب
اجل چیل سی سر پہ منڈلائیگی
مگر یہ گھڑی بھی گذر جائیگی

مرض موت کا جب اٹھائیگا سر — دوا کرکے ہارینگے کل چارہ گر
بگڑ جائے گا کھیل سب سر بسر — بن آئیگی بیمار کی جان پر!
بڑی سختیاں نزع دکھلائیگی
مگر یہ گھڑی بھی گذر جائیگی!

بسمل سیتاپوری

مخزن

یہ رسالہ لاہور سے ہر انگریزی مہینے میں ایک بار شائع ہوتا ہے ملک کے مستند اور مشہور نامہ نگاروں کے علاوہ ایک معقول تعداد نئے اور ہونہار اہلِ قلم کی اس کی اعانت میں مصروف ہے۔ یونیورسٹیوں کے ڈگریاں پائے ہوئے اصحاب جن کو اب تک ملکی علم ادب سے غافل سمجھا جاتا تھا۔ شوق سے اِس کے بنانے میں شریک ہو رہے ہیں۔ مضامین عام دلچسپی کے ہوتے ہیں۔ اور کوشش کی جاتی ہے کہ ہر قسم کے مذاق کے لئے کچھ نہ کچھ ہر پرچہ میں موجود ہو۔ اور تقریباً ہر پرچہ میں مشاہیر اور دیگر اہل قلم کی ولایتی عکسی تصاویر بھی شائع ہوتی ہیں۔ یہ پرچہ دیکھنے کی چیز ہے۔

فی الحال ۴؍ کے ٹکٹ بھیجکر مینیجر مخزن لاہور بھاٹی دروازہ سے نمونہ طلب فرمالیجیے۔

رسالہ کا حجم ۱۸×۲۲ کی تقطیع پر معہ سرورق ۷۶ صفحے کا ہے۔ اس حجم کا کوئی اردو رسالہ ایسی لکھائی چھپائی کے ساتھ ان قیمتوں پر نہیں دیا جاتا۔

پیشگی قیمت سالانہ مع محصول ڈاک {
کاغذِ قسم اول ۶ روپے
کاغذ قسم دوم عہ ۶ ر

نولکشور پریس لاہور

طبِ یونانی کی بقا کے لئے

عالیجناب حاذق الملک حکیم محمد اجمل خاں صاحب [illegible]

اہتمام میں ہیں انکا معقول حصہ شہرت کے منظر پر آچکا ہے۔ اطراف ہند میں اس کام کیلئے سب کی نظریں انہی کی طرف اٹھتی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ طب یونانی کے مستقبل کی نسبت اگر کچھ امیدیں ہیں تو وہ ان ہی کے خاندان سے وابستہ ہیں۔ جناب حاذق الملک احساس فرض کے ساتھ دل میں اس فن شریف کی ترقی کے ارمان رکھتے اور خاموشی سے اپنے قیمتی اوقات کو ملک کی اس مہتم بالشان خدمت میں صرف کرتے رہتے ہیں۔ ہندوستانی دواخانہ انکے احساسِ فرض کا ثبوت اور انکی مستقل و مخلصانہ کوششوں کا ثمر ہے گو اسکی ظاہری حیثیت ایک تجارتی حیثیت ہے لیکن اگر حقیقت شناس نظر سے دیکھا جائے تو یہ ایک تجارتی کام نہیں۔ طب یونانی کی بقا کا سامان ہے شخصی اغراض سے اسکو علیحدہ رکھا گیا ہے۔ اسلئے جس غرض سے یہ قائم ہوا ہے اسکے پورا ہونے میں کوئی مخالف احتمال باقی نہیں رہا۔ اصلی اور پورے اجزا سے بنی ہوئی یونانی ادویات اور انکی طرز ساخت میں تہذیب و ترقی دواخانہ کا مقصد ہے جسے یہ پورا کرتا ہے بہت سی اس قسم کی ادویات جو مختلف امراض کے لئے عام طور پر اطبا برتتے ہیں۔ بلکہ حکما کے وہ اعلیٰ نسخے جو صرف رؤسا و امرا کو میسر آتے تھے بالکل اصل اصل اس دواخانہ میں تیار رہتے ہیں اور واجبی قیمت پر فروخت ہوتے ہیں۔

اس دواخانہ کی آمدنی مدرسہ طبیہ و زنانہ شفاخانہ کو دیجاتی ہے

نیز جناب حاذق الملک بہادر نے اپنی اور اپنے زندہ جاوید بزرگوں کی خاص خاص دوائیں بھی اس دواخانہ کو عطا فرمائی ہیں۔ صحت و تندرستی ایک بے بہا جوہر ہے اور ہر ایک انسانی جسم اس جوہر کی [illegible] گاہ۔ اسلئے تمام ارباب وطن کو ان اعلیٰ اور خالص یونانی ادویات [illegible] سے فائدہ اٹھانا اور اسکے ساتھ اس کارِ خیر کی مدد کا موقع ملنا [illegible]

[illegible]



○ ان شہروں میں اردو عام بولی جاتی ہے ● ان شہروں میں اردو مروج ہے ● ان شہروں میں اردو سمجھی جاتی ہے

تقریباً دس کروڑ ہندوستانی اردو بولتے ہیں اور اسی قدر زیادہ ہندوستانی اردو سمجھتے ہیں

مطبع نول کشور پریس لاہور میں چھپا اور منشی فضل الٰہی پبلشر نے شائع کیا

مخزن ایجنسی لاہور کی موجودہ کتابیں

رسوم دہلی۔ مؤلفہ مولوی سید احمد صاحب مؤلف فرہنگ آصفیہ قیمت ۔ ۱۲؍

اقبال دلہن۔ مصنفہ مولوی محمد بشیر الدین احمد خان صاحب { قسم اول ... ۸؍ / قسم دوم ... ۱۲؍ }

خواب ہستی۔ مرزا محمد سعید صاحب ایم۔ اے کے پسندیدہ ناول کا دوسرا ایڈیشن ۱۲؍

ابو مسلم خراسانی۔ رسالہ الہلال مصری کے فاضل ایڈیٹر جرجی زیدان کی تصنیف ہے۔ مولوی محمد حلیم صاحب دہلوی نے مخزن ایجنسی کی خاص فرمائش پر عربی سے سلیس اردو میں ترجمہ کیا ہے - - - - - - - - - - ۱۲؍

انتخاب مخزن۔ مخزن کی سابقہ ۹ جلدوں کا انتخاب قیمت . . عہ

درد جانستان۔ مصنفہ حکیم سید ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی۔ دہلی کی زبان میں نہایت اچھا قصہ ۸؍

مثنویات میر حسن۔ مثنوی بے نظیر و بدر منیر کے ساتھ مثنوی گلزار ارم ایک قلمی نسخہ سے نقل کر کے شامل کر دی گئی ہے ۸؍

سیر تبت۔ انگریزی کتاب فرام ایران ٹو تبت کا بامحاورہ ترجمہ اور ملک تبت کے متعلق معلومات کا خزانہ ۱؍

بچے کی تندرستی یعنی نوزاد و شیرخوار اور کم عمر بچے کی تندرستی اسکے رکھ رکھاؤ اور پرورش کے طریقے۔ آسان ہدایتیں اور موزوں باتیں۔ کتاب صحۃ المولود کا اردو ترجمہ مترجمہ مولوی محمد حلیم انصاری ردولوی منشی فاضل معہ تصاویر۔ قیمت فی جلد . . . ۱۰؍

مرقع خوشخطی۔ فن خوشنویسی کی ابتدائی کاپی جسکو منشی فضل الٰہی صاحب خوب رقم نے نہایت محنت سے مستند بنایا۔ کاتبوں اور شائقین خط کیواسطے تیار کیا جسکو دیکھ کر خط کے تمام نکات بآسانی سمجھ میں آ سکتے ہیں۔ علاوہ حسن ظاہری کے جو منشی صاحب نے اس کے تمام میں مدنظر رکھا ہے۔ دعویٰ ہے کہ اس سے بہتر کاپی اس فن کے واسطے اسوقت تک نہیں چھپی ۸؍

مضامین بنام منیجر مخزن لاہور آنی چاہئیں



Al-Haj Afzalul-Ulema Nawab Sarbuland Jung Bahadur M. Hameed-Ullah Khan, M.A. (Cantab.)

[illegible]

مخزن

خلوص اتفاق

اینست کہ واقف بہ خریداری وطلش
صبر و دل وجان وزر و سر باختہ اینست

اخلاقی کتابوں۔ سوسائٹی کے دستورات اور قصے کہانیوں ضرب الامثال مختلف تذکروں میں مختلف طور پر مندرجۂ عنوان صفات یا سیرتوں اور طریق عمل کی بابت ذکر کیا گیا ہے۔ دُنیا کے طبقوں پر کوئی ایسی قوم اور کوئی ایسی شاخ قوم نہیں ہے کہ جس میں اِن امور کی بابت قیل وقال نہ ہوتی ہو صرف معمولی ذکر ہی نہیں بلکہ ان پر شخصیتوں۔ افراد۔ خاندانوں وکنبوں یا قوموں کے اقبال وتنزل کا مدار بھی رکھا جاتا ہے۔ جب اخلاقی رنگ میں اِن کی نسبت بحث کی جاتی ہے تو اِن کی قیمت ایسی گراں ہوتی ہے کہ کوئی کوئی ہی اِن سے متصف اثبات ہوتا ہے۔ یا کسی کسی کی ذات میں ہی ان کا ذخیرہ پایا جاتا ہے۔

طبعاً بھی ہر شخص۔ ہر فرد ہر خاندان ہر کنبہ ہر قوم یہ چاہتی ہے کہ اس میں

یہ سیرتیں یہ فضیلتیں پائی جائیں اور ہر ہستی کی جب تعریف کی جاتے تو مواد تعریف میں ان اجزا کا عنصر نسبتاً زیادہ ہو۔ جب کبھی کسی شخص یا کسی فرد کسی خاندان کسی کُنبہ کسی قوم کے اقبال کا ذکر ہوتا ہے تو فضل خدا کے ساتھ گویا دوسرے نمبر پر ان اوصاف ان فضائل ان جذبات کا ذکر کیا جاتا ہے اور جب کسی کے ادبار کا ذکر ہوتا ہے تو اس حالت میں بھی انہیں اوصاف کی کمی کا خصوصیت سے ذکر کیا جاتا ہے۔

مختلف خاندانوں۔ کنبوں اور قوموں کی تاریخیں جہاں اور مختلف اسباب کا ذکر کرتی ہیں۔ ان ملکات اور ان اوصاف کا بھی خصوصیت سے ذکر کرتی ہیں۔ اور ان پر بہت کچھ مدار سمجھا جاتا ہے۔

ہر شخص یا ہر ناصح یہ کہتا اور یہ سمجھتا ہے کہ

اتفاق ایک ایسی نیک سیرت یا نیک روش ہے کہ اُس کے مقابلہ میں کوئی اور صفت یا سیرت نہیں ہے۔ نااتفاقی اور منافقت اس کے مقابلہ میں ایک ذلت یا ایک رزالت ہے اور ایک ایسا طریق عمل کہ جو قوموں اور خاندانوں کی بربادی اور ادبار کے واسطے ایک مہلک بلا ہے۔

یہ بالکل درست اور صحیح ہے کہ۔

اتفاق انسانی خصائل میں سے ایک اعلیٰ خصلت ہے اور قوموں یا لوگوں کی شیرازہ بندی کے واسطے اِس کی سخت ضرورت ہے اور اس کی عمدگی اور ضرورت سے کسی حالت میں بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یہ کہنا ہر امر اور ہر بحث میں انسانوں کا آپس میں اتفاق ہی رہے اور کبھی اختلاف خیالات نہ ہو ایک ایسا خیال ہے کہ جو کسی صورت اور کسی حالت میں بھی وجود پذیر نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ کوئی شخص کوئی کنبہ کوئی قوم کیسی ہی مہذب

اور ترقی یافتہ ہو۔ تب بھی اُس میں سے اختلافات کی رو بند نہیں ہو سکتی جبکہ قدرت نے اختلافات کی طنابیں خود پھیلائی ہیں اور اس کی بھی ضرورت ہے تو کوئی صورت نہیں کہ انسان کی زندگی اس سے پاک صاف ہو سکے یا اس کی زد سے بچا جائے۔

کیا ہم تاریخی اسناد سے مختلف شخصوں اور مختلف قوموں میں کوئی ایسا نشان دے سکتے ہیں کہ جو اس بات کا کافی ثبوت ہو ـــــ کہ کوئی شخص یا کوئی قوم اور کوئی کنبہ یا خاندان شروع سے لیکر اخیر تک اختلافات سے محفوظ رہا ہو اور ساری زندگی میں اسے کوئی ایسا موقع نصیب نہ ـــ ہوا ہو۔

کہنے کے واسطے ـــــ بہت کچھ کہہ سکتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اختلافات اور تضاد سے نہ تو کوئی شخصیّت خالی ہے اور نہ کوئی کنبہ اور خاندان یا کوئی قوم یہ کہنا کہ اختلافات اور تضاد نام کو بھی نہ ہو۔ اس وجہ سے ہے کہ ہم لوگوں نے اتفاق کی غایت پر غور نہیں کیا ہے۔ ہمارے خیال میں اتفاق سے صرف یہ مراد ہے کہ اس کے ہوتے کوئی تضاد اور کوئی اختلاف نہ ہو۔ یا یہ کہ جہاں اتفاق ہو وہاں کسی قسم کا اختلاف بن پایا جائے۔ گویا ہر انسان ہیچ میچ دوسرے انسان کا ہو بہو روپ اور شبیہ ہو۔

کیا کوئی شخص ایک منٹ یا ایک لمحہ کے واسطے بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ دُنیا کے کل انسان یا کل حیوانات اور کل موالیدِ ثلاثہ ایک ہی شکل و شباہت کے ہو سکتے ہیں۔ اگر یہ نہیں کہا جا سکتا تو یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ

دُنیا میں ایک اِس قسم کا اتفاق بھی وجود پذیر ہو سکتا ہے کہ جس میں اختلافات کی ہستی ہی نہ ہو۔ اگر درحقیقت کوئی ایسا اتفاق دیکھنے میں آتا ہے تو وُہ اتفاق نہیں ہے بلکہ ایک بے اتفاقی اور کم اندیشی ۔

ہمسری نہ بود بہ ابروئے بتاں شمشیر را
کشتہ میگردد دریں دعویٰ زباں شمشیر را

اِنسانی جماعتوں میں یہ غلطی کیوں پڑی صرف اِس وجہ سے کہ لوگوں نے خلوص اور اتفاق میں تفریق نہیں کی اور ان دونوں کے مفہوم پر عملی رنگ میں بحث نہیں کی گئی ۔ کہنا یہ چاہیئے تھا کہ جس قوم اور جس گروہ میں خلوص نہیں ۔ وُہ قوم اور وُہ گروہ یا وُہ خاندان اور وُہ کنبہ دُنیا کی زندگی میں قائم نہیں رہ سکتا یا یہ کہ ہر ترقی کے واسطے خلوص ہی کی ضرورت ہے ۔

یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ جس قوم جس گروہ میں اتفاق نہیں وُہ قابلِ عزت نہیں۔ اسے قیام و ثبات نہیں ۔ اس کی زندگی اس کی قیمت گھاٹے میں ہے ۔ کہنا یہ چاہیئے کہ جس قوم میں جس گروہ میں خلوص نہیں وُہ قوم وُہ گروہ زیرِ صدمہ ہے ۔ جس قوم میں جس گروہ میں خلوص ہے اگرچہ اُس میں ہزاروں اختلافات اور صد ہا تضاد ہوں وُہ قوم اور وُہ گروہ ایک ایسی بنیاد پر قائم ہے کہ جس کا انہدام صرف قدرت کے ہاتھوں میں ہے کوئی دُوسرا گروہ اس کا مقابلہ آسانی سے نہیں کر سکتا ۔

فرض کرو قوم (الف) میں از سرتا پا بعض امور میں نااتفاقی ہے ۔ تضاد ہے ۔ اِختلافات ہیں ۔ اگر باایں ہمہ اس کے افراد میں خلوص ہے تو یہ اختلاف یہ نااتفاقی اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی ۔ اس حالت

میں بیشک یہ برائیاں مُضر ہوسکتی ہیں کہ جب خلوص کی طاقت موجود اور زندہ نہ ہو۔

خلوص کونسی طاقت اور کونسا جذبہ ہے۔

وُہ جوہر حالت میں صداقت۔ ہمدردی۔ اخلاص سے عمل کرتا اور عمل پذیر ہوتا ہے۔

جو باوجود نااِتفاقی تضاد اور اختلافات کے بھی حقیقت الامر ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ زید اور بکر اتفاق ہونے کی حالت میں ایک جتھے کی صُورت میں ایک امر ایک کیفیت پر متفق ہو سکتے ہیں۔ اور ممکن ہو کہ اُن کا ایسا جتھا اور ایسی یکجہتی ایک خاص عرصہ تک قائم بھی رہے لیکن یہ محض ایک جتھا ہوگا نہ کہ خلوص۔

خلوص اس حالت میں کہا جائے گا کہ جبکہ تضاد اور اختلافات کی صُورت میں بھی زید بکر سے اِتفاق کرے نہ اُس حالت میں جبکہ صُورت متفقہ یا صورت متضادہ کو مقدم رکھا جائے۔

اگر زید بکر کی بات اِس واسطے مانتا ہے کہ وہ بکر سے متفق ہے تو وہ ایک جتھے کی تائید یا پیروی کرتا ہے۔ لیکن اگر اس واسطے اس کی تائید کرتا ہے کہ وہ بات ہی بنفسہٖ قابلِ تسلیم ہے تو وہ ایک خلوص یا اخلاص مندی ہے۔ اتفاق کی صُورت میں کوئی تائید کرنا ایک فریق بندی ہے لیکن خلوص سے ایک دُوسرے کی تائید کرنا ایک حق شناسی یا حق پژوہی ہے۔

زید بکر کا دشمن ہے اور دونوں میں بہ بعض وجوہ تضاد ہے۔ لیکن جب دونوں کے سامنے کوئی حقیقت الامر اور صداقت پیش ہوتی ہے تو تضاد یا اختلاف سدِ راہ نہیں ہوتا۔ بلکہ صداقت اپنا وجود آپ ثابت

کرتی ہے۔ ایک خوب صورت شے ایک حسین وجود اگرچہ چند خود غرض یا ناشناس لوگوں کی نگاہوں میں کیسا ہی خلاف مرضی ثابت ہو۔ لیکن ایک صحیح مذاق کا انسان جو خلوص رکھتا ہو۔ نفس خوبی یا نفس حسن سے کس طرح انکار کر سکتا ہے۔ اگر کسی شخص کی کسی ہیئت وان کے ساتھ دشمنی یا کاوش ہو تو اس کا آفتاب کے جرم یا ضیا اور نور سے انکار کرنا اس کی صداقت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔

اتفاق صرف اتفاق اور جتھے کا حامی اور خواہاں ہے۔ لیکن خلوص اس کے خلاف حقیقت شناس اور حقیقت پسند ہے۔ اتفاق صرف یہ دیکھتا ہے کہ ایک جتھا اور ایک جماعت کی صورت میں کون کون ان راہوں سے جاتا ہے اور کون کون یہ سبق پڑھتا ہے۔ لیکن خلوص یہ دیکھتا ہے کہ حقیقت کس کس کے حصے میں آئی ہے اور دراصل کونسی بات قابل تائید ہے اور کون سی قابل انکار۔

اتفاق کسی حد تک جبر اور زور سے واقعات۔ چیزیں منواتا اور مانتا ہے۔ خلوص کی جانب سے نہ تو جبر ہوتا ہے اور نہ کوئی زور اور اکراہ دکھایا جاتا ہے۔ اتفاق اپنا پہلو لیتا اور اپنا پہلو بچاتا ہے لیکن خلوص اس کے خلاف وہ پہلو لیتا ہے جو صحیح اور درست ہو خواہ وہ کسی ہستی سے تعلق رکھتا ہو۔

پہلی صورت اور پہلے طریق عمل میں تحریص۔ ترغیب اور جبر ہے دوسری صورت میں حقیقت پڑوہی اور تائید حق۔

ایں تامل نہ ز خود داری است در قربان شدن
چشم ایمائے ازاں ابرو کماں داریم ما

دوستوں ۔ احباب سوسائٹی ۔ جماعتوں میں خرابی نحوست اس واسطے نہیں پیدا ہوتی کہ اُن میں اتفاق اور اتحاد نہیں ہوتا یا وُہ اتفاق اور اتحاد سے خالی ہوتے ہیں ۔ بلکہ اس واسطے کہ باوجود اتفاق اور اتحاد کے وُہ خلوص سے خالی ہوتے ہیں ۔ یہ ممکن نہیں کہ دوستوں اور ملنے جُلنے والوں میں نا اتفاقی اور اختلافات نہ ہوں کیونکہ نا اتفاقی اور اختلافات کی وابستگی خیالات اور واقعات پر موقوف ہے ۔ جب اِن میں تضاد اور اختلافات ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ نا اتفاقی اور اختلافات نہ ہوں ۔ دُوسرے لوگ جُدا رہے ۔ خود انسان کی اپنی ذات میں ہی ہر روز بیسیوں اختلافات اور تضاد برپا رہتے ہیں ۔ صبح کچھ سوچتا ہے اور شام کچھ ۔ بعض وقت

۱؎ بعض وقت بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں ۔

(الف) اَلحُبُّ لِلّٰہِ ۔

(ب) اَلبُغضُ لِلّٰہِ ۔

یہ فقرات عموماً مذہبی رنگ میں بعض مواقعہ پر اطلاق پاتے ہیں اور بعض لوگ جو مذہبی دُنیا سے اجنبیت رکھتے ہیں ان فقرات کے اطلاق سے کسی حد تک کشیدہ خاطر ہوتے ہیں ۔ اُن کی یہ آزردگی درست نہیں ۔ دراصل اِن فقرات یا ان جملوں کا مطلب اور مفہوم بھی خلوص ہی ہے ۔ جو شخص خلوص رکھتا ہے وہ صرف صداقت کا حامی ہوتا ہے نہ کہ زید و بکر کا اُسے زید و بکر سے نہ تو عداوت ہوتی ہے اور نہ کاوش اور نہ بیجا خوشامد وُہ صرف امرِ حق کی تائید میں درمیانی علاقوں کو چھوڑ کر بولتا اور کہتا سُنتا ہے ۔

حرف از مہر و وفا می گوید
ہر چہ گوید ز خدا می گوید

کمزوریوں میں گرفتار ہوتا ہے اور بعض وقت استقلال کا دم مارتا ہے کبھی حوصلہ میں ہوتا ہے اور کبھی بے حوصلگی کا شکار مدتوں ایک خیال کا پیرو کار رہتا ہے اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس سے فوراً منحرف ہو جاتا ہے۔ ایسے تمام امور اور تمام واقعات سے پتہ لگ سکتا ہے کہ اتفاق کی جامع صورت شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔ اتفاق اور اتحادِ صحیح معنوں میں وُہی ہے کہ جو خلوص کی صورت میں ہو۔

محض اتفاق کی صورت میں ضروری نہیں کہ خلوص بھی ہو۔ لیکن خلوص کی صورت میں لازمی ہے کہ صحیح اتفاق بھی ہو۔ اتفاق کا صحیح مفہوم یہ نہیں ہے کہ چند لوگ یا چند انسان آپس میں لڑیں بھڑیں نہیں۔ یا اُن میں کبھی کبھار بھی کوئی اختلاف اور کوئی تنازعہ نہ ہو بلکہ یہ کہ واقعات کے پیش آنے پر اُن میں خلوص کی روح کام کر رہی ہو اور انکی رائیں اور خیالات شروع سے لیکر اخیر تک خلوص کے تابع ہوں۔

کوئی قوم اور کوئی خاندان اس وجہ سے نہیں گرتا کہ اس میں تخالف اور تضادِ خیالات ہوتا ہے بلکہ اس وجہ سے کہ اُس میں خلوص باقی نہیں رہتا اور وُہ قوت ضعیف ہو چکی ہے جو خلوص سے کام کرنے کی عادی ہے دُنیا کی ترقی یافتہ قوموں کی ترقی اور عروج یا اقبال کی وجہ اور موجب محض اتفاق اور باہمی اتحاد ہی نہیں ہے بلکہ وُہ حالت جسے خلوص سے تعبیر کیا جاتا ہے مصیبت اور گردش کے وقت محض اتفاق کام نہیں دیتا بلکہ خلوص یہ ایک ضرب المثل ہے کہ

"دوست تو بہت ہیں لیکن مخلص بہت کم ہیں"۔

اس کا منشا بھی یہی ہے کہ

اُن لوگوں کی کمی رہتی ہے جو ایک دُوسرے سے خلوص رکھتے ہوں ۔

خلوص کی علامات کیا ہیں ؟

(الف) صداقت پژوہی ۔

(ب) صداقت پسندی ۔

(ج) صداقت شعاری ۔

(د) تائیدِ صداقت ۔

(ہ) حمایتِ صداقت ۔

(و) واقعات کے اعتبار سے رفاقت ۔

(ز) واقعات کی رجعت سے اختلاف ۔

(ح) جائز استقلال ۔

(ط) جائز اور صحیح رجعت ۔

(ی) ہمدردی ۔

(ک) دِل سوزی ۔

گو صورتِ اتفاق میں بھی ان امور کا شائبہ ہوتا ہے لیکن خلوص میں انہیں کے اجزا لزوماً پائے جاتے ہیں اور انہیں پہ مدار ہوتا ہے ۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ

سوائے اتحاد اور اتفاق کے خلوص کا پایا جانا ناممکن ہے ۔ میری رائے میں یہ درست نہیں ۔ خلوص وہی ہے کہ جو تضاد اور اختلاف کی حالت میں پایا جائے اس کی نفی نہیں کی جاتی کہ اتفاق اور اتحاد کی صُورت میں خلوص نہیں ہوتا ہے لیکن وہ اتفاق کی وجہ سے نہیں ہوتا ۔ بلکہ اپنی وجہ سے کمال اس کا یہ ہے کہ ہر حالت میں ہو ۔ اتفاق اور اتحاد کی صورت میں بھی

پایا جائے اور اختلاف اور تضاد پایا جاتا اتفاق کی حالت میں بھی اتفاق اور اتحاد تابع معاملات باہمی کے ہے اور خلوص تابع صداقت اور حقیقت الامر کے معاملات باہمی اور صداقت وحقیقت الامر میں فرق ہے۔

یا یوں کہئے کہ خلوص تابع صداقت اور اصلیت کے ہے اور اتفاق تابع باہمی سلوک اور میل جول کے جن لوگوں کا میل جول اور باہمی سلوک ہوتا ہے انہیں آپس میں ایک عارضی نسبت ہوتی ہے۔ کیونکہ سلوک اور معاملات تغیر پذیر ہیں اُن کے تغیر سے سلوک اور معاملات میں بھی فرق آجاتا ہے لیکن خلوص کے عمل سے باایں ہمہ فرق نہیں آنا چاہئے کہ خلوص کی بنیاد چونکہ حقیقت الامور پر مبنی ہے اس واسطے اس میں فرق نہیں آسکتا۔

مصیبت اور خوشی کا احساس ایک طبعی جذبہ ہے۔ اگرچہ کیسی ہی دشمنی اور عداوت یا کاوش ہو ہر حالت میں انسان ان کا احساس کرتا ہے اور ایک کی ذات کا اثر دُوسرے پر پڑتا ہے۔ اتفاق اور تضاد سے اس میں ایسا فرق نہیں آسکتا کہ اس کی نفی کیجائے یہ عمل دوسرے الفاظ میں خلوص ہی ہے۔ ایک انسان دُوسرے انسان کو تکلیف اور گزند پہنچاتا ہے اور بالارادہ پہنچاتا ہے لیکن اس کا ضمیر اُس کی بُرائی محسوس ضرور کرتا ہے۔ اس عمل یا اس احساس کا نام دُوسرے الفاظ میں خلوص ہے اتفاق اور اتحاد صرف چند نسبتوں اور چند معاملات کی وجہ سے ایک دُوسرے سے تعلقات پیدا کرتا ہے اور خلوص محض واقعی نسبت ضمیری کی وجہ سے اتفاق اور اتحاد۔ ان امور سے روکتا نہیں کہ جو مانع ترقی ہیں کیونکہ وُہ چند باہمی معاملات اور تعلقات

سے اثر پذیر ہے لیکن خلوص رُوکتا ہے بدیں وجہ کہ وُہ ایک حقیقت کا پرستار اور ایک اصلیت کا جویاں ہوتا ہے۔

تمام ترقیات کی بنیاد خلوص ہے۔

خلوص کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) خلوصِ ذاتی۔

(ب) خلوصِ نسبتی۔

جب تک اِنسان اپنی ذات سے بھی خلوص نہ رکھے تب تک وُہ ذاتی طور پر بھی ترقی نہیں کر سکتا۔ جسمانی روحانی ترقیات کا مدار اسی پر ہے جو شخص ایسا مادہ نہیں رکھتا نہ تو وُہ اپنی جان کی حفاظت کرتا ہے اور نہ اپنی رُوح کی راہیں صاف رکھتا ہے۔

نسبتی وُہ خلوص ہے کہ جو بالمقابل دُوسروں کے ہوتا ہے اور جس پر ذاتی خلوص کے بعد اِنسان کی تمام اُمیدوں کا مدار ہے اور جو دُنیا یا دنیا کی قوموں کی ترقیات اور اقبال کا ایک بنیادی پتھر ہے۔ نا اتفاقی اور اختلافات خیالات کی کوئی پرواہ نہیں ہونی چاہئے۔ پرواہ یہ ہونی چاہئے کہ لوگوں کے دِلوں میں سے لوگوں کی طبیعتوں میں سے خلوص کا مواد نہ زائل ہو جائے۔ خلوص اگر ہو تو وُہ موقعہ پر تمام قسم کے اختلافات اور نااتفاقیوں کا علاج کر لیتا ہے۔ اور اس اتفاق اور اتحاد کی بنیاد ڈالتا ہے کہ جو خلوص کے تابع ہوتا ہے یا جس میں خلوص کے اجزا ہوتے ہیں۔ اتفاق اور اتحاد چونکہ خلوص کے تابع ہے۔ اس واسطے خلوص ہی بہرحال مقدّم ہے اور اس پر سب کچھ انحصار اور مدار ہے۔ خلوص کے سوائے محض اتفاق و اتحاد لڑکوں کا کھیل ہے باہمی سلوک اور باہمی ربط و

ضبط نہ رہنے کی صورت میں اسکا کوئی اثر بھی باقی نہیں رہتا۔ حالانکہ خلوص ان امور کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ وُہ حقیقت کا پرستار ہے + فقیر (سلطان احمد)

کوکین کا مارا ہوا کوکنی[1]

(ایک دلچسپ اور چشم دید سرگذشت)

ایک تنگ - تاریک اور عفونت بھری چھوٹی سی گلی ہیں - جسے بمبئی کی کال کوٹھری کہنا چاہیئے - یہ اجل گرفتہ کوکنی ایک دن مجھ سے یکایک دوچار ہوا وہ مجھے دیکھتے ہی بھڑکا اور آنکھ بچا کر نکل بھاگنے کا ساعی ہوا - مگر میں نے اپنی چرب زبانی - اپنے تسکین بخش اشاروں سے اُسے پورا اطمینان دلایا کہ میں مخالف نہیں بلکہ اُس کا دلسوز اور ہمدرد ہوں - وہ مجھے گھورتا اور غیرت و دہشت کا مارا میرے رُوبرو ٹھٹک گیا - میں نے جب اس پر سراپا نظر کی تو میرے دل پر حیرت و ہیبت کا ایک ہولناک اثر طاری ہو گیا - اس کا بے رونق چہرہ - اُس کا خشک ڈھانچہ - اُس کی ذلیل حالت کی ایک بولتی ہوئی تصویر تھی - جس نے اپنی زبانِ حال سے اپنی خستہ حالی بیان کر کے میرے صفحۂ دل پر ایک طرفہ نقش کا لجہ بنا دیا! زرد رُو - نحیف - لاغر اندام قیس عامر کا ہمزاد چیتھڑوں سے بیزار - خستہ و خوار - کپڑے ایسے چیکٹ جنہوں نے شاید برسوں سے کسی دھوبی کا گھاٹ نہیں دیکھا - پھٹا پُرانا لباس گویا سے چھدے ہوئے فوجی جھنڈے کی طرح چھلنی - ٹوپی اور جُوتے سینۂ عاشق سے چار انگل سوا نکلے ہوئے - ایک انسان نوجوان - مگر نقاہت کا مرقع اور فلاکت کا روشن آئینہ - اس کے دلاسے کے لئے میں نے ملائم الفاظ کہے اور

[1] علاقہ کوکن احاطہ بمبئی کا باشندہ -

تشفی آمیز باتیں کیں تو مجھے اُس کا سارا جسم لرزاں۔ بے قابو اور اُس کے تمام رگ و ریشے اس کے حیطۂ اختیار سے باہر نظر آنے لگے۔ اس کی آئینہ تاب پتلیوں میں ایک طرح کی بیتاب ٹکٹکی تھی اور وہ بے بس پتلیاں اپنے خانۂ چشم میں ایسی ڈرتی اور چونکتی پھرتی تھیں گویا اُن میں کسی آنے والی مصیبت کا خطرناک اندیشہ تھا۔ اُس نامراد نوجوان کی ساری ہیئت اور وجاہت بجنسہٖ اس ہراسان ہرن کی سی تھی جو ابھی ابھی کسی قدر اندازِ شکاری کے نشانے سے جان بچا کر کسی امن کی جگہ میں آنکلا ہو مگر اپنی سلامتی کا پورا یقین نہ حاصل کر چکا ہو۔ یہ مفلوک حال اور شکستہ پیکر اصلی انسانیت کی خستہ حالی کا ایک حسرت انگیز خاکہ تھا جو آدمیت اور شرافت سے خارج ہو کر بھی۔ ابھی تک نوعِ انسان ایک بنی جان ہونے کا حقیقی دعویٰ کر رہا تھا اور اسی ذلیل اور شکستہ پیکر میں مجھے ایک خو گرفتہ رمحکم۔ "العادۃ طبیعۃ الثانی" کا سچا مصداق کوکین خوار نظر آیا!

کوکنی کا دردناک اعتراف

اب مجھے اس بات کی چٹپٹی پڑی کہ بارِ خدایا یہ آسمانِ شباب و شباہت کا بدر ایسا کاہیدہ ہلال کیونکر بن گیا۔ دم دلاسے منت سماجت اور کسی قدر نقدی و حومتہ کے نذرانے سے مَیں اُس کے ٹھہرا لینے میں کامیاب ہُوا۔ اس غیر مترقبہ نذرانے نے اُس پر نیا جال ڈالا۔ اس کے جسمِ بیجان میں ایک تازہ رُوح پھونکی اور میرے دیئے ہُوئے چڑھاوے سے اپنے زندہ درگور بنا دینے والے زہر ہلاہل کی ایک پڑیا مِل جانے کی آس میں وُہ زندہ دِل اور بشاش نظر آنے لگا! نرم چارے دیکر اس وحشی جانور کے درد انگیز اور وحشت خیز احوال سُننے کا مجھے حسب خواہ موقع ملا۔ وُہ احوال

جو اسکی چال ڈھال اور صورت سے بھی زیادہ پُر ملال تھا!

اُس غمِ جان نوجوان نے ایک آہ سرد بھری اور کہا "صاحب ؎

سرگذشت بلاکش را بشنو

ز سیہ بختی و داستان بشنو

خدا کی مار اس کمبخت نابکار پر جس نے میری یہ حالت بنائی۔ خدا کی پھٹکار ان یاران بدشعار پر جنہوں نے مجھے وہ نجس گل دکھائی اور اُسے کھانے کی چاٹ لگائی۔ اللہ کرے وہ کتوں کی موت مریں۔ مگر نہیں "از ماست کہ بر ماست" اور "خود کردہ را علاجے نیست"۔ کاش وہ دن روزِ حشر سے بدل گیا ہوتا۔ کاش اس رات کا ایک ایک چمکتا ہوا تارا۔ مجھ پر پتھر بنکر برسا ہوتا۔ یا میں اس دارِ ناپائدار میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔ مگر کسی کا کیا دوش ہے؟ "یہ اپنی کرنی ہے اور اپنی بھرنی"۔ ہاں حضور یہ میرا قصور ہے۔ مگر صاحب میرا قصور بھی اگر تھا تو پہلے تھا۔ اب نہیں کیونکہ اب تو میں اس بلائے بے درمان کا شکار ہوں۔ وہ مجھ پر غالب ہے۔ میں مغلوب اور خستہ و خوار ہوں۔ اس نے اتنا کہا تھا کہ اس کی سانس پھول گئی اس کے پیر لڑکھڑائے۔ وہ گرا ہی چاہتا تھا کہ میں نے اُسے سنبھالا دلاسا دیا اور اس نے پھر کہنا شروع کیا۔

"کچھ دو برس کا زمانہ ہوتا ہے کہ میں نے پہلے پہل اس مہلک شے کو زبان پر رکھا اور پورے دو سال ہو گئے کہ پھر اس کے بعد کوئی اور میٹھا میوہ اس سے بہتر نہیں چکھا! میوہ! ہہ ہا! (وحشیانہ ہنسی) ہاں میوہ تلخ (لمنزہ) عیش کا تلخ کن۔ انسان کا جانستاں۔ ایک سم قاتل مگر اپنے خوگرفتہ کا فرمیار میوہ! جناب آپ زنہار یہ نہ سمجھئے گا کہ میں ہمیشہ کا وہی ہوں جو آج نظر آ رہا ہوں۔ ایک موالی۔ ایک لوفر! نہیں بلکہ میں ایک خاندانی امیر کے

کشتِ شرافت کا وہ رسیلا گنّا ہوں جسے ایک آسیب نے چوس کر اب محض اُس کی کھوئی چھوڑ دی ہے! میں کسی وقت اپنے ہم چشموں میں امیر زادی توقیر تھا۔ میرے والدِ ماجد زرِ کثیر چھوڑ کر مرے اور میں اُن کا اکیلا وارث بنا۔ میں اُس وقت گبرو۔ جوان۔ رشتہ زور اور چھوٹ کا آدمی تھا۔ میں نے ایک چھوٹی سی دوکان کر لی تھی۔ اور سرخوش رہتا تھا۔ ہائے وہ میرے ارمان بھرے دن! ہائے وہ میری مستی کا موسم! اب وہ دن کہاں اب وہ رات کہاں۔ اب وہ سن کہاں اب وہ بات کہاں! "مگر از ماست کہ بر ماست"! میری تمام خوشیاں۔ میری ساری آسائشیں اس "مکروہ، مردود" کوکین" کی بدولت خواب و خیال ہو گئیں! ہا! کیا میں اپنے بامِ بربادی کا پہلا زینہ کبھی بھول سکونگا؟ نہیں۔ زنہار نہیں۔ یہی یاد مجھے عمر بھر خون رُلائیگی۔ یہی پشیمانی مجھے آغوشِ لحد میں سُلائے گی"!

میں اُس وقت جوان گبرو، خوش وضع۔ خوش رو اور زمان تھا۔ مگر ناتجربہ کار تھا ناوان تھا۔ ہا! کاش دنیا میں سب عقل کے پتلے ہی پیدا ہوئے ہوتے اور جہالت و نادانی نوعِ انسانی کو قعرِ پریشانی و پشیمانی تک نہ پہنچاتی!

"ایک دن شام کو اپنے دو دوستوں کے ساتھ میں گاڑی میں سوار ہو کر ہوا کھانے گیا۔ میں اُن دونوں کے آگے گویا کل کا لڑکا تھا۔ ہم ہوٹلوں میں گئے اور بافراغت کھاتے پیتے اور بیڑیوں (تمبا کو اور پتے کے بنے ہوئے سگرٹ) کے دھوئیں اُڑاتے رہے۔ وہاں سے گرانڈ تھیٹر میں پہنچے۔ طالب بنارسی کا تصنیف کیا ہوا ڈراما کرشمۂ قدرت" یعنی گم گشتہ لڑکی" دیکھا۔ اور واپسی کے وقت ایک کثیف اور ٹوٹی پھوٹی گلی میں داخل ہوئے۔ جہاں چند بدوضع آدمی کھڑے تھے جو ہمیں دیکھتے ہی چونک اُٹھے۔ میرے دونوں دوست

اُن کی گھبراہٹ سے ہنس پڑے اور مجھ سے کہا کہ یہ کوکین فروش ہیں۔ فوراً ایک آدمی ہماری گاڑی تک آیا اور پوچھنے لگا کہ اگر آپ کو پوڑی (کوکین کی پوڑیا) درکار ہو تو ابھی حاضر کروں۔ میرے دونوں یاروں نے جو شاید اس کا مزہ اس سے پہلے بھی لے چکے تھے۔ ایک ایک پڑیا لی اور میں نے بھی۔ اس میری خواہش نفسانی کا ناس ہو۔ محض ندرت کے طور پر ایک پڑیا خرید کی۔

یہی میرے انہدام کی نحس گھڑی تھی۔ اسی دن میری خانہ خرابی کی بنیاد پڑی تھی۔ مگر ؎

سوجھتا پہلے سے اس شے کا جو انجام مجھے
ایسے صدمے نہ دکھاتا دلِ ناکام مجھے

اتنا کہنا تھا کہ ناگہاں وہ نامراد نوجوان جھجک اُٹھا اور کہنے لگا۔ اچھا اب رخصت۔ اب جاتا ہوں۔ اب مجھے ایک پوڑی۔ ایک خوراک کی طلب لگی۔ توڑ لگا۔ اب ایک پوڑی کہیں نہ کہیں ملنی ہی چاہیئے! اتنا کہہ کر وہ چلا ہی تھا کہ میں نے ہاتھ تھام لیا "نہیں۔ ٹھہرو۔ مجھے اپنی پوری داستان سنا لو۔ جب جاؤ۔ مجھے تمہاری باتیں ایک دل فگار مگر اشتیاقیہ احساس دلا رہی ہیں۔"

بوڑھوں کو شرما دینے والا وہ ناشدنی جوان ضعیف آواز میں بولا۔ "مگر مجھے توڑ لگا ہے۔ خمار چڑھا آ رہا ہے! ایک پوڑی فقط ایک پوڑی"۔ یہ کہا اور اُس نے زبان چٹخائی۔ بے چینی بتائی۔ اُس کا سوکھا چہرہ اور بھی پھیکا اور اُس کے پریشان حواس اور بھی باختہ نظر آنے لگے! وہ چل ہی نکلا تھا کہ میں نے کسی قدر آمد لجاجت کی کچھ تحریص دلائی۔ ذرا مٹھی گرم کر دی۔

اس نے اپنا جی سنبھالا اور جبڑا پھر کہنے لگا۔ میں اُن دنوں پان کا بڑا مشتاق تھا۔ اور صبح سے شام تک کوئی دس بارہ گلوریاں کھایا کرتا تھا۔"

پہلی خوراک کی چاٹ

وُہ پہلے پہل مُنہ لگانا غضب نئی بات کا لُطف پانا غضب!

ہم تینوں نے پان کے بیڑے لئے۔ اور میرے ایک دوست نے مجھ سے کہا کہ اس پُڑیہ کا کل سفوف پان میں رکھ کر کھالو۔" آدمی کا شیطان آدمی ہے" اُس نے جیسا کہا مَیں نے ویسا ہی کیا۔ مجھے اُس پان کے بیڑے کا دلفریب مزہ اُس روز معمول سے زیادہ لذیذ معلوم ہُوا۔ میرے مُنہ میں ایک جوشیلی سنسنی محسوس ہُوئی۔ ایک دو منٹ بعد فرحت روح فزا نشہ۔ کچھ فرحت نما سرُور۔ اعضائے رئیسہ میں ایک خاص دلیرانہ جوش نمایاں ہُوا یہ جوش کچھ عجب غیر معمولی اور دل رُبا تھا جو مجھے نہایت بھلا معلوم ہُوا! مجھ پر ایک خواب کا سا عالم طاری ہو گیا۔ ایک فلک سیر مگر جہنم رسان نشے نے مجھے فلک الافلاک تک پہنچا دیا۔ مجھے ایسا معلوم ہُوا کہ مَیں اپنی اصل حالت سے کسی قدر اچھی اور برگزیدہ حالت میں ہُوں۔ مگر یہ ایک مختصر سا خواب تھا جس کی تعبیر سُستی تکان اور خفیف سی حرارت تھی۔ وُہ غیر معمولی جوش بہ تعجیل جاتا رہا اور مَیں عرش سے فرش پر آپڑا! مجھے لالچ لگا کہ پھر وہی مزے لُوں پھر عرش معلّٰی پر چڑھوں اور آسمان سے باتیں کروں!

جب میرے دوست مجھے چھوڑ کے چلے گئے۔ مجھے سخت چسکا ہُوا۔ مَیں چھدری چوری گھر سے نکلا اور اسی گلی میں جا گھسا لپکا ہُوا! وہی شیطان زادے وہاں موجود تھے اور وُہی سُوال مجھ سے کئے گئے۔ مَیں نے

دو پوڑیاں خریدیں اور دونوں کی دونوں اُسی شب کھا لیں۔" لے بس اب مجھے جانے دیجئے۔ اب آپ کو مجھ سے کیا پوچھنا ہے؟ اب مجھے ایک پوڑی کی زبردست طلب ہے۔ اُف بدن ٹوٹنے لگا۔ جیسے چار چوٹ کی مار پڑی ہو۔ اگر آپ کے پاس ایک پڑیہ ہو تو للہ دیجئے۔ مجھے جانکنی سے بچا لیجئے!

اُس کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس کے دلخراش بَین نے میرا کلیجہ ہلا دیا۔ اور مَیں نے دیکھا کہ اس کا تن بدن یوں سے مارے ہوئے پتّے کی طرح پیڑ پیڑا لرز رہا ہے۔ سچ ہے۔ علّت دھوئی جائے عادت کیونکر جائے؟ مُبارک ہیں وُہ ماں باپ۔ ولی یا اتالیق جو اپنے نوعُمروں کو اچھّی عادتیں سکھائیں جب اس خونخوار باز کے زبردست چُنگل میں وُہ طائر بے پر یُوں تڑپنے لگا۔ مجھے اس کے حالِ پُر ملال پر سخت رحم آیا۔ مگر مَیں اس کی ساری کہانی اسی کی زبانی سُننے کا ایسا شائق تھا کہ اُسے چھوڑنا مجھے شاق ہو گیا ساتھ ہی اس کے مجھے یہ بھی دیکھنا تھا کہ یہ اپنی بے چینی اور اس نشہ کا خمار کہاں تک ضبط کس قدر برداشت کر سکتا ہے۔ مَیں نے ذرا اور دلاسا دیا۔ کچھ اور پیسے دیئے۔ اور مزید اظہارِ حال کا متمنّی ہُوا سہ "زر بر سر فولاد نہی نرم شود"۔ اس مقولے کا پابند ہو کر اُس نے ایک آہِ سرد بھری اور کہا:۔

"دُوسرے دِن اس نامشدنی کی چاٹ کشاں کشاں مجھے پھر اُسی کوچہ ناروا میں لے گئی۔ مَیں نے بارہا اس جان رُبا شے کے ترک کی کوشش کی مگر اپنی عزیمت میں لیسپا ہی رہا۔" اس وقت مَیں ایک ایسا مست ہاتھی تھا جسے اس قبیح پیکے کا انکش اس دوزخی گلی کیطرف بے اختیار دوڑاتے

لئے جاتا تھا۔ اس علّت نے اب مجھ پر اپنا پُورا قبضہ کر لیا اور اب مَیں ایک دن میں ایک پوڑیہ سے پانچ پوڑیاں۔ پانچ سے دس۔ اور رفتہ رفتہ دس سے بیس پوڑیاں یومیہ جس کے دام چار روپے روزانہ ہوتے ہیں۔ کھانے لگا۔"

کوکین کا غلام - مگر - بیدام!

خوئے بد در طبیعتے کہ نشست نہ رود - جز بوقت مرگ از دست

وہ خاص اور پُر مزہ احساس جو مجھے پہلے دن متمیز ہُوا۔ اب رفتہ رفتہ ہر خوراک کے ساتھ گھٹتا نظر آنے لگا! ظالم نے میرا خون چاٹا اور مجھے بڑھا کے کاٹا! حتّیٰ کہ مجھے اپنی خوراک کا اعادہ جلد جلد کرنا پڑا۔ میرے قُوا دن بہ دن کم زور ہونے لگے۔ اور دو دو گھنٹے بعد اگر مجھے ایک ایک پوڑیہ نہ ملی تو میرا بُرا حال ہو جانے لگا۔ خمار کی تکلیف رفع کرنے کو میں اسے پے درپے لینے پر مجبور ہُوا۔ ایسے صرفِ بیجا پر جبکہ کمائی کی سکت بالکل زائل ہو گئی ہو۔ میرا اندوختہ یا میرے باپ کا ترکہ کہاں تک میرا ساتھ دے سکتا تھا؟ میرا ہاتھ تنگ ہونے لگا اور اُسی کے ساتھ میری شکل صورت بھی خراب ہوتی چلی! قانونِ صحت کے تمام دفعات مجھے فراموش ہو گئے۔ مُنہ دھونا۔ نہانا۔ کپڑے بدلنا۔ مجھے دُوبھر ہو گیا۔ ذلالت اور کثافت کے دلدل میں میں روز بروز دھنستا چلا۔ اپنی آبرو اپنی شان کا گمان میرے جریدۂ دل سے حرفِ غلط کی طرح مٹنے لگا حتّیٰ کہ ع آن قدح بشکست وآں ساقی نماند۔

اب نہ مجھے شرم ہے نہ ڈر۔ نہ میرا کہیں ٹھکانا نہ گھر۔ مَیں چوری کر لوں بھیک مانگوں۔ جان بیچوں۔ مگر اس زہرِ ہلاہل کے لئے کچھ پیسے کہیں سے

ضرور ملاؤں ۔ مجھے بھوکا غریب جان کر کوئی کھانا تو شاید کھلا دیگا ۔ مگر کوکین کون
ولا دیگا ۔ میں کبھی کا امیر با توقیر ۔ مگر اب چور اُچکا ۔ بھکاری اور فقیر ۔ ملعون
ذلیل و حقیر ! میری صحت اب ایسی خراب ہو گئی ہے کہ میں اب ایک دن میں
دو پوڑی سے زیادہ نہیں کھا سکتا ۔ مگر اس کی چاٹ میں جو صدمہ دل پہ
گذرتا ہے اللہ ہی جانتا ہے ۔ بے آس ۔ بے سہارے ایک دیوانے کتے
سا میں گلی گلی مارا مارا پھرتا ہوں ۔ سب نفرین کرتے ہیں ۔ کوئی رحم نہیں کھاتا
حتیٰ کہ تھک کر کہیں پڑ جاتا ہوں اور ذرا دم لیکر پھر جا بجا ٹھوکریں کھاتا ہوں ۔
لائیے آپ نے جو کہا ہے دلوائیے ۔ اب ٹھہرنے کی تاب نہیں ۔ گلا خشک
ہو چلا ۔ دم رکنے لگا ۔ اب میں نہیں ٹھہر سکتا ۔ ایک پوڑیہ للہ ! ایک پوڑیہ "!
میں نے اس راندۂ درگاہ پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈالی اور ایسی جان
گسل عادت ۔ اس کے مہلک انجام کا خیال کر کے سر سے پاؤں تک کانپ اٹھا
نعوذ باللہ منہا ۔ اس کے حال زار نے مجھے اب اتنی طاقت نہ دی کہ
اسے زیادہ روک سکوں ۔ میں نے ایک چوّانی اور اس کے ہاتھ میں دی
اور وہ بے انتہا خوشی کے ساتھ اپنی اس مکروہ شے کی بہم رسی کیلئے دوڑا
جس نے اس پر تو کیا بلکہ ہزاروں پر نکبت ۔ ذلاکت ۔ منفرت اور ہلاکت کا سا
ڈالا ہے ۔ جس روح افزا ۔ جادو نما ۔ مگر جان رُبا شے کو ہزاروں قبول صورت
نیک سیرت نادانوں نے ایک مرتبہ محض جدت ۔ لذت اور بشاشت کے لئے
شوقیہ چکھا اور ہلاکت کی اس عمیق کھائی میں گم ہو گئے ۔ جسکی گہرائی کی تھاہ
ابھی تک کسی علمی یا طبی طاقت کو نہیں لگی ۔ او وہ تیر مسکلات کے اجل گرفتہ شکار
او وہ کوکین کے مارے ہوئے کوکین خوار !!

طالب بنارسی (از بمبئی)

محبت کا ایک کرشمہ

ہم تو قیس و کوہکن کے بھی تماشے دیں بھلا
لیلیٰ و شیریں سا کوئی دیکھنے والا تو ہو

(۱)

دو محبت کرنے والے دلوں میں باہم محبت جلوہ گر ہو گئی ہے۔ ایک کا نام جنگی ہے۔ دُوسرے کا بنسی۔ دونوں کا آغاز جوانی ہے جس سے زیادہ نخلِ محبت کے پھولنے پھلنے کے لئے کوئی اور عمدہ موسم نہیں نامعلوم طور پر اور چپکے چپکے دونوں دلوں پر محبت نے اپنا قبضہ جما لیا اور نہ صرف معمولی قبضہ بلکہ پُورا پُورا تسلط۔ پہلے ایک کو تھی پھر دوسرے کو بھی رفتہ رفتہ ہو گئی۔ دونوں کو مزہ آنے لگا۔ بھولے بھالے دل تھے کہ پھنس گئے۔ نہ سمجھے کہ انجام کار کیا ہوگا۔ باہم سینکڑوں ہزاروں قول و قرار ہوا ہی کرتے ہیں اور ایک عاشق زار کے ارمان بھرے دل کی آرزوؤں کا کیا ٹھکانا ہے۔ ایک ان باتوں باتوں میں جنگی نے پوچھا کہو بنسی۔ اب تو تم مجھ سے بہت محبت کرتے ہو۔ کیا آئندہ بھی یہی حال رہیگا۔ بنسی بولا۔ پیارے۔ اس سوال کا جواب بھی اپنے ہی دل سے لے لیا ہوتا۔ لیکن اب مجھ سے پُوچھا ہے تو میری سُن لو اور جی چاہے تو کہیں لکھ بھی رکھو ؎

آرزو یہ ہے کہ نکلے دم تمہارے سامنے　　تم ہمارے سامنے ہو ہم تمہارے سامنے

اور

حشر میں بھی ہو تو شرحِ غم تمہارے سامنے
رضا کے سامنے ہوں ہم تمہارے سامنے

جنگی نے اس پر ہنس کر کہا۔ واہ اُستاد۔ تم تو خوب اپنے مطلب کے شعر یاد کر رکھتے ہو ....

(۲)

زمانے نے اپنی کتاب کا ایک ورق پلٹ دیا۔ جنگی پڑھ لکھ کر کسی دوسرے شہر میں برسرِ روزگار ہے۔ شادی ہو چکی۔ دو لڑکے بھی خدا نے بخشے ہیں۔ بنسی اپنے ہی شہر میں، کان کے کام کاج میں مشغول ہو گیا ہے۔ بیاہ کے بعد اس کے ہاں بھی اولاد ہو چکی ہے۔ دُنیا کے دھندے چلے ہی جاتے ہیں۔ مگر ایک محبت کا خیال دونوں میں بدستور موجود ہے۔ آمد و رفت اور ملاقات کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ کبھی وہ آ گیا کبھی یہ چلا گیا۔ محبت بھی ان کی عمروں کے ساتھ ساتھ بڑھ کر ایک پختگی کا رنگ لے آئی ہے۔ چھیڑ چھاڑ اور بناؤ بگاڑ کے لطف کچھ جاننے والوں ہی کے دلوں سے پوچھئے۔ جو اس کوچہ سے نابلد ہیں وہ ان باتوں کو کیا جانیں ؎

عجب لطف کچھ آپس کی چھیڑ چھاڑ میں ہے
کہاں بناؤ میں وہ بات جو بگاڑ میں ہے

ایک مرتبہ یونہی کسی ذرہ سی بات پر گنگا جی کے میلہ میں بنسی بگڑ بیٹھا۔ دل لگی ہی تو ہے۔ کرنے کو تو جنگی کر چکا۔ مگر اب بنسی روٹھا ہوا ہے اور جنگی اسکو منانے کی فکر میں سرگرداں ہے۔ اپنا پیارا منتیں کر کر بار بار منانا ہو اور کوئی منے نہیں۔ بھلا کوئی بات ہے۔ بمن مگر

دونوں پھر ایک بلکہ کچھ اُس سے بھی سوا ہو گئے۔ کیا خوب کہا ہے ؎

بگاڑ بھی نہیں ان کا بناؤ سے خالی
نہ جاؤ عاشق و معشوق کی لڑائی پر

جنگی نے کہا۔ ہنسی تم ہنسی ہنسی میں بگڑ جاتے ہو۔ یہ کیا عادت ہے ہمیں پسند نہیں۔ اس کو چھوڑ دو۔ جواب ملا۔ یہ اپنی اپنی عادت ہے۔ پہلے تم تو اپنی عادت چھوڑ لو۔ جس نے ہم کو کہیں کا نہ رکھا۔ پھر کسی اَور کو بھی کہہ لینا ....

(۳)

زمانہ کیسی جلدی جلدی ورق گردانی کرتا چلا جاتا ہے۔ اَے لو اُس نے ایک اَور ورق پلٹا۔ جنگی کی جوانی گذر چکی۔ اس کی عمر اب پچاس کے قریب ہو گی۔ ہنسی ذرا عمر میں بڑی ہے۔ وُہ زیادہ بڑھیا معلوم ہوتا ہے۔ تین چار مہینے سے اُسے کچھ ایسا درد کا دَورہ ہوتا ہے کہ کئی کئی دن تک بہت سخت تکلیف رہتی ہے۔ علاج بھی بہت ہوتے ہیں۔ کبھی کچھ افاقہ بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن بیماری پھر عود کراتی ہے جب فرصت اور موقع پاتا ہے تو جنگی بھی اُسے دیکھنے کو آتا ہے۔ مگر مرض کو کسی طرح بھی خطرناک نہیں سمجھتا۔ اتفاق سے انہی دنوں آٹھ دس دن کی تعطیلیں جو آئیں۔ سیر بمبئی کا ارادہ کر کے جنگی جھٹ روانہ ہو گیا۔ ہنسی اس وقت بھلا چنگا تھا اور اس کی حالت بالکل ایسی نہ تھی کہ جنگی کے جانے میں کسی طرح بھی حارج ہوتی۔ جنگی کی روانگی کے بعد غریب ہنسی کے درد نے پھر دَورہ کیا۔ اور کچھ اس شدومد کے ساتھ کہ الامان الامان۔ اپنے بس بھر علاج معالجہ میں کوتاہی کون کرتا ہے۔ سبھی کچھ ہوا۔ مگر افسوس

کر کچھ بھی نہ ہوا۔ ابھی جنگی کو گئے ہوئے تیسرا یا چوتھا ہی روز تھا کہ حالت دگرگوں دیکھ کر رسمِ ہنود کے موافق بنسی کے خویش و اقارب نے بیچارے کو پلنگ سے اُٹھا کر نیچے زمین پر لٹا دیا اور علاج سے دست بردار ہو کر آخری وقت کا انتظار کرنے لگے۔ بنسی نے ہر چند سمجھایا کہ تم لوگ کیوں گھبراتے ہو۔ میرا [illegible]گی سے یہ عہد ہے کہ مروں گا تو تیرے سامنے مرونگا۔ وُہ بمبئی گیا ہے۔ آج سے پانچویں روز واپس آنے کو کہہ گیا ہے۔ اُسے آجانے دو۔ تم اطمینان رکھو۔ اپنی باتوں سے تو بنسی سب کو تسلّی دیتا تھا۔ مگر اُس کی صُورت اور حالت بھی کسی کو تسلّی دیتی۔ کسی نے نہ مانا اور اُس کو زمین پر ہی پڑا رہنے دیا۔ درد کی شدّت۔ بدن میں حد درجہ کی نقاہت۔ کھانا پینا چھُوٹ گیا۔ موت کے سب آثار موجود۔ کوئی باولا تھا کہ اُسے چارپائی پہ مرجانے دیتا۔ جو ہندوؤں میں بہت بُرا سمجھا جاتا ہے۔ اسی حالت میں ایڑیاں رگڑتے ہُوئے بیچارے بنسی کو چار دن گذر گئے۔ لوگ اس کا یہ حال دیکھ دیکھ کر انگشت بدنداں ہیں کہ کیا کریں کیا نہ کریں۔ رات کی گاڑی میں جنگی بمبئی سے اپنے مکان پر پہنچ گیا۔ مگر سفر کی تکان۔ اور بنسی کی حالت سے بے خبری اس نے کہا کہ اب صبح ہی چل کر بنسی سے ملیں گے۔ اور پھر اپنی ملازمت پر واپس جائینگے۔ اِدھر بنسی نے اپنے عزیز و اقارب سے کہا کہ جنگی آگیا یا بس ریل میں آتا ہی ہوگا۔ صرف کل کا دِن آدھ ہے۔ آگیا تو مل لینگے۔ ورنہ میں تو اپنی سی کر چکا۔ اب وُہ جانے اور اس کا کام

دوہا ؎ پریت کی آگ لگائے کے بن بیٹھو انجان
ہم اپنی کر جائینگے جب لگ گھٹ میں پران

رات پھر اُسی حالت میں گذری۔ صبح ہوئی جنگی بھی اپنے ہاں سے ہنسی کے ملنے کو روانہ ہُوا۔ کہ بمبئی سے آئے ہیں۔ ہنسی کے لئے بہت سے تحفے خرید کر لائے ہیں۔ وہاں ایک مشہور حکیم صاحب سے ملاقات ہو گئی تھی ہنسی کے مرض کا حال کہکر نسخہ بھی لائے ہیں۔ اس دوا کا استعمال ضرور مفید ثابت ہوگا وغیرہ۔ یہ تو اپنے خیالات میں جا رہا ہے اور وہاں بقول شخصے ع

لبوں پہ جان آپہنچی مسیحا کی دوہائی ہے

رستہ میں جنگی کو معلوم ہُوا کہ ہنسی کی طبیعت میرے پیچھے پھر خراب ہوگئی اور اب کوئی صورت اس کے بچنے کی نظر نہیں آتی۔ بیچارہ کوئی دم کا مہمان ہے یہ بھی لپکا ہوا گیا۔ اور اندر جا کر کیا دیکھا۔ ہنسی انتہائے تکلیف میں زمین پر پڑا ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ اور لوگ اُس پاس بیٹھے بیفائدہ دوا دارو میں مشغول ہیں۔ ہنسی میں بیماری نے اتنی سکت تو کہاں چھوڑی تھی مگر دوائے بکارِ خود ہشیار۔ اُس نے دیکھتے ہی پہچان ضرور لیا کہ جنگی آگیا۔ ایک قسم کی خوشی کا اظہار اُس کے مُردنی چھائے ہُوئے چہرہ پہ ہُوا۔ اور بولا تو اس سے کیا جاتا۔ ایک آخری کوشش کر کے اس نے اپنے کمزور ہاتھ پڑے پڑے ہی جنگی سے ملنے کی غرض سے اُٹھا کر پھیلا دیئے۔ بھلا جنگی کو کہاں تاب تھی۔ وُہ بھی آتے ہی اُس سے ملنے کے لئے بڑھکر جھکا۔ دونوں کا آپس میں گلے ملنا تھا کہ ہنسی کا سچ مچ وصال ہو گیا! ....

....

بیدم ہنسی اب کیا بولتا۔ مگر ہاں اُس کی طرف سے زبانِ حال وہیں پکار اُٹھی ؎

اجل سو بار آئی ذوق پر جب تک نہ وُہ آئے

نہ پایا دم نکلنے میراتاب اس کو کہتے ہیں

کیوں نہ ہو۔ سچ ہے ع

ہم ہی تم لوگوں میں مجنوں بھی ہیں فرہاد بھی ہیں

اور ایک عاشق کے نقطۂ خیال سے کتنا خوش نصیب ہے وہ شخص جو اس طرح دمِ آخر تک بھی محبت ہی کا دم بھرتا ہُوا معشوقِ حقیقی کی درگاہ میں جا پہنچے!

بچہ ناز رفتہ باشد زجہاں نیاز مندے

کہ بوقت جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی

---

(۴)

اب جنگی اپنی زندگی میں ایک خلاء محسوس کرتا ہُوا عالمِ تصور میں ہی اپنے دوست سے ملتا اور اس کی رُوح کو خوش کرتا ہے۔ مگر آہ جس دل میں محبت نے چرکا اور سیہ کاری چپکا دیا ہو۔ وہ زیادہ عرصہ تک فراق میں زندہ رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ابھی ہنسی کو مرے ہُوئے ایک سال بھی پُورا نہ ہونے پایا تھا کہ جنگی بھی وہی پریم کی ہنسی سجاتا ہُوا اپنے پیارے کے پاس جا پہنچا۔ حکیم اور ڈاکٹر تشخیص کرتے ہی رہ گئے کہ فلاں مرض اور فلاں عارضہ ہے۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ ہنسی کی محبت کی کشش اسکو اس دنیا سے کھینچ کر اپنے پاس بلا رہی تھی۔ جنگی کیونکر اس باطنی کشش کا مقابلہ کر سکتا تھا!

کہنے کو تو ہنسی اور جنگی دونوں مر گئے۔ مگر کیا وہ حقیقت میں بھی گئے۔ نہیں ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

الٰہی! اپنی محبت کا کوئی ایسا ہی کرشمہ ہمیں بھی دکھلا۔

(جہانگیر)

سایۂ سوزان

ڈیر ہنڈجا ۔ میں نے جو کچھ لکھا تھا آپ کو رنج پہنچانے کی غرض سے نہ تھا بلکہ میرا مقصود صرف پبلک کی دلچسپی تھا ۔ اب میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کرونگا کہ آپ کا ایک خط جو بمبئی سے مجھے ملا ہے درج کر دوں ۔ اور بطور تتمہ ایک اور خط جو اسی گھر سے اسی ڈاک میں میرے نام آیا:

تدبیر سے قسمت کی بُرائی نہیں جاتی
بگڑی ہُوئی تقدیر بنائی نہیں جاتی

بمبئی ۸۔ اپریل ۱۹۰۵ء

ڈیر رام چندجی ۔ نمستے

آپ متعجب ہونگے کہ اس سال مجھ پر کیا اُفتاد پڑی ۔ میں تو اپنی طرف سے بہت تدبیریں کرتا ہوں ۔ مگر تقدیر کے سامنے ایک نہیں چلتی ۔ اور اگر میں مصیبت کے پاس نہیں جاتا تو مصیبت میرے پاس بذریعہ تار برقی آجاتی ہے ۔ چار اپریل کو آپ کو رخصت کر کے وکٹوریہ ٹرمینس سے قدم باہر رکھا تھا کہ "پنجاب کا خوفناک زلزلہ" "لاکھوں گھر گر گئے" "ہزاروں جانیں تلف ہو گئیں" ۔ "شمالی ہندوستان تہ و بالا ہو گیا" کی سی وحشت خیز صدائیں کان میں آنے لگیں ۔ لڑکوں کے ہاتھ میں بڑے بڑے تختہ ہائے کاغذ لٹک رہے تھے جن پر جلی حروف میں یہی فقرات درج تھے ۔ آپ میرے دل کی حالت کا اندازہ کر سکتے ہیں ۔ جس کے لئے دُنیا آباد ہی پنجاب کے دم

سے تھی۔ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ایک اخبار خریدا۔ گو جیسا کہ تار کے مضامین کا قاعدہ ہے۔ سُرخیوں کے علاوہ اس میں اور بہت کم تحریر تھا۔ چار اپریل کی صبح کو پنجاب میں ایک ہیبتناک زلزلہ محسوس ہوا۔ لاکھوں گھر گر گئے۔ ہزاروں جانیں تباہ ہوگئیں۔ لاہور میں بھی بہت سی عمارات گر گئیں۔ شاہی قلعہ اور مسجد مسمار ہوگئے کشتگان کی تعداد معلوم نہیں اور کانگڑہ ویلی تو بس زمین میں سما گئی ہے گورنر بمعہ دیگر اراکین سلطنت پٹھان کاٹ کو روانہ ہوگیا۔ بس (پٹھان کاٹ شاید پٹھانکوٹ کا ستیاناس کیا ہے) یہ تفصیل کچھ تسلی بخش نہ تھی۔ بدقسمتی سے ہمارے قصبہ میں کوئی تار گھر بھی نہیں۔ میں نے لاہور میں ایک دوست کو تار دیا کہ وہ سوار بھیجکر گھر کی خیریت کا پتہ منگوائیں اور مجھے بذریعہ تار اطلاع دیں۔ پچیس میل قاصد کو جانا پچیس میل آنا۔ دوسرے روز جواب تو نہ آیا۔ مگر اخبار میں اور حالات معلوم ہوئے۔ کہ کانگڑہ ویلی کی بابت کچھ زیادہ مبالغہ نہیں تھا۔ تیسرے روز چھ تاریخ کو بھی جواب نہ آیا۔ اور اس روز کے اخبارات پڑھکر رُوح کانپ رہی تھی۔ کس طرح مکانوں کے نیچے دبے ہوئے لوگ مدد کی التجا اور ساری جائداد دینے اور عمر بھر کی غلامی کے وعدے کرتے کرتے جان بحق تسلیم ہوئے۔ کس طرح بے زبان مویشیوں نے بندھے بندھے تڑپ تڑپ کر جانیں دیں۔ غرض میرا جی جلانے میں مقدر نے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ رات کو میں خوف سے سوتا نہیں تھا۔ ادھر آنکھ لگی اور ادھر مسمار شہروں کے کھنڈرات پیش نظر آ ٹھہرے۔ اور زیر زمیں سے دردناک۔ باریک۔ باریک آوازیں کان میں آئیں۔ سات تاریخ کو جب آخر تار کا جواب آیا تو مجھے جرأت نہیں پڑتی تھی کہ اُسے کھولوں۔ رات اپریل کے سے منحوس کمبخت۔ دن کو اسکے سوا اور کیا خبر مل سکتی تھی کہ گھر خاک میں مل گیا اور مویشی اور سب اہل خانہ

دب کر مر گئے۔ یہ کیا کمبختی ہے کہ تار کے لفافوں کا رنگ خونی بنایا ہوا ہے گلابی۔ سبز۔ بسنتی اور بھی تو بہت سے رنگ دنیا میں ہیں۔ بہت پس و پیش کے بعد میں نے تار کھولا اور خلافِ اندیشہ اس میں یہ مبارک خبر تھی کہ سب خیر و عافیت ہے۔ میں نے ایک تسلی بھرا سانس لیا کہ تین روز کے بعد آج آرام سے سونا نصیب ہوگا۔ مگر یہ میرا وہم تھا۔ میں سمجھا تھا کہ مصیبت ختم ہو گئی۔ اتفاق سے اس روز ایم۔ پی۔ ویشالی نے ایک بھوت کا ذکر کیا۔ کہ ایک شخص زیرِ بیماری میں سکتہ کی حالت وارد ہوئی اور اس کے رشتہ داروں نے مردہ سمجھ کر مرگھٹ میں جلا دیا۔ جب اس کے بدن سے شعلے نکل رہے تھے تو اس کو ہوش آئی اور وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ مگر آگ اس وقت تک اپنا کام کر چکی تھی اور وہ پھر گر پڑا تب سے اکثر راتوں کو وہ گرد و نواح میں پھرتا نظر آتا ہے۔ اس کے بدن سے شعلے نکلتے دکھائی دیتے ہیں۔ مجھے ان باتوں پر مطلق یقین نہ تھا۔ مگر رات کو ایک عجیب واقعہ ہوا۔ جسکو سمجھنے سے میری عقل قاصر ہے۔ مسٹر ویشالی اور ڈی۔ کے۔ بجشی تو بمبئی میں رہنے کے عادی ہو چکے تھے۔ مگر مجھ سے رات کی گرمی برداشت نہیں ہوتی تھی۔ میں دالان میں سوتا تھا اور وہ دونوں ساتھ کے کمرے میں۔ ابھی میری آنکھ ذرہ جھپکی تھی کہ زنجیر کھٹکنے کی آواز آئی۔ میں نے پوچھا کون ہے؟ مگر کچھ جواب نہ آیا۔ پھر میں لیٹ گیا اور پھر زنجیر کھڑکھڑائی پھر میں نے پوچھا کون ہے اور پھر جواب ندارد۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تاریکی تو تھی ہی مگر ایسی نہیں کہ در و دیوار ہی نظر نہ آئیں۔ اگر کوئی دروازے کے سامنے کھڑا ہوتا تو میں اسے دیکھ سکتا تھا۔ مگر وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ میرے کھڑے کھڑے زنجیر کھڑکھڑائی اور کھٹکھٹانے والا نظر نہ آیا۔ سمجھا کہ یونہی مجھے کچھ وہم سا ہو گیا ہے۔ میں دروازہ بند کر کے واپس بستر میں آلیٹا پھر

تو گویا زنجیر میں جان پڑ گئی۔ ایسی کھڑکھڑائی ایسی کھڑکھڑائی کہ بند ہونے میں نہ آتی مسٹر ویشائی کی بھی آنکھ کھل گئی اور اُس نے کہا۔ مسٹر چڈھا۔ مسٹر چڈھا۔ سو گئے؟ یہ کون دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔ مَیں کیا جواب دُوں؟ ابھی دن کو مَیں نے ایسے اوہام کا بڑے زور سے انکار کیا تھا۔ پھر اُٹھ کر دروازہ کھولا۔ مگر وہاں کوئی بشر ہو تو نظر آئے۔ مَیں نے کہا یہاں تو کوئی نظر نہیں آتا۔ مسٹر ویشائی نے کچھ جواب نہ دیا۔ مَیں یہ سمجھا کہ وُہ سو گیا ہے اور مَیں بھی آ کر بستر میں لیٹ گیا۔ مگر وُہ زنجیر کمبخت پھر ناچنے لگی۔ اور مسٹر ویشائی آگ بگولا ہو کر کمرے سے نکلا دروازہ کھولا مگر وہاں کیا رکھا تھا اور وُہ ہَوا کو گالیاں دینے لگا۔ "یہ کون مسخرہ ہے؟ یہ عجب دل لگی ہے رات کو سونے بھی نہیں دیتے۔ بس ایسا دوستانا ہم نہیں مانگتے۔ ایشور کی قسم اگر اب کے کوئی حرکت کی تو ٹھیک نہ ہوگا"۔ اور پھر وُہ بھی دروازہ بند کر کے واپس کمرے میں جا سویا۔ اس کی واپسی کے بعد ایک دفعہ پھر زنجیر کھڑکھڑائی اور اس نے بستر میں پڑے پڑے بآوازِ بلند فحش گالیاں دینی شروع کیں۔ پھر کچھ عرصے کے لئے زنجیر تھم گئی اور وہ سو گیا۔ مگر مجھے نیند کہاں تھوڑے عرصہ کے بعد پھٹ سے دروازہ کھل گیا اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک برہنہ انسان ہاتھ میں سونٹا لئے اندر داخل ہُوا۔ اس کے بدن اور اس کی لاٹھی سے زرد زرد شعلے نکل رہے تھے۔ مَیں ڈر کر بستر میں چھپ گیا۔ کچھ عرصے کے بعد بلنکٹ سے سر نکال کر دیکھا تو وُہ کمبخت میرے سرہانے کھڑا ہے۔ پھر بستر میں مُنہ چھپا لیا۔ کمبل میں گرمی کے مارے پسینہ سے تمام بستر تر بتر ہو گیا۔ اور مَیں سہما ہُوا عذابِ جاں کنی میں پڑا رہا۔ خدا جانے کتنی دیر کے بعد پھر مَیں نے منہ نکال کر دیکھا تو وُہ وہاں نہیں تھا۔ مَیں نے مسٹر ویشائی کو آواز دی۔ بڑی مشکلوں سے وہ جاگے اور مَیں نے کہا کہ مجھے بھی کمرے میں اپنا بستر لے آنے دو۔ مگر وہاں

جگہ تھی اور نیند کا بھی اُن پر کچھ ایسا غلبہ تھا کہ ایک دفعہ ہوں تو کیا اور پھر جواب ندارد۔ ایشور ہی جانتا ہے کہ وہ رات میں نے کس طرح کاٹی۔ صبح مسٹر ویشائی سے ذکر کیا اور اُن کے خیال میں میں نے خواب دیکھا ہے۔ دن کو جو اس کا ذکر رہا۔ رات کو پہرہ اُٹھی کا تصور بند ہو گیا۔ زنجیر کھٹکھٹانے والا وہ کہتے ہیں کوئی شریر لڑکا تھا۔ مگر میں دایاں ہاتھ دل پر رکھ کر۔ اور ایشور کو حاضر و ناظر سمجھ کر کہہ سکتا ہوں کہ یہ خواب نہیں میں نے یہ سب کچھ عالم بیداری میں دیکھا ہے۔ صرف ایک بات سے میں حیران ہوں کہ میں نے رات کو دروازہ کھلتا دیکھا اور صبح دیکھا تو زنجیر اندر سے لگی ہوئی تھی +

آپ کا داس جگو انداس

تتمہ

بمبئی ۸۔ اپریل ۱۹۱۸ء ڈیر رام چند جی نمستے

میں اُمید کرتا ہوں۔ آپ مجھے میری یہ گستاخی معاف فرمائینگے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں مسٹر ویشائی کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی سے زیادہ نہیں اور وہ مجھے جس طرح چاہتے ہیں نچاتے ہیں۔ اور اس معاملہ میں تو ویشائی اب تک یہی کہتا ہے کہ وہ غلطی پر نہ تھا۔ تاہم میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ یہ تمام کارروائی بلا رد و بدل آپ کے پیش کر دوں۔ اور پھر آپ جو رائے چاہیں قائم کریں۔ آپ کے دولت مسٹر مڈ صاحب سے آپ گئے کچھ ایسے خاموش اور متفکر ہو گئے کہ گیا ہمیں ہم دونوں نے اُن کا جی بہلانے کی بہت کوشش کی۔ مگر بے سود۔ گھر سے باہر وہ قدم نہیں رکھنا چاہتے تھے۔ اور گھر میں جو شغل مہیا ہو سکتے ہیں اُن پر اُنکی طبیعت نہیں لگتی تھی۔ چار دفعہ وکٹوریہ دروازے پر منگوا کر واپس کی موٹر کا انتظام کر کے منسوخ کیا کشتیاں منگوا منگوا کر واپس کرنی پڑیں۔ تھیٹر کے ٹکٹ خرید کر رقم

ضائع کی۔ مسٹر چڈھا کو کچھ بھی پسند نہ آیا۔ خدا خدا کرکے کل بعد دوپہر آپ کے لبوں سے مُہرِ خاموشی ٹوٹی اور انسانوں کی سی باتیں کرنے لگے۔ مسئلہ زیر بحث بھوت پریت کا تھا۔ مسٹر چڈھا کو اُن کی ہستی سے انکار تھا اور مسٹر وشیانی اُنہیں قائل کرنا چاہتے تھے۔ یہاں سے بات بڑھتے بڑھتے رُوح کی ہستی تک پہنچ گئی اور بحث کا پہلو ایسا آ کر پڑا۔ کہ اگر مسٹر چڈھا رُوح کی ہستی تسلیم کر لیتے تو تناسخ وغیرہ بھی تسلیم کرنا پڑتا تھا۔ پس آپ نے رُوح کی ہستی سے ہی انکار کر دیا۔ مَیں تو اس بحث کا مطلب کچھ زیادہ نہ سمجھا۔ مسٹر چڈھا نے کچھ گندم کے دانوں میں روح کی بابت کہا اور کچھ اصُولِ طب کے متعلق کہ ہر قطرۂ خون میں کئی کیڑے ہوتے ہیں۔ فیگو کائیٹ وغیرہ اور ہر فیگو کائٹ۔ ایک پورا آرگے نزم ہوتا ہے۔ اور اگر ہر جاندار میں رُوح ہوتی تو جسمِ انسان روحوں کا ذخیرہ سمجھا جانا چاہیئے۔ اور ایک جسمِ انسان کیا ہر جسم۔ کیونکہ خون میں کیڑے اور کیڑوں میں خون۔ یہ سلسلہ جلدی ختم نہیں ہونا چاہیئے۔ اور پھر اُنہوں نے ہستی کے مختلف طبقات کا ذکر کیا۔ کہ ایک قسم کے حیوان نصف حیوان اور نصف انسان ہوتے ہیں۔ ایک قسم کے پودے نصف پودے اور نصف حیوان۔ ایک قسم کا مادہ نصف پودہ اور نصف مادہ ہوتا ہے۔ اور کچھ اور ایسی باتیں کیں جو میں سمجھ نہیں سکا۔ بھوت پریت کے بارے میں انہوں نے چند ایک مثالیں دیں جن سے یہ ثابت کرنا منظور تھا کہ اُن کی بابت سب کہانیاں جھوٹی ہوتی ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر کیا کہ اُن کا ایک مزارع رات کو لاہور سے اپنے گاؤں کو آ رہا تھا۔ سردی کا موسم تھا۔ رستہ میں اُسے مرگھٹ کی آگ نظر آئی۔ وہاں جا کر دیکھا کہ مُردہ جل رہا ہے۔ وُہ آگ تاپنے کے لئے بیٹھ گیا اور بھنتے ہوئے چنے جو اُس کے پاس تھے کھانے لگا۔ ابھی تھوڑی دیر بیٹھا تھا کہ دائیں طرف

اس کے بازو اور پسلی کے درمیان ایک ہاتھ نمودار ہوا۔ اس نے کچھ دانے اُس ہاتھ پر رکھ دیے۔ پلٹ کر بھی نہ دیکھا اور بے فکر بیٹھا چنے چباتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد بائیں طرف ہاتھ پیدا ہوا۔ اُس نے پھر کچھ دانے رکھ دیے اور بدستور بیٹھا رہا۔ پھر اچانک ایک برہنہ عورت سر کے بال مُنہ پر بکھیرے چنگھاڑ مار کر اُس پر آ پڑی۔ پہلے تو وُہ ڈرا مگر پھر حوصلہ کر کے ایک دو تھپڑ جو رسید کیے تو عورت کا بھوت نکل گیا۔ معلوم ہوا کہ اس عورت کے اولاد نہیں ہوتی تھی اور کسی نے اُسے یہ جادو بتلایا تھا کہ جلتی لاش پر پانی گرم کر کے نہائے۔ وُہ جاٹ اس کے کام میں ہارج ہو رہا تھا اور اُس نے اُسے ڈرا کر بھگانا چاہا لیکن اگر وہاں مسٹر ویشنائی ہوتے تو بھوت پریت کی داستانوں میں ایک اور ایزاد کی جاتی۔ یہ مسٹر ویشنائی پر حملہ تھا۔ ایک اور پادری کا ذکر کیا کہ رات کو اپنے دفتر میں بیٹھا لکھ رہا تھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ دیوار میں دو سرخ چمکتی ہوئی آنکھیں اُس کی طرف گھور رہی ہیں۔ نیچے دیکھے تو آنکھیں نیچے اتر آتی ہیں اُوپر دیکھے تو اُوپر چڑھ جاتی ہیں۔ جدھر دیکھتا ہے آنکھیں سامنے آجاتی ہیں مگر آنکھوں کے سوا چہرے کا کوئی حصّہ نظر نہیں آتا۔ وہ بہت گھبرایا بہتیرا خیال دُوسری طرف لگانا چاہا مگر اُن آنکھوں میں کچھ ایسی مقناطیسی کشش تھی کہ نگاہ اُن سے ہٹتی نہ تھی۔ عینک اُتار کر اُس نے اپنی آنکھوں کو خوب ملا اور پھر دیکھا کہ وُہ آنکھیں غائب تھیں۔ پھر عینک لگا کر جو دیکھا تو آنکھیں موجود ہیں۔ معلوم ہوا کہ عینک کی وجہ سے آنکھوں کا عکس دیوار پر نظر آتا تھا۔ مسٹر ویشنائی ہوتے تو وُہ کمرہ آنکھوں والا مشہور ہو جاتا۔ یہ مسٹر ویشنائی پر دُوسرا حملہ تھا۔ مسٹر ویشنائی نے بھی ایک چشمدید واقعہ اپنے دعوےٰ کے ثبوت میں پیش کیا کہ ایک شخص کو حالت سکتہ میں مُردہ سمجھ کر جلایا گیا۔ اور جلتے جلتے وُہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد لزا-

اکثر لوگوں نے اُسے راتوں کو پھرتے دیکھا ہے۔ اس کے بدن سے شعلے پیدا ہوتے نظر آتے ہیں۔ یہ واقعہ مسٹر ویسٹ اٹی نے اس جگہ کا بیان کیا۔ مگر میں نے بھی یہاں عمر گذاردی ہے۔ نہ کبھی ایسا دیکھا نہ سُنا۔ تخلیہ میں۔ میں نے ویسٹ اٹی سے دریافت کیا کہ یہ واقعی سچ ہے؟ تو اُس نے جواب دیا کہ میں نے بعض آدمی ایسے دیکھے ہیں جو گنہگار نہ روزگار بننا چاہتے ہیں۔ اور جب اور کسی کام میں نہیں ہو سکتے تو کم انکم عقیدہ ہی میں بن جاتے ہیں۔ مسٹر حدیڑھا کا نہ صرف رُوح کی ہستی پر یقین ہے۔ بلکہ سانپ پر بھی اور میں یہ امر آج رات کو تم پر ثابت کر دونگا۔ مگر تمہیں ایک کام کرنا ہوگا۔ میں کسی تیسرے شخص کو اس راز سے آگاہ کرنا نہیں چاہتا۔ میں مسٹر حدیڑھا کو مشغول رکھونگا۔ تم ایک باریک مگر مضبوط سیاہ رنگ کا دھاگا باہر دروازہ کی زنجیر سے باندھ کر چھت کے اُوپر اُوپر روشن دان میں سے میری چارپائی تک پہنچا دو۔ اور پھر ڈاکٹر نردیدی کے پاس جا کر فاسفورس یا جگنو کے چمڑے کی سفوف لے آؤ۔ میں نے یہ دونوں کام کر دیئے۔ اور پھر رات کو بھوت بھی مسٹر ویسٹ اٹی نے مجھی کو بنایا۔ جگنو کا چمکیلا سفوف میرے بدن پر مل دیا۔ پہلے تو آپ ہی زنجیر کھٹکھٹاتا رہا۔ اور پھر خفا ہو کر دروازے کی طرف دوڑا کر کون زنجیر کھٹکھٹاتا ہے۔ میں بھی ساتھ ساتھ کمبل اوڑھے ہوئے قدم کے ساتھ قدم مارتا گیا۔ وہاں پہنچکر مسٹر ویسٹ اٹی نے میرا کمبل اُتار لیا اور میں دروازہ کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ مسٹر ویسٹ اٹی نے دروازہ بند کر دیا مگر زنجیر نہ لگائی اور حسب ہدایات وہی منٹ کے بعد میں دروازہ کھول کر گھس آیا۔ مسٹر حدیڑھا نے مجھے دیکھ کر منہ ڈھانپ لیا۔ میں کچھ دیر تک اُن کے سرہانے کھڑا رہا اور ایک دفعہ پھر اُنھوں نے سر نکال کر دیکھا اور پھر منہ ڈھانپ کر سکڑ گئے۔ تب میں نے باہر کا دروازہ آہستہ سے بند کر کے زنجیر لگا دی اور کمرے کا دروازہ کھول کر

اندر چلا گیا۔ جسم صاف کیا اور بستر میں جا لیٹا۔ شاید کوئی نصف گھنٹہ کے بعد مسٹر چڈھا نے ہمیں جگانا شروع کیا اور درخواست کی کہ انہیں بھی کمرے میں سُلائیں ہم خوابیدہ دلائل کے ساتھ خواب آلودہ انکار کرتے رہے اور آخر وہ تھک کر چپکے ہو گئے۔ صبح باوجود مسٹر ویشائی کے دعوے کے۔ کہ انہوں نے خواب دیکھا تھا۔ اور زنجیر کوئی شریر لڑکا کھٹکھٹا رہا تھا۔ مسٹر چڈھا دیوانِ ذوق اور انوارِ سُہیلی کی قسمیں کھاتے تھے کہ یہ خواب نہیں۔ یہ فیصلہ میں آپ پر چھوڑتا ہُوں کہ اُن کی ہٹ دھرمی کے لئے یہ مناسب سزا تھی یا نہیں +

عبّاس (افریقہ)

سُنہری کمخواب } یہ دراصل ایک دلچسپ اور مفید مشرقی قصہ ہے۔ جس کا ترجمہ یورپ کی مختلف زبانوں میں ہو چکا ہے۔ اور جسکو اب جناب مس لُولُو رقیہ بیگم صاحبہ بلگرامی (بنتِ شمس العلما ڈاکٹر سید علی بلگرامی مرحوم) نے انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کر کے انڈین پریس الہ آباد میں چھپوایا ہے۔ اس کتاب کی خوبی کو اور بھی چار چاند لگ جاتے ہیں جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ لائق مترجمہ ابھی تیرہ چودہ سال کی ہیں۔ جا بجا تصویریں دیکر کتاب کو اور بھی دلچسپ بنایا گیا ہے۔ شریف گھرانوں میں بچوں کے پڑھانے اور انکو کسی نہ کسی ہنر یا پیشہ کے سیکھنے کی ترغیب دینے کے لئے بہت مفید ہے۔ قیمت ۸/
غالباً انڈین پریس الہ آباد سے مل سکیگی +

آخری سحر

آ۔ اے میری پیاری زندگی کی آخری سحر آ۔ میں تجھے سینہ سے لگا لوں آ۔ میں تجھے جی بھر کے پیار کر لوں۔ آہ آج میں تجھ سے رخصت ہوتا ہوں۔ آج میں تجھے الوداع کہتا ہوں۔ کل میں تیری سہانی دلچسپیاں نہ دیکھ سکوں گا پیاری سحر تو تو ہمیشہ باغ عالم میں آیا کریگی۔ گر میں ایسی جگہ ہونگا جہاں تیری ٹھنڈی ہوا کے خوشگوار جھونکے اور نسیم روح بخش کی اٹھکیلیاں میری گرد تک بھی نہ پہنچ سکینگی۔ اس لئے آ اے میری بے وفا عمر کی آخری سحر۔ میری زندگی کے لبریز جام کی چھلکانے والی آخری سحر آ گلے لگ جا۔ میں تجھ سے بچھڑتا ہوں میں تجھ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوتا ہوں۔ ہائے کل میرا دل کہاں ہوگا۔ جو تیرے آنے کی لپٹنے سچے اور پاک خدا سے دعا کریگا۔ ہائے کل میری آنکھیں کہاں ہونگی۔ جو تیرے آنے کے انتظار میں پتھرا جائینگی۔ کل اس باغ کے شگفتہ اور مہکتے ہوئے پھول میرے ماتم میں اپنا گریبان چاک کرینگے۔ کل طائران خوش الحان اپنی دلکش نغمہ سنجیوں کے بدلے میرے غم میں نوحہ خوانی کرینگے کل سنبل اپنے بال کھولیگی۔ نرگس شہلا کی آنکھیں میری بیکسی کی موت پر آنسو بہاتے بہاتے بیمار ہونگی۔ کل باغبان و صیاد مجھ اسیر رنج و محن کی رہائی کی خوشی میں کسی کو قید مصیبت میں نہ ڈالینگے۔ کل صبا خاک اڑائے گی۔ کل لالے کے دل میں داغ پڑیگا۔

مگر ہائے میرا دل کیوں دھڑکتا ہے۔ میرے کلیجہ کو کون مسوستا ہے لف

اُف محبت کی بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلے میرے قلب و جگر دل و دماغ بلکہ جسم و جان کو پھونکے دیتے ہیں۔ لو ہوش و حواس گئے۔ عقل بیکار ہو گئی۔ اب تو میرے کانوں کو کچھ سنائی نہیں دیتا۔ آنکھوں کو کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ ہائے زبان بھی لڑکھڑائی جاتی ہے۔ کیا ابھی سے میرا ساتھ سب نے چھوڑ دیا۔ ایک ایک کرکے سب رخصت ہوئے جاتے ہیں۔ ٹھہرو ٹھہرو میرے ساتھیو! میرے رفیقو! دم بھر ٹھہرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ اخیر وقت میں میرا ساتھ نہ چھوڑو۔ نزع کی حالت میں دل نہ توڑو۔ اتنا صبر کرو کہ میں اس سنگدل بیرحم ستم شعار۔ عالمِ حسن کی قابلِ پرستش دیوی۔ عشق کی جیتی جاگتی تصویر محبت کی نازآفرین محبوبہ یعنی اپنے دل و جان کی مالک سے دو باتیں کرلوں۔ شائد اب بھی اُسے میرے حالِ زار پر رحم آجائے

مگر نہیں نہیں یہ میری خام خیالی ہے وہ غفلت شعار فراموش کار میری وصیت کیوں سُنیگی۔ مجھ پر رحم کیوں کریگی۔ نکالو۔ نکالو۔ اے موت کے فرشتو جلد تن سے میری جان نکالو۔ رخصت اے فانی دُنیا کی دلفریبیو رخصت خدا حافظ اے زمین و آسمان چاند سُورج اے پیشانی گردوں پر چھٹکی ہوئی افشاں اے خاک کے ذرّو۔ اے نیرنگیِ زمانہ اے گردشِ تقدیر۔ اے دُنیا کے سربلند پہاڑو۔ اے بحرِ عالم کے طوفان خیز دریاؤ۔ اے باغِ عالم کے پُرفضا درختو! اے جانورانِ خاکی و آبی۔ اے لیل و نہار! اے نور و ظلمت۔ اے وصل و فرقت۔ خدا حافظ۔ الوداع۔ اے خضرِ طریقِ محبت الوداع۔ گل ہوا اے میری بقیہ زندگی کے ٹمٹمانے والے چراغ گل ہو۔ اے در و دیوار پر چھائی ہوئی مایوسی اے یاس حسرت سے میرا منہ تکنے والی بیکسی تو گواہ رہنا کہ میری آخری سانس اُس بیوفا کا نام لیکر نکلی ہے۔

ہائے کیا بُری گھڑی تھی جس وقت جمالِ رُوئے زیبا دیکھا تھا۔ اے برقِ حُسنِ رُوئے زیبا مجھے بھی میرے دل کی طرح جلا کر خاکستر بنا دے۔ اے میری رگ رگ میں سرایت کرنے والے میٹھے زہر جلدی میرا کام تمام کر۔ پیارے زہر ناکاموں کے سہارے۔ زہر تو عاشقوں کی افسوس ناک حالتوں کا پردہ دار ہے تو اُن کی آبرو بچاتا ہے۔ تو انہیں شبِ فراق کی جان لیوا تکلیفوں سے بچا کر چین سے آغوشِ قبر میں لوریاں دے دیکر موت کی گہری نیند سُلاتا ہے۔ خدا کے لئے اس یارِ بے وفا کی طرح تو بھی میری تمنّاؤں کو خاک میں نہ ملا۔ تجھ سے میری ایک آرزو ہے وُہ تو پوری کر دے۔ ظالم زمانہ میری کوئی تکلیف کم نہ کر سکا۔ مگر تو اک آن میں اُن تمام مصیبتوں کا خاتمہ کر سکتا ہے (مرحبا) خدا تجھے اس کی جزائے خیر دے۔ ہاں اے پیاری سحر اس مُبارک زہر کے ایک ہی گھونٹ نے میری ساری امیدیں پُوری کر دیں۔ آ چلتے چلتے ایک مرتبہ اور تجھ سے گلے مل لوں۔ بس اب جا لیکن اس آخری وصیت کو یاد رکھ کہ اس مایۂ ناز کے نازک دل کو بہلانے میں اپنی کوئی دلچسپی اُٹھا نہ رکھنا۔

چلے دارِ فنا سے ہم اُٹھا کر ظلم قاتل کے
امیدیں آج روتی ہیں گلے مل مل کے آپس میں

سیّد کاظم حسین ہدف لکھنوی

آیڈیل شادی

ذیل کا ترجمہ ایک انگریزی کتاب سے کیا گیا ہے اس خط کی دلچسپ طرزِ ادا میں ایک خاص جدت ہے۔ اور شادی کے متعلق جن خیالات کا اس میں اظہار کیا گیا ہے۔ وہ ایسے ہیں کہ ایک سوچنے والے کی طبیعت پر اپنا اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتے پس اگر اسے پڑھکر ایک اور صرف ایک آدمی بھی اپنی شادی سے پہلے کافی غور و خوض کرے۔ تو میں کہہ سکتا ہوں کہ اس نے اپنے دنیاوی تفکرات میں سے ایک حصہ۔ یا یوں کہو کہ سب سے بڑا حصہ۔ اپنی مصیبتوں اور تکالیف کا رفع کر لیا۔ اور مصنفِ کتاب کا جو مقصد تھا وہ حاصل ہو گیا۔

مجھے اس خط نے نہایت محظوظ کیا۔ اور دل نے نہ مانا کہ احباب اس لطف سے محروم رہیں۔

(حفیظ الدین)

مسٹر ہارڈ (جو انگلستان کے ایک گرجے میں پادری ہیں) کی بیوی الاسک کا انتقال ہو چکا ہے۔ ان کے ایک دوست مسٹر فلس کول جو امریکہ میں انجنیر ہیں۔ اور جو خاص وجوہات کے باعث سرے سے شادی ہی کے مخالف ہیں۔ اُن سے دریافت کرتے ہیں کہ اب بعد اس کے کہ اُس نے ان زنجیروں کو توڑ کر جن میں وہ جکڑا ہوا تھا۔ آزادی حاصل کر لی ہے۔ وہ ابھی بھی دوبارہ شادی کرنے کا خیال رکھتا ہے؟ ذیل کا خط اسی سوال کا جواب ہے:۔

”آپ دریافت کرتے ہیں کہ کیا میں دوبارہ شادی کرنے کا خیال رکھتا ہوں نہیں۔ میرے پیارے کول۔ مجھے کلی یقین ہے کہ میری زندگی کا صیغہ

ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا۔ اس لئے نہیں کہ مجھ میں محبت کرنے کی خواہش یا قابلیت
نہیں رہی۔ ایسا ہرگز خیال نہ کریں۔ بلکہ مشکل بات یہ ہے۔ کہ اس امر نے کہ میں نے
کیا کھویا ہے۔ مجھے اس بہشت۔ اس انتہائے نعمت کے خیال تک پہنچا دیا
ہے۔ جس کا حصول قریب قریب ناممکن ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ اس
بات کو واضح طور پر آپ کے ذہن نشین کروں۔ یہ تو آپ کو بخوبی معلوم ہے کہ
میں نے شادی کچھ تو اپنی والدہ کو خوش کرنے کے لئے۔ اور کچھ اپنے ضمیر کو
مطمئن کرنے کے لئے کی تھی۔ میری بیوی خوبصورت بھی تھی۔ ہر دلعزیز بھی۔
اچھی تربیت یافتہ بھی تھی اور میری شائق بھی۔ ہم میں اپنے زمانہ زن وشوئی میں
کبھی کسی بات پر اختلاف نہیں ہوا۔ اور میں یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں
کہ میری کسی خواہش کو بھی جو میں نے کبھی ظاہر کی۔ اس نے نظر انداز نہیں
کیا۔ مزید براں مجھے بھی اس سے نہایت انس تھا۔ اور اس کی یاد سے
اب بھی ہے۔ اب آپ ضرور یہ سوال کرینگے کہ جب حالات ایسے خوشگوار
ہوں تو کسی شخص کو اس سے زیادہ اور کیا آرزو کرنی چاہیئے؟ اور میں اس کے
سوا اور کچھ نہ بتاؤنگا۔ کہ یہ شادی محض جسمانی شادی تھی۔ ہماری روحیں
ہرگز ہرگز متفق نہ ہوئی تھیں۔ اور کہ ہماری مفارقت نے میری روح کو اپنا
شریک تلاش کرنے میں بدستور نہایت آرزومند اور بھوکا پایا۔ میں غریب
الانس کا مشتاق تھا۔ اور اس کی موت پر مجھے نہایت صدمہ ہوا۔ لیکن
ساتھ ہی یہ بھی ہے۔ کہ اگر ہمارے ملک کا قانون اس بات کی اجازت دیتا
تو میں اور پچاس عورتوں سے بھی ایسی ہی محبت کر سکتا تھا۔ جیسی الانس سے
اور پھر ایک ہی وقت میں۔

"میں مانتا ہوں کہ کسی شخص کو اپنی بیوی کی نسبت ایسے خیالات کا اظہار

نہ کرنا چاہئیے۔ اُس کے ساتھ بیوفائی کرنے سے تو بہتر ہے کہ کوئی اپنی ذات سے دغا کرے۔ یا دُوسری شادی کرنے کی بجائے اچھا ہے کہ اپنی ہی ہستی بدل لے۔ ایک دفعہ شادی کر لینا ہمیشہ کی شادی ہونی چاہئیے۔ اور موت کو خاوند اور بیوی کے درمیان صرف ایک حجاب کا کام دینا چاہئیے۔ نہ کہ طلاق کا۔ کول۔ دُوسری شادی ہرگز ہرگز نہ ہونی چاہئیے۔ اور اگر پہلی شادی میں رُوحوں کا اتصال بھی ہو جائے۔ تو دُوسری شادی ہونی ہی ممکن نہیں۔ میں ایک دفعہ غلطی کھا چکا ہُوں۔ لیکن اب ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ اب میری آنکھیں کھُل گئی ہیں اور میری دوسری بیداری پہلی سے کہیں زیادہ خوفناک ہوگی۔ بیشک میری والدہ ان دلائل پر کان نہ دھرینگی۔ وُہ میرے لئے ہمیشہ ایک عزیز اور نیک ماں ہی ہیں۔ لیکن وُہ اپنے پُرانے ہی خیال پر جمی ہُوئی ہیں۔ کہ پادریوں اور ڈاکٹروں کو اپنے بیماروں کی خاطر سے بغیر شادی نہ رہنا چاہئیے۔ گویا کہ ایک شخص کذب کو اپنے داہنے ہاتھ میں لیکر بھی لوگوں کو صداقت کی تلقین کر سکتا ہے۔

"نہیں کول! مجھے یقین ہے کہ میں موجودہ حالت ہی میں مر جاؤنگا۔ لیکن دنیا میں اب میں آنکھیں کھول کر چلونگا۔ اور اگر خوش قسمتی سے کبھی مجھے میری رُوح کی شریک مل گئی۔ خواہ وُہ پھٹے پُرانے کپڑوں میں ہو۔ یا اطلس و کمخواب میں کوٹھے کرکٹ پر بیٹھی ہو۔ یا تختِ شاہی پر۔ میں فوراً شادی کر کے اُسے اپنا بنا لُونگا۔ مگر آہ! یہ قسمت کہاں! آپ خیال بھی نہ کریں کہ مجھے اس انتہائے خوشی کے حصُول کی کبھی اُمید بھی ہو سکتی ہے۔ یہ خوشی بالکل ویسی ہی ہے جیسا وُہ بہشت جسے لوگ صرف خواب ہی میں دیکھ سکتے ہیں"۔

سید حفیظ الدین

"سمندر کا نظارہ"

آج رات اتفاق سے ہز میجسٹی کے تھیٹر کا مشہور کھیل "سمندر کا نظارہ" دیکھنے چلا گیا۔ جو ایک حد تک بڑا دلچسپ اور پر فریب تھا۔ یہ تماشا شروع سے اخیر تک اس قدر دلکش تھا کہ میں اسے اصلی واقعہ کہنے پر مجبور ہوا اور ہیرو اور ہیروئن کے دل چھین لینے والے ناز و انداز نے میرے دل میں ایک عجیب کیفیت پیدا کی۔

تھیٹر کے کھیل کی عمدگی خاصکر دیکھنے والوں کی دلچسپی پر منحصر ہوتی ہے لہٰذا میں کہہ سکتا ہوں کہ کھیل "سمندر کا نظارہ" بھی اپنی طرز کا ایک نرالا کھیل ہے۔ جسے میں ناظرین کی خاطر ڈرامے کی شکل میں پیش کرتا ہوں

ایس۔ ایم۔ رؤف علی از لندن

(سین پہلا)

اوّل جونہی پردہ اُٹھتا ہے۔ تو ہمیں چند بدوی عرب لوگ سپاہیوں کی وردی میں نظر آتے ہیں۔ جن کے سیاہ لمبے لمبے بال۔ چمکتی ہوئی آنکھیں ان کے کھلے جامے اور بڑے عمامے اُن کی فولادی تلواریں اُن کا قومی جاہ و جلال ظاہر کر رہی تھیں۔ ان کا گندمی رنگ (جو ظاہرا دھوپ سے جھلسا ہوا معلوم ہوتا تھا) بھاری اور توانا جسم۔ بلند قد و قامت اچھے اچھوں کے دل میں ہول پیدا کر دیتا تھا۔ ان کے پُر رعب چہرے اور

ہولناک صورتیں دیکھ کر یہ بالکل ممکن تھا۔ کہ مہوشان یورپ بیہوش ہو جاتیں لیکن وُہ جانتی تھیں کہ جو کچھ ہم دیکھ رہی ہیں۔ تختۂ تھیٹر کی سینریاں ہیں ۔ الغرض یہ خونخوار اور جری لوگ ایک جنگی جہاز کے (ڈیک) یعنی تختہ پر آپس میں بات چیت کرنے میں مشغول ہیں۔ یکایک ان کا سردار (حامد پاشا) نامی اپنے کیبن" یعنی کمرہ سے باہر نکل آیا۔ اس وقت بہت سُہانا منظر ہے ایک طرف حامد پاشا کے سونے کا کمرہ ہے۔ جس میں سمندر کے رُخ ایک کھڑکی ہے اور جس میں سے سمندر کی پُرپیچ لہریں اپنا زور و شور دکھاتی نظر آ رہی ہیں۔ نیلا آسمان جو کوسوں تک محیطِ عالم ہے۔ آخر کار حدِ نگاہ بن جاتا ہے۔ جب حامد پاشا برآمد ہوا۔ سپاہیوں میں کھلبلی مچ گئی۔ اُس نے آتے ہی "عثمان" کو (جو اس کا خاص مددگار (ایڈی کانگ) تھا) بلا کر اپنے زخمی بازو کی مرہم پٹی کرنے کا حکم دیا۔ لیکن چونکہ عثمان کے کھُردرے ہاتھ اور اس کی ناتجربہ کاری اُسے ایک حد تک ناکامیاب رکھتی ہے۔ اس پر حامد پاشا عیسائی لڑکی "بلقیس" کو (جو اسکی حراست میں ہے) اس کام کے سرانجام دینے کے واسطے قید خانہ سے لائے جانے کا حکم دیتا ہے۔

پُرعصمت "بلقیس" اپنی مرضی کے خلاف جبرًا و قہرًا مع اپنے پدر بزرگوار کے قید خانہ سے باہر آتی ہے۔ اور جب اس سے زخمی بازو کو ڈریس کرنے کے لئے کہا جاتا ہے۔ تو وُہ یہ کہتے ہوئے صاف انکار کر دیتی ہے۔ کہ میں ایک مُسلمان کے بازو کو کبھی ہاتھ نہ لگاؤنگی اس پر جب "حامد پاشا" اوّل بزورِ حکومت و بعدہٗ بمنّت التجا کرتا ہے تو "بلقیس" مجبورًا صرف اپنے محافظ کی خوشنودی کے لیے آگے بڑھتی

ہے۔ ادھر جونہی وُہ اس کے قریب پہنچتی ہے۔ حامد پاشا جھٹ اس کی ہتھکڑیاں نکال دیتا ہے اور اس سے نرمی سے کہتا ہے کہ وُہ اس سے نفرت نہ کرے۔ بلکہ بہ مہربانی پیش آئے۔ "بلقیس" بڑی احتیاط اور عمدگی سے آہستہ آہستہ اس کے زخم کی مرہم پٹی کرتی ہے۔ عین اسی وقت حامد پاشا کے دل کی دیرینہ سُلگتی ہوئی آگ بھڑک اُٹھتی ہے اور وُہ اس پر ہزار جان سے عاشق ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وُہ "فرامرز" یعنی "فیروز" "بلقیس" کے چچیرے بھائی کو (جو اس کے قیدیوں میں سے تھا) اپنے سامنے حاضر کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور پھر اُن سب کے روبرو (حامد پاشا) اپنے بچپن کے حالات اپنے کارنامے اور کچھ اپنی سرگذشت کا حصہ بڑی فصاحت اور بلاغت کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ جس کے سُننے سے "بلقیس" کے دل پر کچھ اثر ہوتا ہے۔ اور وُہ چشم پُرنم ہو جاتی ہے۔

"فیروز" ظاہرا ایک بہادر آدمی ہے۔ مگر ساتھ ہی مغرور اور لڑائی مول لیوا بھی ہے اس کے بعد تمام سپاہی معہ اپنے سردار کے (حامد پاشا) چلے جاتے ہیں اور فیروز کو پھر قید خانہ میں بھیجدیا جاتا ہے۔ لیکن "بلقیس" اور اس کا باپ تنہا تختہ جہاز پر رہ جاتے ہیں۔ "جعفر" (بلقیس کا باپ) اپنی لڑکی کو اس کی کمزوری پر لعنت ملامت کرتا ہے۔ اور اسکو سارے پہلو سمجھا بجھا کر مذہب عیسوی اور اس کے احکام پر ثابت قدم رہنے کی تاکید کرتا ہے۔ باپ کے کلمے "بلقیس" کے دل پر نقش ہو جاتے ہیں۔ اور وُہ (حامد پاشا) سے انتقام لینے یا خودکشی کرنے کا ارادہ ظاہر کرتی ہے۔ لیکن "جعفر" اس کو خودکشی کے ارادے سے باز رکھتا ہے۔ اس پر وُہ پُرجوش لہجہ میں کافر سردار (حامد پاشا) کے خون بہانے کا پختہ ارادہ کر لیتی ہے۔

رات اب زیادہ ہو چکی ہے۔ اور "حامد پاشا" نے عثمان کو آخری

بگل (جس سے مراد چراغ بجھا کر سو جانا ہے) بجانے کا حکم دیتا ہے۔ مدہم روشنی والی جھلملاتی ہوئی لالٹین ٹھیک کمرہ کے مرکز میں مستول سے لٹک رہی تھی بجھا دی گئی۔ وہاں چند دمشقی تلواریں بھی ادھر اُدھر پڑی ہوئی تھیں۔ "حامد پاشا" اپنے (کیبن) یعنی سونے کے کمرہ میں جاتا ہے اور "عثمان" کوٹھری کے باہر دروازہ کے پاس تختۂ فرش پر لیٹ جاتا ہے۔ "بلقیس" آدھی رات گئے سنسان اندھیری رات میں کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ سوجھائی دیتا تھا۔ کسی حکمت سے اپنے زندان سے نکل کر ہاتھ میں چمکتا ہوا خنجر لئے نظر آتی ہے۔ اور اول دوزانو ہو کر اپنے پیدا کرنے والے سے اپنے ارادہ کے سرانجام ہونے میں مدد چاہتی ہے اس کے بعد وہ چھپ چھپ کر اور کسی آنے جانے والے سے اپنے آپ کو بچا کر ڈرتی ہوئی سردار (یعنی حامد پاشا) کے پلنگ کے پاس پہنچ جاتی ہے۔ اور اپنی اسی گھبراہٹ اور جلدی میں (حامد پاشا) پر وار کر بیٹھتی ہے۔ لیکن خنجر "حامد پاشا" کے دل کے پار ہو جانے کے بجائے توشک ہی میں اُلجھ جاتا ہے۔ اور یوں "بلقیس" کا وار کاری ثابت نہیں ہوتا۔ "حامد پاشا" اس کھٹکے سے فوراً بیدار ہو جاتا ہے۔ اور "بلقیس" کو (جس کا چہرہ اس خوف کے مارے سفید ہو گیا تھا کہ اب وہ اس کو قتل کر ڈالے گا) کلائی سے پکڑ لیتا ہے۔ اور قریب کی لالٹین کی روشنی میں لیجا کر اُس کا خوف زدہ چہرہ دیکھتا ہے۔ اور بجائے اس کے کہ اُسے فوراً قتل کر کے اپنا بدلہ لے۔ وہ خوف زدہ "بلقیس" کے روبرو دوزانو ہو جاتا ہے اور ہاتھ جوڑ کر منت کرتا ہے۔ کہ وہ اس مذہب عیسوی کے حسن کی دیوی کے ہاتھوں مرنا بخوشی قبول کریگا۔

یہ کہتے ہوئے وُہ اپنا سینہ برہنہ کر دیتا ہے[1] اور "بلقیس" سے التجا کرتا ہے۔ کہ وہ اپنے ہاتھ والا خنجر اس میں بھونکدے۔ "حامد پاشا" کے دل میں "بلقیس" کی محبت نے پُورا گھر کر لیا تھا۔ اور وُہ اپنی سچی محبت کے اظہار میں اپنی بیش قیمت جان اس پر قربان کرنے کو تیار تھا۔ اب "بلقیس" کی باری تھی۔ جونہی اس کے بھولے بھالے اور نازک دل میں محبت کی چنگاری پہنچتی ہے وُہ معاً بیہوش ہو جاتی ہے اور حامد پاشا اپنے مضبوط ہاتھوں سے اُٹھا کر اُسے اُس کے کمرہ میں پہنچا دیتا ہے۔

سین دُوسرا

دُوسرے سین میں ہم پھر تختہ جہاز دیکھتے ہیں۔ جس پر سپاہی ادھر اُدھر پھرتے نظر آتے ہیں۔

"بلقیس" خاموش ایک کونہ میں بیٹھی ہُوئی ہے۔ اور اس کا والد اس سے خفا نظر آتا ہے۔ کیونکہ "بلقیس" نے آئیندہ مُسلمانوں کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھنے کا عہد کر لیا تھا۔ اتنے میں "عثمان" وہاں آجاتا ہے۔ جس کی وساطت سے "بلقیس" اپنے چچیرے بھائی کو ملنے کی اجازت "حامد پاشا" سے طلب کرتی ہے۔ "حامد پاشا" اصرار کرتا ہے۔ کہ وُہ خود آ کر اُس سے اجازت حاصل کرے۔ عین اسی وقت اُس کا سپہ سالار مع کئی سپاہیوں کے وہاں پہنچ جاتا ہے۔ اور عیسائیوں کو قتل کر دئیے جانے کی اجازت چاہتا ہے لیکن "حامد پاشا" اپنے سپہ سالار کے خلاف

---

[1] حضرت داغ نے ایک شعر میں اس حالت کا نقشہ کس خوبی سے کھینچا ہے ؎

ہم نے اُن کے سامنے پہلے تو خنجر رکھدیا ۔ پھر کلیجہ رکھدیا دل رکھدیا سر رکھدیا

منشا عیسائیوں کے قتل کرنے سے صاف انکار کرتا ہے۔ سپہ سالار جب اس کو اس کا پہلا حکم یاد دلاتا ہے اور بضد ہوتا ہے۔ تو "حامد پاشا" غصہ میں اپنے سپہ سالار خیف کو معزول کر دیتا ہے۔ اور اس کی جگہ ایک مغرور اجنبی کو مقرر کرتا ہے۔ موقوف شدہ سپہ سالار اس بات پر سخت ناراض ہوتا ہے۔ اور برانگیختہ ہو کر "حامد پاشا" کے سپاہیوں میں محض اس خیال سے بغاوت پھیلانے کی کوشش کرتا ہے۔ کہ "حامد پاشا" نے اپنے آپ کو کھلم کھلا ایک عیسائی لڑکی کے ہاتھ اسکی محبت کے بدلے فروخت کر دیا ہے۔ جس پر سپاہی جنگ پر آمادہ ہو جاتے ہیں لیکن "حامد پاشا" اور اس کے باقی ماندہ وفادار و جان نثار ملازمین اُن باغیوں کو جلد قابو میں کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد "حامد پاشا" "فیروز" کے حاضر کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور جب وُہ آ جاتا ہے تو "حامد پاشا" "بلقیس" و "فیروز" دونوں کو تختۂ جہاز پر چھوڑ کر خود چلا جاتا ہے۔ ادھر "فیروز" موقع پا کر بیشتر کی طرح "بلقیس" پر اپنا عشق ظاہر کرتا ہے۔ لیکن وہ اسکو ایسا کرنے سے منع کرتی ہے۔ اور التجا کرتی ہے کہ ایک پیارے چچیرے بھائی بہن کی محبت کے بدلے جونہی خشکی پر پہنچیں وہ اس کے سینہ میں خنجر بھونک دے "فیروز" ایسا کرنے سے انکار کرتا ہے۔ اس پر "بلقیس" اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر پھر بہ منت یہی التجا کرتی ہے۔ اور ساتھ ہی زار زار رونے لگتی ہے۔ اُس وقت "حامد پاشا" پھر وہاں آ جاتا ہے اور اُن دونوں کو ایسی حالت میں دیکھکر شبہ کرتا ہے۔ کہ "فیروز" "بلقیس" سے تعشق رکھتا ہے۔ اور اس لئے فوراً اس کے قتل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ "بلقیس" یہ سنکر سہم

جاتی ہے اور "حامد پاشا" سے عرض کرتی ہے کہ وہ اس حکم کو منسوخ کر دے کیونکہ اس کو "فیروز" سے عشق نہیں بلکہ برادرانہ محبت ہے اور اپنے اس جملہ کی تصدیق میں وہ اپنے معبودِ حقیقی کو حاضر و ناظر رکھ کر قسم کھاتی ہے۔ لیکن یکایک "فیروز" کو غصّہ آ جاتا ہے اور وہ طیش میں ایک پاس پڑی ہوئی تلوار اُٹھا کر "حامد پاشا" پر جھپٹ پڑتا ہے حامد پاشا اس کے وار کو مردانہ وار اپنی تلوار پر روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس اثنا میں "بلقیس" دونوں کے درمیان جا پہنچتی ہے اور پردہ گر جاتا ہے۔

"سین تیسرا"

آخری سین سب سے زیادہ پُر جوش تھا۔ وُہی جہاز جسے ہم گذشتہ سینوں میں مُسلمانوں کے قبضہ میں دیکھ چکے ہیں۔ اب ہسپانیہ والوں کے ہاتھ آ جاتا ہے۔ کیونکہ "حامد پاشا" کے ساتھی اس کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ اور وہ بیان کہ نغز بن حبشی جو سپہ سالار بنایا گیا تھا "حامد پاشا" سے باغی ہو کر دشمنوں سے مل جاتا ہے۔ آخر کار "حامد پاشا" کو دھوکہ سے قید کر لیا جاتا ہے۔ اور اب وُہ عیسائیوں کا قیدی نظر آتا ہے۔ بلقیس کا باپ "جعفر" جہاز کا کپتان ہو جاتا ہے۔ جو اب "حامد پاشا" سے بدلہ لینے پر تلا ہوا ہے۔ اور "حامد پاشا" کے فوراً قتل کر دیئے جانے کا حکم دیتا ہے۔ لیکن "بلقیس" اس کو ایسا کرنے سے باز رکھتی ہے۔ "فیروز" ایک دفعہ پھر کوشش کرتا ہے۔ اور "بلقیس" پر اپنا عشق جتاتا ہے۔ مگر بے سود۔ اور اب کی دفعہ "بلقیس" صاف

لفظوں میں اور برملا کہدیتی ہے۔ کہ وُہ "حامد پاشا" کو دل سے چاہتی ہے اس کی محبت کو دنیا کی کوئی چیز نہیں بدل سکتی۔ وہ اس کے لئے جان دینے کو تیار ہے۔ کیونکہ وُہ جانتی ہے۔ کہ وُہ مرکر بھی اس سے جُدا نہ ہوگی بلکہ یقیناً وہ بہشت میں ایک دوسرے سے ملینگے۔ اس پر "فیروز" پھر اسکو سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی اس کو مذہب کا فرق بھی جتلاتا ہے۔ لیکن "بلقیس" اس کو یہ کہکر خاموش کردیتی ہے۔۔۔۔۔۔۔

کہ خداوند جل شانہٗ بڑا مہربان ہے۔ اور وہ رب العالمین ہے۔ صرف عیسائیوں ہی کا خدا نہیں۔ اور اس کو اپنی اور اپنے عاشق کی خُدا کی بارگاہ سے عفو کی اُمید ہے۔" "فیروز" نے جب دیکھا کہ واقعی "حامد پاشا" کی محبت اس کے دل میں مضبوطی سے جڑ پکڑ گئی ہے۔ تو اسکی حمیت انسانی اور فیاضی اس پر غالب آجاتی ہے۔ اور وُہ آخرکار "بلقیس" اور اس کے عاشق "حامد پاشا" کو مدد دینے کے لئے تیار ہوجاتا ہے ع

عدو شود سبب خیر چوں خدا خواہد

اب "فیروز" اپنے چچا جعفر کو سمجھانے لگا۔ کہ وہ "حامد پاشا" کی جان بخشی کرے اس کے لئے نہیں۔ بلکہ خاص اپنی لڑکی بلقیس کی خاطر۔ لیکن افسوس "جعفر" پر ان باتوں کا کچھ اثر نہ ہوا۔ اور وُہ کسی طرح نہ مانا۔ "حامد پاشا" ایک شیر کی طرح زنجیروں میں جکڑا پڑا تھا۔ اور موت سے بالکل نہ ڈرتا تھا۔ بلکہ اس حالت میں بھی اگر موقع آن پڑے تو لڑتے مرنے کو تیار تھا۔ "جعفر" جو اُسی طرح غضب میں بھرا تھا۔ اپنی لڑکی کی ضد پر (کہ وہ "حامد پاشا" کی محبت سے مُنہ نہ موڑے گی) طیش کھا کر

"حامد پاشا" پر گولی چلا دیتا ہے۔ لیکن خوش قسمتی سے نشانہ غلط بیٹھتا ہے۔ اور حامد پاشا کا بال بھی بیکا نہیں ہوتا۔ اس کھلبلی میں "فیروز" موقع پا کر عاشق و معشوق یعنی "حامد پاشا" و "بلقیس" کو خفیہ طور پر ایک کشتی میں سوار کر بھگا دیتا ہے۔ جس کا اس نے اوّل ہی انتظام کر لیا تھا۔ اس بھاگ جانے کا انجام شادی ہوتا ہے۔ یعنی "بلقیس" ہمیشہ کے واسطے "حامد پاشا" کی ہو جاتی ہے۔ اور ڈراپ سین گر جاتا ہے۔

(انجام)

یہ قصہ تاریخی ہے۔ اور اس زمانہ سے تعلق رکھتا ہے۔ جب روم والے اپنے جاہ و جلال میں تھے۔ لیکن اس کا لندن کے اسٹیج پر ہو بہو دکھایا جانا اپنی طرز کا پہلا کھیل تھا۔ اور ساتھ ہی خالی از تعجب نہ تھا۔ کیونکہ ایک عیسائی لڑکی آخر ایک مسلمان سردار کے حصہ میں آ جاتی ہے۔ جس سے پہلے وُہ اس قدر نفرت کرتی تھی۔ کہ اس کے خون کی پیاسی ہو جاتی ہے۔ مگر وہ بہادر اور جری سردار بجائے اس سے نفرت کرنے اور اُس کے قتل پر آمادہ ہونے کے اس کو دل سے پیار کرتا ہے۔ جس سے متاثر ہو کر وُہ اس کی قاتلہ بننے کے بجائے اس کی جان نثار معشوقہ ہو کر دُنیا میں اپنا نام کر جاتی ہے۔ تماشا دیکھنے والوں کی (جس میں ہر قومیت اور ہر مذہب کے لوگ تھے) ہمدردی اس وقت قابلِ دید ہوتی ہے۔ جب جعفر "بلقیس" کا باپ اس کے عاشق کو محض اس خیال پر کہ وہ مُسلمان ہے قتل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ جس کے سُنتے ہی تماشائیوں میں ایک سنسنی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور خاصکر عیسائی لوگ بوڑھے جعفر کو حقارت کی نگاہ سے۔ دیکھتے نظر آتے ہیں یہ واقعہ صاف ظاہر کرتا ہے۔ کہ اب مذہبی تعصّب کے دن گئے اور بندگانِ خدا

بلا امتیازِ قومیت رنگ یا مذہب ہر ایک کی بہادری کی قدر کرنے لگے ہیں۔ جب عاشق و معشوق رہا کر دیئے جاتے ہیں تو تماشائیوں کی حقارت اور نفرت کی نگاہیں فوراً خوشی سے بدل جاتی ہیں۔

ترجمہ از "دی مسلم" انگریزی۔ الہ آباد ماسٹر غلام حسین پشاوری

گلِ صد برگ

یعنی

صد رباعیاتِ رنجور

یہ ایک مجموعہ سو رباعیوں کا ہے جو شمس العلما۔ خان بہادر مولوی محمد یوسف صاحب جعفری صادق پوری عظیم آبادی المتخلص بہ رنجور ریٹائرڈ مولوی بورڈ آف اگزامنرز کلکتہ نے معہ سرورق رنگین مطبع مفید عام آگرہ میں بڑے اہتمام سے چھپوا کر شائع کیا ہے۔ اور خوبیوں کے علاوہ جانِ رباعی یعنی چوتھے مصرعہ میں کسی نہ کسی ضرب المثل کو کھپانا خاص طور پر قابلِ داد ہے۔ رفتارِ زمانہ کے مطابق ہر قسم کے مضمون لئے ہیں۔ اور ان پر جوشِ طبع دکھایا ہے۔ ظرافت کا انداز بھی جناب اکبر کے رنگ میں خوب ہے۔ اکثر جگہ عربی فقرے یوں بے تکلف جڑ دیئے ہیں جیسے انگوٹھی میں نگینہ۔ البتہ مسئلہ تقسیم بنگالہ کے متعلق بنگالی بابوؤں کی طرف اس کثرت سے روئے سخن نہ ہوتا تو خوب تھا۔ قیمت کہیں درج نہیں۔ غالباً صاحب مصنف یا مطبع مفید عام آگرہ سے مل سکتا ہے۔

ترکیب بند

در تہنیت تاجپوشی حضور ملک معظم ہز رائل مجسٹی جارج پنجم
فرمانروائے کشورِ انگلستان و ہندوستان دام سلطنتہٗ

مدینہ آئے جہازِ بادشاہِ ہند و انگلستاں ۔ تصدق تیری مستانہ روش پر قاف کی پریاں
چلا انگلستان چینل میں اس طرح لنگر کے اٹھتے ہی ۔ رواں سطحِ فلک پر جس طرح سے ہو مہِ تاباں
سمندر نے تجھے آغوش میں اپنی جگہ یوں دی ۔ کسی مشتاق کے گھر جس طرح آئے کوئی مہماں
بناوٹ تیری سنکر دیکھنے کو دل تڑپتا ہے ۔ سجاوٹ تیری اخباروں میں پڑھکر عقل ہے حیراں
بنایا تجھ میں اہلِ عقل نے اس طرح انجن کو ۔ کہ جیسے سینۂ عشاق میں پنہاں دلِ سوزاں
چلا یوں لیکے ہز رائل مجسٹی جارج پنجم کو ۔ کہ جیسے روح رہتی ہو میانِ پیکرِ انساں
سمندر میں چلا یوں منزلِ مقصود کی جانب ۔ کہ جیسے جاتے ہیں عشاق سوئے کوچۂ جاناں

نثار اُوپر اُٹھ کے ہوتی جاتی تھیں موجیں سمندر کی
حقیقت میں تری رفتار تھی رفتار دلبر کی

بخیر و عافیت اُس روز تو بمبئی میں آپہنچا ۔ مسلمانوں کو جس دن وہ لولہ تھا عید اضحیٰ کا
دسمبر دوسری تاریخ شاہنشاہ کی آمد ۔ نصیبا ایسی دوہری عید سے ہر اک کا جاگ اٹھا
بلائیں بڑھ کے لیں مشتاق نے اپنی نگاہوں سے ۔ تصدق ہو گیا جلوہ نمائی پر دلِ شیدا
الکٹرک لائٹ کی رنگینیاں اک نقشِ حیرت تھیں ۔ سمندر سے زمیں تک جسکو دیکھا جگمگا اٹھا
طلسمِ قدرتی میں عقل کی جادو نگاری نے ۔ جہانِ کہنہ کے نقشے کو گویا جزو و کل بدلا
نظر کے سامنے پھرنے لگی تصویر لندن کی ۔ دکھایا بمبئی والوں نے آرائش میں حسن ایسا

کیا مہمان شاہنشاہ کو اس شان و شوکت سے
کہ شہرہ تا بہ انگلستاں ہوا آخر کو موت سے

مبارک ہو چلا دہلی کی جانب خسروِ عالم
ہوائے اوج و رفعت سے اڑا اقبال کا پرچم

نظر میں رعب شاہی دل میں شوقِ تاجپوشی ہے
برنگِ چترِ زریں سر پہ حفظِ عیسیٰ مریم

جلالِ خسروانہ جبینِ پیشانی سے پیدا ہے
نقیبانِ ادب آواز دیتے جاتے ہیں پیہم

ہر اک گوشے سے ہندوستان کے یہ آواز آتی ہے
سزائے موت کے قابل وہ ٹھہرے لے جو نام غم

نصیبا جاگ اٹھا آج شاہانِ مغلیہ کا
کہ آیا جارج پنجم رو کشِ اسکندرِ اعظم

بڑھے ہندوستاں کے حکمراں اس شوقِ خدمت میں
کہ دیکھیں کون ہوتا ہے انیسِ بادۂ ہمدم

عروج و شان و شوکت کیا لکھیں دربارِ شاہی کی
نگاہیں جس طرف اٹھیں نظر آیا نیا عالم

دسمبر بارھویں تاریخ تیری عید دنیا ہے
کہ پوتے نے کوئن وکٹوریہ کے تاج پہنا ہے

زہے قسمت عنانِ سلطنت اب اس کے ہاتھ آئی
کہ جس کے چشم و دل تصویرِ دانائی و بینائی

سرِ دربار دہلی اس طرح سے جلوہ افگن ہے
اٹھی ہی جاتی ہے دیدار کو چشمِ تماشائی

ہجومِ الیانِ ملک میں یوں جارج پنجم ہے
فلک پر ماہ نے جس طرح تاروں میں جگہ پائی

ہوئی سرسبز کشتِ آرزو اوروں دہقاں کی
ریاضِ حکمرانی میں نئی تازہ بہار آئی

شہنشہ نے کیا جب زینتِ سر تاجِ سلطانی
تو کی قدموں پہ تختِ سلطنت نے جبہہ فرسائی

یہ زورِ بازوئے اقبالِ شہ کا اک کرشمہ ہے
بڑھی ہر ناتواں کے قلب میں تاب و توانائی

عروج و فیض اس دربار کا کیونکر بیاں کیجے
جگہ جس نے کہ پائی اس نے گویا سلطنت پائی

لکھو تم مصرعِ تاریخ اے محشر بصد تزئیں
مبارک ہند و انگلستاں کو یہ دربار تمکیں

سنہ ۱۹۱۱ء

مفید روزگار

شعبدہ عالم کا ہی روزِ ازل سے آشکار / یہ جہاں خالی نہیں نیرنگیوں سے زینہار
ایک رنگ اس گلشنِ ایجاد کا رہتا نہیں / ہی کبھی فصلِ خزاں پیدا کبھی فصلِ بہار
ہیں کسی کے موئے عنبر غیرتِ مشکِ ختن / تار تار پیرہن سا ہی کوئی دلِ تار تار
کوئی ہی مجبور دنیا میں کوئی مختار ہے / کوئی ہی ناچار بندہ۔ کوئی ہی ذی اختیار
پھینکتا ہی واسطے نخچیر کے گھوڑا کوئی / سینۂ آہو پہ ہی صیاد سا کوئی سوار
اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں شمس و قمر / اپنے اپنے وقت پر موجود ہیں لیل و نہار
گل کو اشکِ آہِ بلبل سے کوئی مطلب نہیں / چاہے تو سو جان سے چاہے کسی گل کو ہزار
فائدہ جس سے کسی کو ہو وہی مرغوب ہے / چاہے مومن ہو کوئی چاہے کوئی زنار دار
باہمی اخلاص سے ہے آدمی کی تقویت / باہمی امداد سے ہی نظمِ عالم برقرار
خوبصورت وہ ہی جسکے خوبصورت کام ہوں / جسکو حاصل ہی گلِ خوبی وہی ہی گل عذار
"کیا کہا"؟ کوئی نہ پہنچے گا۔ مگر ہاں "کیا کیا" / قول سے افزوں۔ بشر کا فعل ہی با اعتبار
ہی وہ خوش تقدیر جس کا نام پا جائی ثبات / گرچہ ثابت ہی کہ ہی دنیائے دوں ناپایدار
وہ بٹھائے گا سر آنکھوں پر تمہیں ہر آئنہ / جو ہوا ہو بارِ احساں سے تمہارے زیر بار
آدمی ایک ایک کی امداد کا محتاج ہے / ایک سے جب ایک مل جائی تو گیارہ ہوں شمار
رشک کھائیں لاکھ انکی یکدلی۔ اخلاص پر / اک جگر۔ اک دل رہیں مل کر جو باہم یار یار
لاکھ اینٹوں سے بنا کرتا ہی گھر معمار کا / قطرے قطرے سے ہوا کرتا ہی دریا آبدار
سو نہ صیں جب ایک رشتہ میں تو ہو پاکیزگی / ایک تنکے سے نہیں بنتی ہی جھاڑو زینہار

اک جگہ۔ اک دیس میں رہنے کا جب آئے مزا — آپ ہوں ہم پر فدا۔ ہم آپ کے ہوں جاں نثار
لیکن اپنے دیس میں تو بیشتر وہ لوگ ہیں — جنکو مطلب سے غرض ہے۔ جنکو خود داری سے کار
نقدِ دل و دیں بتِ پندار کے ہوں برہمن — ہیں یہی پر آجکل کے نوجواں کھاتے اُدھار
اچھی ہے ہستی۔ مگر انجام اسکا ہے بُرا — نشہ اچھا ہو۔ مگر اچھا نہیں اسکا خمار
باہمی نا اتفاقی۔ دشمنی۔ قومی نفاق — آج کی دنیا میں ہوتی ہیں یہ باتیں ناگوار
دل میں وہ آتا ہے۔ آنکھوں میں سما جاتا ہے جو — تیرِ الفت پار ہو سینے کے جب آتا ہے پیار
چاکِ دل کو رشتۂ اخلاص و ہمدردی سے سے — سوزنِ الفت نکالے۔ پائے خوں گشتہ خار

نام کا ہے وہ۔ نہ کام آئے کسی کے جو بشر
کام کا ہے وہ۔ جو ہوتا ہے مفید روزگار"

(طالب بنارسی از بمبئی)

شیوۂ عشاق

سب یہ کہتے ہیں حسینوں میں مروت ہی نہیں — نام کو بوئے وفا طرزِ محبت ہی نہیں
کہتے ہیں طینت معشوق میں ہے جور و جفا — سینہ میں کینہ طبیعت میں ہے شر دل میں دغا
جانتا ہی نہیں وہ کس کو وفا کہتے ہیں — رحم معشوق کرے بھی تو جفا کہتے ہیں
کہتے پھرتے ہیں کہ معشوق میں عیاری ہے — عاشقوں کی یہ عجب رسم وفاداری ہے
کچھ نہیں سنتا، مگر سنتا ہے اونچا معشوق — بات کرتا نہیں گونگا بھی ہے گویا معشوق
ہے بلند اتنا کہ ہے سرولب جو دلبر — دار پر کھینچتا ہے بسکہ ہے بدخو دلبر

معنی عشق ہیں عشاق کے نزدیک یہی
عشق کرکے کریں معشوق کو بدنام سہی

نہیں محبوب کی محبوب کوئی بات نہیں
قدر معشوق کی کچھ بھی نہیں ہیہات نہیں

اپنے معشوق کو بدنام بھی یہ کرتے ہیں
پھر تعجب ہے محبت کا بھی دم بھرتے ہیں

خود کو غیرت نہیں اس کا تو نہیں کچھ بھی خیال
چاہتے ہیں کہ ہو دلبر کا بھی اپنا سا حال

دل تو عشاق پراز مکر و دغا رکھتے ہیں
اور معشوق سے امید وفا رکھتے ہیں

حسن کو دیکھ کے خود آپ ہی دل دیتے ہیں
پھر یہ کہتے ہیں حسین جبر سے دل لیتے ہیں

خود ہی معشوق کو عشاق ستاتے ہیں عبث
اور معشوق کا پھر نام لگاتے ہیں عبث

کیا یہی عشق ہے معشوق پہ الزام دھریں
کیا یہی عشق ہے معشوق کو بدنام کریں

چاہئے جس سے محبت ہو اُسے رکھیں شاد
ظلم بھی گر وہ کرے لب پہ نہ لائیں فریاد

کام ایسا کریں جو ہو طبیعت کے خلاف
بات ایسی نہ کہیں جو ہو مروّت کے خلاف

بات معشوق کی مانیں کہ محبت ہے یہی
سب سے بہتر اُسے جانیں کہ مروت ہے یہی

چاہئے مد نظر خاطرِ دلبر کا خیال
کام ایسا نہ کریں کوئی کہ ہو اسکو ملال

پاک جس شخص کی نیت ہو وہی عاشق ہے
ہاں جسے شرم ہو غیرت ہو وہی عاشق ہے

جسکو افشائے محبت میں ذرا باک نہیں
اس کو ہم عاشق صادق کہیں کس طرح یقیں

سید غلام مصطفےٰ ذہین

تصویر اس مہینہ نواب سربلند جنگ بہادر کی تصویر مخزن میں ہدیہ ناظرین کی جاتی ہے۔ آپکا اصلی نام حاجی مولوی حمید اللہ خانصاحب ہے اور آپ حیدرآباد دکن میں چیف جسٹس کے معزز عہدہ پر ممتاز ہیں۔ آپکے روزنامچہ کا کچھ حصہ باقتباط صفحات مخزن میں ناظرین دلچسپی سے پڑھ چکے ہیں دیگر حصص بھی گاہ گاہ درج ہوتے ہیں

خطوطِ منظوم

نادیدہ کرمفرما منشی عبدالرحیم صاحب واصل متوطن حیدرآباد سندھ نے میرا ناچیز کلام اخباروں اور رسالوں میں ملاحظہ فرما کر مجھ سے مراسلت کا سلسلہ جاری کیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد ارشاد ہوا کہ میری اور میرے احباب کی تمنّا ہے کہ تم اپنا فوٹو بھیجو۔ اول تو میں کچھ دنوں ٹالتا رہا۔ بعدہٗ اُن کے مجبور کردینے والے اصرار سے میں نے اپنا فوٹو روانہ کردیا اور اسی کے ساتھ ایک مختصر سی نظم بھی۔ واصل صاحب نے فوٹو اور نظم کی رسید اور جواب میں ایک قابلانہ نظم بھیجکر مجھ کو ممنون کیا۔ یہ دونوں نظمیں مخزن میں درج ہونے کے لئے بھیجی جاتی ہیں۔

سید احمد علی شرر

تصویر

کرتے ہیں حضرتِ واصل میری تصویر طلب
عذر کرتا ہوں تو ہوتا ہے شکایت کا سبب

اور اگر بھیجتا ہوں انکو میں تصویر اپنی
باعثِ شرم سمجھتا ہوں میں تشہیر اپنی

سوچتا ہوں کہ میں کیا اور میری تصویر کیا
منہ دکھائیگا خرد والوں کو تو بے مایہ

دیکھ کر بے ہنری دل سے یہ آتی ہے صدا
این خیال است و محال است شرر ہوش میں آ

حیدرآباد کہاں اور کہاں تو گمنام
ہوش والوں میں نہیں ہے کسی بیہوش کا کام

اپنی بے علمی سے پڑتی نہیں میری ہمت
اُنکی ناراضی سے کرتا ہوں پر اتنی جرأت

بزم وہ جس میں سب احباب ہیں چیدہ چیدہ
میری تصویر بھی جاتی ہے وہاں نادیدہ

شوقِ دیدار اسے کھینچے لئے جاتا ہے
تکنے احباب کا منہ فوٹو میرا آتا ہے

لیجئے حضرتِ واصل یہ ہے فوٹو حاضر ہر طرح آپ کی منظور ہے مجھ کو خاطر
شوق سے دیکھئے تصویر مری جی بھر کے بے زباں آپکو تکتی ہے یہ کس حسرت سے
آپ تصویر پہ ہنسئے کہ اسے کچھ کہئے کام یہ لے نہیں سکتی کبھی گویائی سے
ہمسری کا اسے ہرگز نہیں آئیگا خیال لب کشائی کرے تصویر نہیں اسکی مجال
نظر اس پر نہ پڑے سب سے چھپا کر رکھنا دوستوں میں نہ مجھے دیکھنا رسوا کرنا

درو دیوار پہ اسکو نہ لگانا صاحب
میری صورت پہ کسیکو نہ ہنسانا صاحب

نشتر

جواب

(از جناب منشی عبدالرحیم صاحب واصل)

حبذا آگئی تصویر ملاقات ہوئی گو تھی خاموش مگر آنکھوں میں کچھ بات ہوئی
بات یہ تھی کہ بظاہر ہوں میں عکس منظور پر ہوں باطن میں وجود اس کا جو ہے آپ سے دور
دور ہے جسم سے اور دل سے ہے نزدیک بہت درمیاں پردہ ہے فاصل کہ ہے باریک بہت
شوق آنکھوں سے ٹپکتا ہے کہ ہو جائے بیاں وہ ملاقات کا جذبہ جو زباں میں ہے نہاں
بے زباں عکس کی صورت میں ہوں ہستی لطیف پر سراپا سرا موجود ہے بہرِ تعریف
دی صدا دل سے کہ میرے راست ہے جو تو فرمائے بات خاموشی میں وہ ہے کہ جو کہنے میں نہ آئے
سرمۂ دیدۂ جاں ہے ترا دیدار مجھے کاشفِ غیب ہے تو مطلعِ انوار مجھے
چشمِ ما روشن و دل شاد ترے آنے سے شمع کے نور کا کیا پوچھنا پروانے سے
اک فقط میں نہیں مشکورِ کرم کا ترے سب وہ ممنون ہیں احباب ہیں جتنے میرے
قدر ہے کانِ جواہر سے زیادہ تیری ہے زبرجد سے فزوں لوح بیاض تیری
میری آنکھوں میں جگہ تیری ہے بہرِ قیام رگ و پے دیدۂ دل میں یہ ترا فیض ہے عام

تیرے الطاف زیادہ ہیں سخن کم میرا
دل ہے خوش جبکہ ہے تو واقفِ ہمدم میرا

خربزہ

کھا چکے کابل کا سردا خربزہ — لکھنؤ کا خوب چکھا خربزہ
جونپوری سے مگر سب ہیچ ہیں — اب کہاں ایسے مزے کا خربزہ
واہ رے سبزے سفیدے کی ٹھاٹھ — خوش نما خوش رنگ میٹھا خربزہ
گو ہے عنابی کی رنگت دلفریب — پھر بھی کم لیتے ہیں ایسا خربزہ
اب جمالی بھی نظر آتا نہیں — ہو گیا مفقود گہرا خربزہ
صرف بوڑھوے[1] کا ہے اب بازار گرم — بک رہا ہے یہ انوکھا خربزہ
صورت ایسی دید جسکی ناگوار — ق سیرت ایسی جس نے چکھا خربزہ
چاٹ کر ہونٹوں کو وہ کہنے لگا — جان شیریں سے ہے میٹھا خربزہ
فصل سے پہلے ہی بک جاتے ہیں کھیت — چاندی اسکی جس نے بویا خربزہ

حفیظ

دل بیقرار سو جا

نہیں عہدہ بتاں کا کوئی اعتبار سو جا — نہ کر انتظار سو جا! دلِ بیقرار سو جا

[1] عمدہ خربزہ جو یہاں کا معروف و مشہور ہے۔ عوام اس کو بوڑھوا اصل کہتے ہیں۔

[redacted]

تجھے کس کی آرزو ہے میں ترا رفیق غم ہوں مجھے تجھ سے پیار سو جا! تجھے مجھ سے پیار سو جا!
وہ کرینگے برق و باراں کا بہانہ مجھ سے آکر نہ ہو بیقرار سو جا! نہ ہو اشکبار سو جا
نہ حبیب کا گلا ہے۔ نہ رقیب کی خطا ہے یہ نصیب کا لکھا ہے۔ نہیں اختیار سو جا!
جو سمجھ ہو تجھ میں ناداں تو یہ بات خوب سمجھے کہ جہاں میں عہدِ خوباں نہیں استوار سو جا!
تجھے پھینک آؤنگا میں اُسی در پہ صبح ہوتے نہ تڑپ کہ رازِ اُلفت نہ ہو آشکار سو جا!

پڑی محو خواب راحت ہے خدائی ساری
مگر اک تجھی پہ ظالم ہے خدا کی مار سو جا!

محروم

ایک مسٹر اور مُلّا

قطعہ

ایک دن اک گریجوایٹ نے کہیں پُوچھا اِک مولوی سے بعدِ سلام
قبلہ کچھ ہے خبر ہے زمانہ کی جہد کیا کر رہی ہیں غیر اقوام
شور ہے ہر طرف ترقی کا ہیں اسی فکر میں خواص و عوام
غیر قومیں ہیں کیوں ترقی پر کیوں ہیں پستی میں پیروِ اسلام
وجہ کیا ہے کہ وہ ہوئے حاکم کیا سبب ہے کہ آج ہم ہیں غلام
کیوں موافق زمانہ ہے اُن کے کیوں ہے ہم پر یہ گردشِ ایّام
روز افزوں ترقی ہے اُن کو اور ہم گر رہے ہیں صبح و شام

کہہ کے یہ۔ پھر گریجوایٹ نے کہا ہو نہ گر ناگوار میرا کلام

تو سنیں مجھ سے مولوی صاحب وجہ پستی پیرو اسلام
علما ہیں جو آج رہبر قوم جن کے ہاتھوں میں قوم کی ہے لگام
ان بزرگوں ہی کی بدولت ہے ایسی حالت میں آج کل اسلام
انہیں ذات شریف کے باعث ہیں مسلمان ہر جگہ ناکام
سچ جو پوچھو تو مولویوں نے اپنے مذہب کو کر دیا بدنام
شیعہ سنی کا ہے کبھی جھگڑا کبھی تقلید پر ہیں سخت کلام
ہے کبھی جنگ بہر رفع یدین کبھی آمین کے لئے دشنام
قومی جھگڑوں سے ان کو کب فرصت کیا کرینگے بھلا یہ قوم کا کام
قوم دوزخ میں یا بہشت میں جائے ان کو ہے اپنے حلوے مانڈے سے کام
مَن تَشَبَّہ زبان پر ان کے گویا مذہب ہے خاص وضع کا نام
قوم کیونکر کرے ترقی پھر ہو جو ہر بات میں حلال و حرام
یہ تو معمولی کاروبار ہیں بھی ٹھونک دیتے ہیں شرع کے احکام
گر ہمیں مذہب است و ایں ملّا کار ایں قوم چوں شود نہ تمام

الغرض جب گرجو ایٹ صاحب اپنی تقریر کر چکے بہ تمام
سن کے سب باتیں بوڑھے ملّا نے کیا اس طرح مسکرا کے کلام
واقعی آپ کا ہے قول بجا فی الحقیقت درست ہے یہ کلام
ہے برا حال قوم کا بیشک ہیں مسلمان ہر جگہ ناکام
لیکن انصاف سے اگر دیکھیں مولویوں پہ ہے عبث الزام
قوم ہی جب نہ مانے ان کی بات پھر کرے کیسے کوئی قوم کا کام
مضحکے جب ہوں ان کے فتووں پر خشک ملا پڑے جب ان کا نام

[redacted]

پھبتیاں جب ہوں انکی باتوں پر سیکڑوں ان کو آپ دیں الزام
قومی خدمت بھی چاہیں پھر ان سے واقعی ہے یہ آپ ہی کا کام
سچ تو یہ ہے کہ ہے یہ وقت کی بات آج جو چاہیں ان کو دیں الزام
ورنہ یہ ہے وُہی مبارک ذات ہُوئی جس سے ترقیِ اسلام
پھیلا دُنیا میں ان ہی لوگوں سے فلسفہ منطق اور علم کلام
ان ہی حجرے کے رہنے والوں نے کیسے کیسے کئے ہیں قومی کام
ہیں یہی بوریا نشیں۔ جن کو کرتے تھے بادشاہ جھک کے سلام
جب مسلمانوں کے بُرے دن آئے عُلما بھی وُہ ہو گئے گمنام
اور معدودے چند ہیں بھی اگر کون سُنتا ہے آج ان کا کلام
اب ہیں وُہ لوگ قوم کے لیڈر اُن کے ہاتھوں میں اب ہے قومی کام
جنکے نزدیک بے وقوف ہیں سب ہیں جو پابندِ مذہبِ اسلام
ہیں ترقی قوم کے مانع اُن کے نزدیک مذہبی اُحکام
اب ہے روزہ بھی باعثِ تکلیف فعل مہمل ہے اب رکوع و قیام
آہ جن مذہبی اصولوں سے سارے عالم میں پھیلا تھا اسلام
تھے جو قومی معاشرت کے اصُول یعنی وُہ حکم بانیِ اسلام
ان طریقوں کو ہم نے چھوڑ دیا رشک کرتی تھیں جن پہ غیر اقوام
سب بنے ہیں مقلدِ یورپ نام کا رہ گیا ہے اب اسلام
مَن تشبّہ غلط سہی لیکن کیوں مٹائیں ہم آپ اپنا نام
کیوں بنیں ہم مقلّدِ یورپ کیوں انہیں کی طرح کریں ہر کام
کیوں نہ خُذ ما صفا پہ عامل ہوں چھوڑ دیں کیوں طریقۂ اسلام
مختصر یہ کہ بوڑھے مُلّا نے اپنی تقریر کی یہ کہہ کے تمام

سپرِ انجمن نہ بولنا ہرگز کسی دانا حکیم کا یہ کلام
جس نے قومی خصوصیت چھوڑی
ہوگی وہ قوم اک دن گمنام

[illegible]

بسنت

سناتا خلق کو ہے مژدۂ بہار بسنت | اسی سے آتا ہے دنیا میں بار بار بسنت
یہ بات سچ ہے کہ پیدا جہاں میں کرتا ہے | شگوفہ و شجر و شاخ و برگ و بار بسنت
نہیں ہیں جوڑے بسنتی یہ مہ جبینوں کے | لپٹ کے شوق سے کرتا ہے انکو پیار بسنت
کسی طرح نہیں ممکن کرے اثر پیدا | خزاں کی فصل میں گائے کوئی ہزار بسنت
سنا جو کان لگا کر تو آج گاتے ہیں | رباب و چنگ و نے و بربط و ستار بسنت
خوشی سے اسفل و عالی ہوئے ہیں نغمہ سرا | کہ ہولی گاتے برہمن ہیں تو کہار بسنت
عجب نہیں ہے کہ ان زرد زرد پھولوں سے | منائیں گلشن و صحرا و کوہسار بسنت
جہاں میں آتا ہے ہولی سے پیشتر اک ماہ | ہے پیش خیمۂ سلطان نو بہار بسنت
دعا ہے یہ کہ احباب شاد کام رہیں | مبارک انکو کرے اپنا کردگار بسنت
جہان میں وہ سلامت رہیں بجاہ و جلال | خدا کرے کہ وہ دیکھیں کئی ہزار بسنت

قسم ہے کھینچ دی تصویر اس نے نیچر کی
رہے گا دہر میں شاکر کی یادگار بسنت

تضمین

(بر غزل حضرت بیان مرحوم)

ڈس گئے دل کو مرے ہجر میں کالے آجا　　بو سنگھا کر مجھے کاکل کی جلا لے آجا
روئے زیبا کو نہ پردے میں چھپا لے آجا　　خواب میں زلف کو مکھڑے سے ہٹا لے آجا

بے نقاب آج تو اے گیسوؤں والے آجا

تھک گئے پاؤں پڑے چلنے کے لالے آجا　　آبلے تلووں میں پاپوش نے ڈالے آجا
کون اس منزلِ غربت میں سنبھالے آجا　　تکیے پہ مرے خواب ہوتے ہیں چھالے آجا

راہ میں چھوڑ گئے قافلے والے آجا

یہ ہیں یعقوبِ خدا اور یہ ایوبِ خدا　　یہ ہیں مقتولِ خدا[1] اور یہ مجذوبِ خدا[2]
یہ ہیں ممسوحِ خدا[3] اور یہ مطلوبِ خدا[4]　　کون ہے ماہِ عرب کون ہے محبوبِ خدا

اے دو عالم کے حسینوں سے نرالے آجا

عرش پر کس نے قدم تھا شبِ معراج رکھا　　صاف کس شخص کے سینہ کو فرشتوں نے کیا
کس کی خدمت میں کھڑے رہتے تھے جبریل سدا　　کون ہے ماہِ عرب کون ہے محبوبِ خدا

اے دو عالم کے حسینوں سے نرالے آجا

دردِ فرقت نے دل و جان کو مٹا رکھا ہے　　ہم نے کیا قالبِ خاکی کے سوا رکھا ہے
چارہ گر دیکھتے کیا خاک میں کیا رکھا ہے　　دم تری دید کو آنکھوں میں لگا رکھا ہے

سے رہے ہیں ترے بیمار سنبھالے آجا

---

[1] مراد از حضرت ذکریا۔ [2] مراد از حضرت یحییٰ۔ [3] و [4] مراد از حضرت عیسےٰ۔

سب پہ اسرار بدعملی کے چلے آتے ہیں ہو جو انکار تو اعضا مجھے شرماتے ہیں
دل کی آنکھوں کو خطائیں سرِ محفل لاتی ہیں ہوں سیہ کار مرے عیب کھلے جاتے ہیں

کملی والے مجھے کملی میں چھپا لے آجا

پاس جب اپنے نہیں کوئی بھی سامانِ سفر فکر ہے طے کریں کس طرح بیابانِ سفر
خود گذرنے کے تو قابل نہیں میدانِ سفر دیکھتے ہیں تجھے پھر پھر کے ضعیفانِ سفر

ڈگمگاتے ہیں قدم کون سنبھالے آجا

عظمتِ حکمِ شریعت تو ہوئی تھی تیری رفعتِ شانِ حقیقت بھی خدا نے تجھ کو دی
ہے زباں تیری ہر اک رازِ نہاں کی کنجی وقف ہے تیرے لئے دولتِ کنزِ مخفی

کھل گئے ہفت سماوات کے تالے آجا

سن کے آنے کی خبر عرش بریں جھوم پڑا قدسیاں پڑھنے لگیں صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
حوریں بت اش کھڑی آتی نظر ہیں ہر جا پہنچا محبوب تو مشاطۂ رحمت نے کہا

خلوتِ راز میں اے ناز کے پالے آجا

منعکس ہر جگہ اللہ کی قدرت ہے یہاں تختۂ سبزہ و گل وادیِ جنت ہے یہاں
دور ہے کل دوئی ایک ہی صورت ہے یہاں رنگِ وحدت ہے یہاں غنچۂ خلوت ہے یہاں

اے گلِ گلشنِ لولاک لما آجا

دردِ فرقت سے جو چھٹنے لگا کھانا پینا قاسمِ خستہ کو دشوار ہوا ہے جینا
ضعف سے بند ہوئے جاتی ہے چشمِ بینا صورتِ لالہ ہے پر داغ بیاں کا سینا

پڑ رہے ہیں ترے بیمار کے لالے آجا

رباعیات رنجور

تم کہتے ہو۔ کب کس نے خدا کو دیکھا! اس بادشہِ ارض و سما کو دیکھا؟
ثابت ہے اگر تم پہ ہوا کی ہستی بتلاؤ۔ کہ کب تم نے ہوا کو دیکھا؟

واعظ ہے خوب میرا دیکھا بھالا بہلاتے کسی اور کو آلا بالا
یہ حجرہ نشینی اس کی بے وجہ نہیں "کچھ دال میں ہے ضرور کالا کالا"

آنکھیں تو تری تھیں ہی نشیلی اے یار! اس پہ سرمے کی سوجھی کرنیکو سنگار
مَیں صدقے جاؤں بھولے پن پر تیرے! متوالوں کو دیتا ہے کوئی بھی ہتھیار؟

صاحب بننے کا شوق تجھ کو ہے اگر! کر آنکھیں کرنجی۔ اور گلٹ چہرے پر
بھورے کر بال سر کے اور مونچھوں کے یہ سب ہو۔ تو پھر تجھ کو کہیں ہم مسٹر

ظاہر دیکھو۔ تو صاحبوں کی سی شان اوصاف جو پوچھو تو صفاچٹ میدان
صادق آتی ہے یہ مثل حق میں تیرے "اونچی دکان اور پھیکا پکوان"

اسکو ناری کہا تو اسکو شیطان نالاں ہے تیری زبان سے ہر اک انسان
حیرت آتی ہے مجھ کو تجھ پہ اے شیخ "ننھی سی جان اور گز بھر کی زبان"!

دکھلاتے ہیں اوروں کو جو عقبیٰ کی راہ کب خود وہ رہِ مستقیم سے ہیں آگاہ؟
ان پیٹ کے بندوں سے ہدایت ہوگی لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

کیونکر کہوں۔ واعظا! کہ تیرا دل ہے سیاہ! دل کی باتوں سے تو خدا ہے آگاہ
ہاں۔ کہہ سکتا ہوں یہ۔ کہ چہرے پہ ترے کیا نور برس رہا ہے! سبحان اللہ

پابندیِ وقت ہے نہ وعدوں کا نباہ جنٹلمین آپ بن گئے خواہ مخواہ
ہاں! کوٹ اور پینٹ کے تو کیا کہنے ہیں چشمِ بد دُور باد! ماشاءاللہ

کل سیر کو جاتا تھا جو میں وقتِ پگاہ کچھ لیڈی نما بیاں دیکھیں سرِ راہ
دل بولا۔ یہ سب گنوں تو پوری تھیں ہی اک شرم تھی۔ وہ بھی گئی! اِنَّا لِلّٰہِ

مَیں مانتا ہوں شیخ! کہ میں ہوں بدراہ چھوٹا نہیں مجھ سے کوئی دنیا کا گناہ
لیکن کیا تیری طرح گنہگار رہوں؟ حاشا للہ! ثُمَّ حاشا للہ

اے شیخ! ترے حال سے میں ہوں آگاہ تو مجھ سے تقدس کی نہ لے خواہ مخواہ
دل میں تو ترے بتانِ کافر کی ہے یاد گو وردِ زباں ہے ہر دم "اللہ اللہ"!

کیا شک ہے کہ تم میں صاحبیت آئی وسکی پینے کی قابلیت آئی
میموں کے ساتھ ناچنا بھی آیا لیکن ہرگز نہ آدمیت آئی

مرغوب اگرچہ صاحبوں کو ہے مے — لیکن وہ نہیں پیتے ہیں پے در پے مے
افسوس! اے انڈیا کے جنٹلمینو — کرتے رہتے ہو تم تو ہر دم مے مے

اِس "اون" کے لفظ سے تو "وول" اچھا ہے — اعلیٰ ہتھیار سے بھی "ٹول" اچھا ہے
ہم گالیاں کھائینگے تو انگریزی میں — "سؤر پاجی" سے "ڈیم فول" اچھا ہے

تازہ غزلیں

(از جناب کوثر خیرآبادی)

مٹا رہی ہے مرا نام بھی نشاں کیطرح — زمین پیستی ہے مجھ کو آسماں کی طرح
پڑے گی خاک گلستاں میں آشیاں کی طرح — کہ خار کھاتے ہیں گلچیں بھی باغباں کیطرح
ہمارا غنچۂ دل کھل کھلا کے مرجھایا — بہار بنکے وہ آئے گئے خزاں کیطرح
برس رہی ہے الٰہی یہ کیسی مایوسی! — کہ بیٹھا جاتا ہے دل خود بخود مکاں کیطرح
عجب نہیں شرر آہ گرم بلبل سے — پھنکے جو خانۂ صیاد آشیاں کی طرح
بناوٹوں نے کسی کی ہمیں کیا بسمل — جگر میں چبھ گئی بانکی ادا سناں کی طرح
رہینگی یاد تیری دلنوازیاں صیاد — قفس میں لطف اٹھائے ہیں آشیاں کی طرح
بزنگِ نقشِ کفِ پا جہاں گرے نہ اٹھے — اگر اٹھے تو چلے نعشِ نیمجاں کی طرح
خبر نہیں کوئی حسرت ہے یا تمنا ہے — جو گڑ رہی ہے مرے قلب میں سناں کی طرح
شباب آتے ہی نخلِ مراد خشک ہوا — بہار نے بھی تو لوٹا ہمیں خزاں کی طرح
شعاعِ نورِ رخِ مہ جبیں سے اے کوثر — نقاب چاک ہوئی جاتی ہے کتاں کی طرح

(از جناب محمد شفاعت احمد برق دہلوی)

کچھ نور مہر کا نہ مہ باکمال کا
جلوہ ہے سب یہ آپکے حسن و جمال کا

کیا دلنشیں خیال ہے ابرو کے خال کا
کعبہ میں رنگ جم گیا گویا بلال کا

تنگ جسم ناتواں پہ ہے زلفوں کے جال کا
پاس ادب سے فرق رہا بال بال کا

یہ مے یہ میکدہ یہ سماں برشگال کا
قلقل میں پھر خیال ہے کیا قیل و قال کا

ہر گل ہے فرط شوق سے کاسہ سوال کا
لا ساقیا گلاس مئے پرتگال کا

اُس سے ہے کیا مقابلہ بدر و ہلال کا
جب ذکر ہی نہیں ہے کمال و زوال کا

دم پر بنی ہوئی ہے خدا را نہ دیر کر
باقی نہیں ہے ساقیا موقع سوال کا

پیغامبر بھی ظلم سے خالی نہیں رہا
کیا کہئے کس پہ خوں ہے زبانِ بے لال کا

دامن سے آگ چھپتی ہے اے شعلہ رو کہیں
باعث ہے یہ نقاب ترا اور اشتعال کا

وعدہ کی شب بھی صبح قیامت سے کم نہیں
ماتم ہے عاشقوں میں ہمارے وصال کا

اُترا اگر نقاب ہے چہرہ چڑھا ہوا
کیا صاف ہے جواب ہمارے سوال کا

شانہ نے آڑے ہاتھوں لیا زلفِ یار کو
دم بھر میں بل نکال دیا بال بال کا

ذکرِ خزاں رہیگا ہمیشہ بہار میں
فرقت نہ ہو تو لطف نہیں ہے وصال کا

آنسو دُرِ یتیم بھی ہو کر حرام ہیں
لختِ جگر ہی کیوں نہ ہو ٹکڑا حلال کا

گھر سے نکل کے آئے وطن میں جو غریب
افسانہ کیا کہے کوئی اس خستہ حال کا

انوارِ مہر رُخ کی نہیں تابِ دید اسے
یُوں مُنہ نکل رہا ہے ذرا سا ہلال کا

غمگیں سا مجھ کو دیکھ کے محفل میں غیر سے
کہتے ہیں اِن سے پُوچھئے موجب ملال کا

ہاں دل بڑھا وہ دستِ عنایت نقاب تک
ہمراز وقت آگیا میری سنبھال کا

غیروں سے پُوچھتے ہیں چمک کر کہ کون برق
افسوس اُنکو علم نہیں میرے حال کا

(از جناب جہانگیر امرتسری)

بظاہر اس طرح رکھتے ہیں کچھ وہ اپنی عادت بھی
تلطف بھی عنایت بھی محبت بھی مروّت بھی

اگر سچ ہے کسی کی رائگاں جاتی نہیں محنت
کبھی تو کام آئے گی ہماری یہ محبت بھی

وہ ویسے بھی نہیں جو یک بیک انکار کر بیٹھیں
مگر کمبخت ہم کس پیش دستی کی حکومت بھی

حقیقت ان بتوں کی کوئی مجھ سے پوچھ کر دیکھے
کہ منہ پر ہے صفائی پر مگر دل میں کدورت بھی

بہت اے زالِ دنیا ہونگے تیری وصل کے خواہاں
ہمیں تو اک نظر بھائی نہ ہرگز تیری صورت بھی

چڑھا کر کوٹ و پتلون اب جنٹلمین[1] بن بیٹھے
شرافت ہو بھلا کچھ آجکل کی یہ شرافت بھی

ہوا نیلام میخانے میں بھولی بسری جو نکلا
جنابِ شیخ کی تھی انہیں دستارِ فضیلت بھی

تری یہ چھیڑ چھاڑ ایسی کی اک دن رنگ لائیگی
مرے لگو ہو تم اے شوخ کچھ الفت کی عادت بھی

نہیں تو دخترِ رز کی نازبرداری سے مطلب ہے
اٹھا کر ہی رہینگے شیخ اگرچہ ہو ذلت بھی

دو رنگی اس گلِ رعنا کی کوئی غور سے دیکھے
ابھی تو مجھ سے نفرت تھی ابھی پھر ہے محبت بھی

جنہیں میخانے میں لیجا کے ساقی سے چھپایا تھے
انہی رندوں کے بجاتی ہیں ہم پیرِ طریقت بھی

مسلمانِ سیمتن پر ایسی آنکھ مانے صاحب
کہ اب تو شیخ حج کر آئے ہیں جا کر کرامت بھی

بہت الفت جتا لیکا مزہ کچھ تو نے دل چکھا
گئی آگئی ہوئی ان سے جو تھی صاحب سلامت بھی

گلابی کہدیا آنکھوں کو تیری تو خطا کیا کی
نشہ کی کیفیت بھی ان میں ہے اور مے کی رنگت بھی

نہ بھولو بلکہ اس کی غمزہ سے نیرنگیاں دیکھو
کہ وحدت میں ہے گر کثرت تو کثرت میں ہے وحدت بھی

روانی سی روانی ہے امنڈ آیا ہے دریا سا
بلا کی جوش پر آئی ہے اب اپنی طبیعت بھی

یہ کیوں رندوں پہ منہ آنے لگے کچھ خیر ہے صاحب
جنابِ شیخ کی شاید کہیں آئی ہے شامت بھی

جوابِ خط نہ بھیجا گا ہی اس نے مجھ کو برسوں میں
ملا تو آج کی پہلے سے خود الٹی شکایت بھی

سوالِ وصل پر ملتا ہے یہ مجھ کو جواب الٹا
تمہاری عقل میں شامل ہے کچھ خود حماقت بھی

---

[1] انگریزی بس کی جمع۔

تغزل میں ترے انداز معشوقانہ پیدا ہے
جہانگیر اس میں شوخی بھی ہے پنہاں اور شرارت بھی

از جناب مولوی اصغر علی صاحب روحی ایم۔ او۔ ایل پروفیسر
اسلامیہ کالج لاہور

آمد بر من ز یار کاغذ — جاں داروئے جانِ زار کاغذ
ایں کاغذ یارِ مہربان است — یا رحمتِ کردگار کاغذ
بسیار گریست در شبِ ہجر — کاید بدلِ فگار کاغذ
بارے ز کرم نوشت بر من — کش رفتہ ز من ہزار کاغذ
مانا کہ دلش بسوخت بر من — کاورد صبا ز یار کاغذ
چوں گلشنِ روئے او طرب خیز — سرمایۂ نوبہار کاغذ
تا کاغذی پیرہن نپوشم — بنوشت بمن نگار کاغذ

آمد ولے از عتاب لبریز
بر روئے ناز یار کاغذ

(جناب اوج گیاوی شاگرد حضرت کوثر خیرآبادی)

کمر باندھے ہوئے کھینچے ہوئے تلوار بیٹھے ہیں — قضا آئی ہے کس کی تن کے جو سرکار بیٹھے ہیں
ہم فرقت میں مرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں — کرم کر اے اجل ہم جان سے بیزار بیٹھے ہیں
مجھے ڈر ہے نہ ٹوٹے آنکی تو صورتِ ساغر — نہ آئیں حضرت واعظ یہاں میخوار بیٹھے ہیں
چھری کیا دکھاتے ہو نگہ سے قتل کر ڈالو — شہید ناز مرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں
خدا جانے قضا کس کس کی آج آ گئی مقتل میں — گلے ملنے عروسِ تیغ سے دوچار بیٹھے ہیں

مزہ ہو ساقی دلبر چلے جامِ مے احمر ۔۔۔ گھٹا چھائی ہوئی ہے چار سو میخوار بیٹھے ہیں
جو خوش ہوتے تھے اکثر مرگِ عاشق کی خبر سنکر ۔۔۔ عدو کے سوگ میں بنکر وہ ماتمدار بیٹھے ہیں
رخِ تاباں کو دکھلا کر رنگ ڈالے ہیں سب ہم ۔۔۔ ادھر ہم محوِ حیرت وہ ادھر بیزار بیٹھے ہیں
سماں کیسا یہ چھایا ہے یہ کس کا دھیان آیا ہے ۔۔۔ بنے تصویر کیوں چپ چاپ میں سرکار بیٹھے ہیں
لبوں پر دم ہے آئے ٹھیک مسیحا آج آتا ہو ۔۔۔ اجل سر پر کھڑی ہے منتظر بیمار بیٹھے ہیں

الٰہی آج کو کس شکریں لب سے محبت ہے
کہ ہر دم زہر کھانے کے لئے تیار بیٹھے ہیں

(از جناب شمس النہار مخمور از کلکتہ)

ہیں گوشِ سیمتن ترشے ہوئے بلور کے پتے ۔۔۔ زمرد کے ہیں آویزے کہ نخلِ طور کے پتے
ہر اک دانہ کو بہتر گوہرِ شہوار سے دیکھا ۔۔۔ زمرد گوں نظر آنے لگے انگور کے پتے
نہیں عقدِ ثریا جسکو تم پروین سمجھتے ہو ۔۔۔ فرشتوں نے چرا رکھے ہیں گوشِ حور کے پتے
اندھیری رات میں کیوں اس قدر یہ جگمگاتے ہیں ۔۔۔ ستارے ہیں کہ ہیں گوشِ شبِ دیجور کے پتے
نہالِ تاک پر رندو لگا کر تاک بیٹھو تم ۔۔۔ بہار آئی ہوئے سرسبز پھر انگور کے پتے

بتو پلکیں تمہاری اس طرح رہتی ہیں جنبش میں
چمن میں ہلتے ہیں جوں نرگسِ مخمور کے پتے

اطلاع ضروری بخدمت جمیع قدردانان و معاونینِ مخزن باادب گذارش ہے کہ بفضلہٖ رسالہ کا انتظام ہر طرح قابلِ اطمینان ہو گیا ہے۔ نومبر دسمبر سنہ ۱۱ء کے پرچے اکٹھے شروع جنوری میں خریداروں کی خدمت میں پہنچ گئے اور جنوری سنہ ۱۲ء کا نمبر اسی ماہ کے آخر میں دفتر سے روانہ کر دیا گیا۔ تصویروں کا بھی اہتمام مناسب ہو گیا ہے آئندہ پرچہ برابر وقت پر شائع ہوا کریگا اور ہمارے مربیوں کو کوئی شکایت کا موقع نہ ملیگا انشاءاللہ تعالیٰ

منیجر مخزن

صبحِ زندگی

شائقین کو مژدہ ہو کہ یہ کتاب جس کا انہیں ایک عرصہ سے انتظار تھا اور جس کی فرمائشیں دفتر مخزن میں مدت سے بہت پیشتر سے موصول ہو چکی ہیں۔ اب شائع ہو گئی ہے۔ یہ کتاب نہایت خوش قلم دو قسم کے کاغذ پر چھپی ہے۔ قسم اول کے کاغذ کی چونکہ کھپت زیادہ ہے۔ اس لئے قسم اول کی کتابیں جلد منگوانی چاہئیں۔ یہ کتاب دو سو چھتیس صفحہ کی ہے۔ اور اس میں ایک لڑکی کے چار برس کی عمر سے لیکر شادی کے وقت تک کے وہ تمام حالات جو تربیت سے متعلق ہیں۔ قصہ کے پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں اور اس طرح کواری لڑکیوں کو جس جس عمر میں جن جن باتوں کے معلوم ہونے کی ضرورت ہے۔ نہایت خوبی سے بتائی گئی ہیں۔ مذہب کی وقعت خدا کی عظمت۔ گفتار۔ کردار۔ اطوار۔ عادات کے متعلق طرز بیان نہایت موثر ہے۔ خانہ داری کی تفصیل میں انتظام صفائی ستھرائی کے علاوہ سینے پرونے۔ چھاپنے۔ کاڑھنے کی بہت سی باتیں تصریح سے لکھی گئی ہیں۔ سینے اور کاڑھنے کی ترکیب کے ساتھ نمونے بھی دیئے گئے ہیں! عورتوں کی زندگی پر ہستانی کا وعظ اس کی سعی وروان ہے! وداع کا سماں۔ پھوپھی کا بھتیجی کو رخصت کرنا اور آخری نصیحتیں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں! زبان کے متعلق بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ کتاب ایک مستند اہل زبان یعنی منازل السائرہ کے مشہور مصنف مولوی محمد عبدالرشید الخیری کی تازہ ترین تصنیف ہے۔ باعتبار واقعات یہ عورتوں کے لئے اس سے بہتر اتالیقی کتاب زنانہ لٹریچر میں موجود نہیں۔ قیمت قسم اول [illegible] قسم دوم [illegible]

درخواستیں بنام منیجر مخزن۔ لاہور آنی چاہئیں

طب یونانی کی بقا کیلئے

عالیجناب حاذق الملک حکیم محمد اجمل خانصاحب رئیس اعظم نے

جو خدمات انجام دی ہیں انکا معقول حصہ شہرت کے منظر پر آچکا ہے۔ اطراف ہند میں اس کار اہم کیلئے سب کی نظریں انہی کی طرف اٹھتی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ طب یونانی کے مستقبل کی نسبت اگر کچھ امیدیں ہیں تو وہ ان ہی کے خاندان سے وابستہ ہیں جناب حاذق الملک احساس فرض کے ساتھ دل میں اس فن شریف کی ترقی کے ارمان رکھتے اور خاموشی سے اپنے قیمتی اوقات کو ملک کی اس مہتم بالشان خدمت میں صرف کرتے رہتے ہیں۔ ہندوستانی دواخانہ انکے احساس فرض کا ثبوت اور انکی مستقل اور خاموش کوششوں کا ثمرہ ہے گو اس کی ظاہری حیثیت ایک تجارتی حیثیت ہے۔ لیکن اگر حقیقت شناس نظر سے دیکھا جائے تو یہ ایک تجارتی کام نہیں۔ طب یونانی کی بقا کا سامان ہے شخصی اغراض سے اسکو علیحدہ رکھا گیا ہے۔ اسلئے جس غرض سے یہ قائم ہوا ہے۔ اس کے پورا ہونے میں کوئی مخالف احتمال باقی نہیں رہا۔ اصلی اور پورے اجزا سے بنی ہوئی یونانی ادویات اور انکی طرز فروخت میں تہذیب و ترقی دواخانہ کا مقصد ہے جسے یہ پورا کرتا ہے۔ بہت سی اس قسم کی ادویات جو مختلف امراض کے لئے عام طور پر اطبا برتتے ہیں۔ بلکہ حکما کے وہ اعلیٰ نسخے جو صرف رؤسا و امرا کو میسر آتے تھے بالکل اصل مثل اس دواخانہ میں تیار رہتے ہیں اور وہ اچھی قیمت پر فروخت ہوتے ہیں

اس دواخانہ کی آمدنی مدرسہ طبیہ و زنانہ شفاخانہ کو دیجاتی ہے

نیز جناب حاذق الملک بہادر نے اپنا اور اپنے زندہ جاوید بزرگوں کی خاص خاص دوائیں بھی اس دواخانہ کو عطا فرمائی ہیں صحت تندرستی ایک جوہر بے بہا ہے اور ہر ایک انسانی جسم اس جوہر کا گنجینہ ہے لیکن تمام ارباب وطن کو ان اعلیٰ اور منتخب یونانی اور ویدک ادویات سے جو اس دواخانہ میں خاص اہتمام سے تیار ہوتی ہیں فائدہ اٹھانا چاہیئے اور اس کے ساتھ اس کار خیر کی مدد کا موقع ملتا ہے۔ خوبی انتظام اور حسن عمل کے سبب مختصر سی مدت میں دواخانہ نے غیر معمولی ترقی کی ہے

دواخانہ کا پتہ { [illegible]

مخزن

کلام الملوک ملوک الکلام

ملک معظم قیصر ہند دام ملکہ کے دربار تاجپوشی اور اس کے حالات اور انتظامات پر ملک کے تمام روزانہ وہفتہ وار انگریزی اور اردو وغیرہ ہر زبان کے اخبارات میں ایسی تفصیلی بحث ہو چکی ہے کہ اب اس کے کسی پہلو کو خاص طور پر دکھلانے کی نہ گنجائش ہے۔ اور نہ حاجت۔ اور مخزن کے گزشتہ نمبر میں بھی اس کے متعلق جو کچھ لکھنا تھا وہ بالاختصار لکھا جا چکا ہے۔ اب اس دربار کا اہم تاریخی اور علمی حصہ ذیل میں اور درج کیا جاتا ہے۔ یعنی اعلیٰ حضرت قدر قدرت بندگان عالی متعالی شہنشاہ جارج پنجم قیصر ہند دام اقبالہٗ کے اعلان و فرمان ذی شان کی عبارت اور حضرت عالی مرتبت ہز ایکسلنسی نواب گورنر جنرل بہادر کشور ہند کے اعلام نامہ کی نقل مخزن کے صفحات میں دیجاتی ہے۔ کیونکہ یہ فرمان و اعلان ایک شاندار تاریخی یادگار ہے۔ اور علمی رسائل کے صفحات کا ان سے

مُزین نہ کیا جاتا ایک بہت بڑی فروگذاشت ہوتی :-

تقریرِ مُبارک

اعلیٰحضرت اقدس قوی شوکت قدر قُدرت قیصرِ ہند

نہایت شکر اور خوشنودی کا مقام ہے کہ ما بدولت واقبال آج آپ لوگوں کے درمیان یہاں رونق افروز ہیں۔ یہ سال علیا حضرتِ اقدس قیصرۂ ہند اور ما بدولت واقبال کے لئے بہت سی بڑی رسُوماتِ مسعُود اور غیر معمُولی مگر خوشگوار مصروفیت کا رہا ہے۔ لیکن باوجود عدیم الفرصتی اور فاصلہ کے ہماری گذشتہ تشریف آوری ہندوستان کی با مسرت یادگاریں پھر ہمیں اُس سرزمین کی طرف کھینچ لائی ہیں جس سے ہم کو اُس وقت دلی اُلفت ہو گئی تھی۔ لہٰذا ہم نہایت اشتیاق سے اتنے لمبے سفر پر اس ملک کو دوبارہ دیکھنے کے لئے روانہ ہوئے جہاں پہلے بھی اپنے گھر کی طرح ہماری خاطر و مدارات ہوئی تھی۔

اس اقدام میں ما بدولت واقبال نے اپنے اُس ارادۂ سنیہ کو پورا کیا ہے جو گذشتہ ماہ جولائی کے شاہی اعلان میں ہم نے ظاہر فرمایا تھا کہ ہم بذاتِ اقدس خود آپ لوگوں کو مطلع فرمائینگے کہ ہماری تاجپوشی کی رسم مُبارک وسٹ منسٹر ایبے میں بائیس ۲۲ جُون کو عمل میں آئی۔ جب خدا تعالےٰ کے فضل وکرم سے ہمارے بزرگوں کا متبرک تاج قدیمی اور مقدس رسوم کے ساتھ ہمارے سر مُبارک پر رکھا گیا۔

علیا حضرت قیصرۂ ہند کے ہمراہ ہماری تشریف آوری سے ظاہر ہے کہ ما بدولت و اقبال کو وفادار والیانِ ریاست اور فرمانبردار رعایائے ہندوستان سے کس قدر محبت ہے اور مملکتِ ہندوستان کی بہبودی اور خوشحالی ہمارے خواطر مبارک کو کس قدر منظور ہے۔

علاوہ بریں ہماری یہ بھی خواہش تھی کہ جو لوگ تاجپوشی کی رسمِ مبارک کے ادا ہونے کے وقت حاضر نہ ہو سکے تھے اُن کو دہلی میں تاجپوشی کے اعلان کے دربار میں شریک ہونے کا موقع ملے۔

ما بدولت و اقبال اور علیا حضرت قیصرۂ ہند کو یہ مجمعِ عظیم اور اس میں اپنے گورنر۔ معتمد اولیائے دولت۔ والیانِ معظم۔ لوگوں کے عمائدین اور اپنی مملکتِ ہندوستان کی جنگی افواج کے چیدہ اشخاص دیکھ کر مسرت اور خوشنودی حاصل ہوئی ہے۔

ما بدولت و اقبال کو قلبی خوشی حاصل ہوگی کہ وہ ہماری ذاتِ اقدس کے قدومِ میمنت لزوم میں اُس اطاعت اور بیعت کا اظہار کریں جو وہ وفاداری سے کرنا چاہتے ہیں۔

اس احساس سے ہماری خاطرِ مبارک پر نہایت اثر ہوا ہے کہ اس تاریخی موقع پر والیانِ ریاستہا اور رعایا کے خلوص کے جذبات اور بامحبت صادقانہ اظہارات اُن کو ہمارے ساتھ متحد کرتے ہیں۔

ان اظہارات کی قدردانی کے لئے ما بدولت و اقبال کی رائے مبارک قرار پائی ہے کہ اپنی تاجپوشی کے جشنِ مبارک کی یادگار اپنی مرحمتِ مخصوص اور الطافِ شاہانہ کے بعض علامات سے قائم فرمائیں اور ہم امر فرمائینگے کہ ہمارے گورنر جنرل آج موقع مناسب پر اس مجمع کے حضور

میں اُن کا اعلان کریں۔

آخرالامر ما بدولت و اقبال اس موقع پر نہایت مسرت سے بذاتِ خود اُن عہود کی تجدید فرماتے ہیں جن کی بابت ہمارے معظم اسلاف آپ لوگوں کو مطمئن کر گئے ہیں کہ آپ کے حقوق اور اختیارات برقرار رکھے جائینگے اور آپ کی بہبودی۔ رفاہیت اور خوشحالی ہمیشہ ہمارے مدنظر رہیگی۔

دُعا ہے کہ فضلِ الٰہی ہماری رعایا کے شاملِ حال رہے اور ہم کو توفیق عطا کرے کہ اُن کی خوشحالی اور اقبال مندی کی ترقی کے لئے اپنی سعی بلیغ میں ہم کامیاب ہوں۔

مابدولت و اقبال تمام حاضرین اور اپنے زیرِ حمایت رؤسا اور رعایا کو موردِ مرحمت اور الطافِ شاہانہ فرماتے ہیں +

اعلان

جو

اعلیٰ حضرت ملکِ معظم قیصرِ ہند دام ملکہٗ و اجلالہٗ نے خود زبانِ مبارک سے فرمایا

مابدولت کمال خوشنودی سے اعلان فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے وزرا کی صلاح اور گورنر جنرل ان کونسل کے مشورہ سے فیصلہ کر دیا ہے کہ

گورنمنٹ آف انڈیا کا صدر مقام بجائے کلکتہ کے قدیم دار السلطنت دہلی کو تبدیل کر دیا جائے اور ساتھ ہی اس تبدیلی کے بعد جس قدر جلد ممکن ہو۔ احاطہ بنگال میں گورنر کا عہدہ قائم ہو جائے۔ علاقہ بہار۔ چھوٹا ناگپور۔ اور اوڑیسہ علیحدہ ایک لفٹنٹ گورنر کے تحت میں ہو۔ اور علاقہ آسام میں ایک چیف کمشنر کا عہدہ قائم کر دیا جائے۔ ملکی انتظام کی غرض سے ان تمام حدود وغیرہ کا فیصلہ گورنر جنرل ان کونسل بمنظوری صاحب وزیر ہند بہادر کرتے رہینگے۔

مابدولت کی دلی خواہش ہے۔ کہ اس تبدیلی سے کشور ہند کے بہترین انتظام اور ہماری عزیز رعایا کی خوش حالی و بہبودی میں زیادہ امداد ملے +

اعلان

حضرت مستطاب اشرف گورنر جنرل ممالک ہندوستان

اس اعلان کے ذریعہ سے سب کو واضح ہو کہ حسب الامر اعلیٰ حضرت اقدس قدر قدرت جارج پنجم بادشاہ مملکت متحدہ برطانیہ عظمےٰ و آئرلینڈ و اقالیم سرکار انگریزی ماوراء البحر۔ حامی دین۔ قیصر ہند ایجانب بحیثیت گورنر جنرل اعلیٰ حضرت ممدوح ان عطیات۔ رعایات۔ معافیات اور عنایات کا اظہار کرتے ہیں۔ جو اعلیٰ حضرت اقدس موصوف نے اداراہ

مرحمت و الطاف شاہانہ اس جلیل الشان اور قابل یادموقع پر عطا فرمائی گئی
اعلیٰحضرت اقدس ممدوح کے ارادہ سنیہ کی اطاعت اور فرمانبرداری
بندگانہ اور خوشنودی خاطر مبارک ہمایونی کے لئے سرکار عالیہ ہند نے
حضرت مستطاب اشرف وزیر ہند کی منظوری سے تسلیم فرمایا ہے کہ علمی
ترقی کے حقوق مملکت ہندوستان کے معقولات پر فوقیت رکھتے
ہیں اور ایک نہایت مستحسن اقتضا کے لحاظ سے یہ عزم فرمایا ہے کہ
جہانتک ممکن ہو ہندوستان میں تعلیم کو سہل بناکر وسعت دینے میں
اقدام فرمائیں۔ اس مقصود کو مدنظر رکھکر سرکار عالیہ نے تجویز فرمایا
ہے کہ واقعی مقبول عام تعلیم کی ترقی کے لئے فی الفور پچاس لاکھ روپیہ
عنایت فرمائیں اور سرکار عالیہ کا عزم بالجزم ہے کہ اس رقم کے علاوہ
جس کی منظوری اب دی گئی ہے۔ سالہائے آیندہ میں بھی کشادہ دلی
سے اور رقوم عطا فرماتے رہیں۔

اعلیٰحضرت قیصر ہند نے مرحمت و الطاف شاہانہ سے اپنی بری
و بحری فوج کی نمایاں اور باصداقت خدمات کی قدردانی کے لئے
ایجانب کو امر فرمایا ہے کہ ہندوستان میں مقیم انگریزی اور
ہندوستانی افواج کے تمام ماتحت افسروں اور سپاہیوں اور امدادی
فوج کے ماتحت افسروں اور سپاہیوں اور ہندوستان کی شاہی
بحری فوج میں ان کے مساوی درجہ کے عہدہ داروں اور ان محکمہ جات
کے تمام مستقل ملازموں یا نہ لڑنے والے نوکروں کو جن کی تنخواہ
افواج کے خرچ کے روپیہ سے دی جاتی ہے اور پچاس روپیہ ماہوار
سے زیادہ نہیں ہے آدھے مہینے کی تنخواہ منصبی کے عطیہ کا اعلان کیا گیا

علاوہ بریں اعلیحضرت اقدس ممدوح نے مرحمت شاہانہ سے امر فرمایا ہے کہ بعدازیں ہندوستانی افواج کے وفادار ہندوستانی افسروں اور سپاہیوں اور امدادی افواج کے ہندوستانی افسروں اور سپاہیوں کو بہادری کے لئے نشان وکٹوریا کراس کے عطیہ کا استحقاق عطا کیا جاوے۔

نیز یہ کہ نشان آرڈر آف برٹش انڈیا کے ممبروں کی تعداد اعلیحضرت اقدس ممدوح کے اس دربار تاجپوشی کے بعد سالہائے عشرہ میں اوّل درجہ میں باون اور دوم درجہ میں ایک سو تک بڑھائی جائے اور اُن تاریخی رسوم مسعود کی تقریب میں پندرہ نشان درجہ اوّل کے اور انیس نشان درجہ دوم کے فوراً عطا کئے جائیں۔

نیز یہ کہ بعدازیں فرانٹیئر ملشیا کور اور ملٹری پولیس کے ہندوستانی افسروں کو نشان مندرجہ فوق حاصل کرنے کا استحقاق عطا کیا جائے۔

نیز یہ کہ زمین کے خاص عطیات یا جاگیرات یا معافیات جیسا مقتضی ہو۔ اعلیٰ حضرت اقدس ممدوح کی ہندوستانی افواج کے بعض ہندوستانی افسروں کو جو طول طویل اور معزز خدمت کے لئے ممتاز ہوں اس موقع پر عطا کیجاویں۔

نیز یہ کہ وہ خاص وظائف جو اب نشان انڈین آرڈر آف میرٹ کے ممبران متوفی کے بیوگان کو فقط تین سال کے لئے دیئے جاتے ہیں اس دربار کی تاریخ سے اُن تمام بیوگان کے انتقال یا ازدواج ثانی تک آئندہ برقرار رکھے جائیں۔

نیز اعلیٰ حضرت اقدس ممدوح نے اپنے ملازمان محکمہ جات ملکی کے

حسنِ خدماتِ صادقہ کی قدردانی کے لئے اینجانب کو امر فرمایا ہے کہ اُن تمام مستقل ملازموں کو جو سرکارِ عالیہ کی ملکی خدمات میں مشغول ہیں اور جن کی ماہوار تنخواہ پچاس روپیہ سے زیادہ نہیں آدھے مہینہ کی تنخواہ کے عطیہ کا اعلان کریں۔

علاوہ بریں اعلیٰ حضرتِ اقدسِ ممدوح نے ازراہِ مرحمت والطافِ شاہانہ امر فرمایا ہے کہ اُن تمام معزز اشخاص کو جنہیں خطابات دیوان بہادر و سردار بہادر و خان بہادر و رائے بہادر و راؤ بہادر و خان صاحب و رائے صاحب و راؤ صاحب قبل ازیں عطا ہو چکے ہیں یا بعد ازیں عطا ہوں عزت اور احترام کے ممیز نشانات عطا کئے جاویں اور اُن فضلا کو جنہیں مہامہو پادھیا یا اور شمس العلما کے معزز خطابات قبل ازیں مرحمت ہو چکے ہیں یا بعد ازیں مرحمت ہوں۔ ہندوستان کے قدیمی علوم کی نام آوری کے لئے کچھ سالانہ وظائف عطا کئے جائیں۔

علاوہ بریں اس دربارِ عظیم الشان کی یادگار اور نمایاں خدماتِ ملکی کے صلہ میں بعض عطیاتِ زمین معہ معافیٔ مالیات سرکاری صاحبِ عطیہ کی زندگی تک یا حکومتِ مقامی کے اختیار سے ایک اور پشت تک صوبہ سرحدی شمال مغربی اور بلوچستان میں عطا یا برقرار کئے جائیں۔

اعلیٰ حضرتِ اقدسِ ممدوح نے ازراہِ مرحمت و الطافِ شاہانہ وفادار والیانِ ریاست ہائے ہندوستان کی بہبودی کو ملحوظ رکھ کر اینجانب کو اعلان کرنے کا امر فرمایا ہے کہ بعد ازیں اُن کی اپنی ریاستوں میں گدی نشینی کے موقع پر اُن سے بطورِ نذرانہ کچھ نہ لیا جائے اور سرکارِ عالیہ کے بعض متفرق قرضے جو کاٹھیاواڑ اور گجرات کی بلا اختیار

ریاستوں اور نیز میواڑ کے رؤسا سے بھومیا کے ذمہ ہیں حسب الحکم سرکار عالیہ ہند تماماً یا جزواً معاف کئے جائیں۔

افواج امپیریل سروس کی قدردانی کے لئے بعض افسروں کو آرڈر آف برٹش انڈیا کے نشانات عطا کئے جائینگے۔

اعلیٰ حضرت اقدس ممدوح نے ازراہ ترحم و مرحمت شاہانہ امر فرمایا ہے کہ بعض قیدی جو ارتکاب جرائم اور تقصیرات کے لئے بالفعل قانوناً سزا پا رہے ہیں قید سے رہا کئے جائیں۔ اور تمام اشخاص مدیون دیوانی جو اس وقت محبوس ہیں اور جن کے قروض کم اور اُن کا باعث فریب نہیں۔ بلکہ واقعی افلاس ہے۔ قید سے رہا اور اُن کے قروض ادا کئے جائیں۔

اُن اشخاص کے نام جو ان عطیات۔ رعایات۔ معافیات اور عنایات سے مستفیض ہونگے مع تفصیل اور شرائط متعلقہ کے بعد ازیں شائع کئے جائینگے۔

قیصر ہند کو خدا سلامت رکھے۔

دربارِ تاجپوشی

دلی مٹ گئی۔ مغلیہ حشمت فسانہ ہوگئی۔ فرش پاستان اُٹھوایا گیا۔ آسمان سینکڑوں چکر کھا چکا مگر پرانی دلی کی جھلک دیکھنی نصیب نہ ہوئی پر نہ ہوئی۔ چشمِ لیل و نہار انتظار سے مُندہ جانیکو تھی کہ دفعتہ قدرت کے چابکدست کاریگر امداد کو آپہنچے۔ دلی کے نصیب جاگے۔ اعلیٰ حضرت شہنشاہ جمجاہ جارج پنجم خلد اللہ ملکہٗ و علیا حضرت قیصرۂ معظمہ محتشمہ دام اجلالہما نے دلی میں دربارِ تاجپوشی منعقد کرنے کا اعلان کیا۔ دیگر باشندگانِ ہند بالعموم اور مسلمان بالخصوص جو مذہباً اپنے ولی نعمت تاجدار کو ظل اللہ فی الارض خیال کرتے اور اس کے دیدار کو روحانی انبساط سمجھتے ہیں۔ بیتابانہ ہمہ تن چشم۔ چشم براہ تھے کہ دیکھئے کب وہ ذات قدسی صفات اپنے قدوم میمنت لزوم سے تیرہ خاک ہند کو منور کرتی اور اپنے دیدار فرحت آثار سے اُس کے اہالیان کی اُمیدوں کے کنول کھلاتی ہے۔ مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ بفحوائے ؎

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک   آتش شوق تیز تر گردد

لوگوں کی بیتابی بڑھتی جاتی تھی۔ آخر خدا خدا کرکے شب ہجراں طے ہوئی اور صبح اُمید کا آفتاب نکلا۔ ۲۔ دسمبر کے یادگار روزگار روز جان افروز کو شہنشاہِ معظم و ملکہ معظمہ ایدھما اللہ ساحلِ ہند پر قدم رنجہ فرما کر شائقین منتظرین کی آنکھ میں سرمہ کشش مراد ہوئے جس جس

نے دیکھا بے اختیار مرحبا کہا۔ ہر مذہب و ملت اور ہر طبقہ و پیشہ کی رعایا نے بے ساختہ بارک اللہ کا گیت گایا۔ ورودِ شہنشاہی کے روز بمبئی کا عالم نہ پوچھئے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ قدرت نے منکرین کی خاطر مشہور فسانہ جشنِ جمشید کو بہمہ تزک و احتشام لاکر سامنے رکھدیا۔ جب تک تاجدارانِ ہند وہاں رونق افروز رہے۔ روز روزِ عید اور شب شبِ برات رہی ۷۔ ماہ حال کو زمانہ کی وسیع ترین سلطنت کے فرمانروا جنکے زیرِ سایہ ہر رنگت۔ زبان اور مذہب کے لوگ آباد ہیں۔ بلدۂ شہنشاہی دہلی میں داخل ہوئے۔ آپ کے داخلہ کا عمل تھا کہ دہلی مرحوم کا صورِ اسرافیل یکایک اس کے استخوانِ رمیم میں جان پڑگئی۔ اور وہ شاخِ نبات کی طرح پستی زمین سے اٹھی اور طفلِ نوخیز کی طرح شگفتگیٔ دل اور انبساطِ خاطر کی زندہ تصویر بنکر اہلِ عالم کے سامنے آگئی۔ ورودِ شہنشاہی کا روز بھی دلی کے کیلنڈر میں آبِ زر سے لکھا رہیگا۔ ہندوستانی شرافت۔ دولت اور سطوت کا عطرِ مجموعہ شہنشاہِ جہاں پناہ کی قدمبوسی کو حاضر تھا اور زمزمۂ شہنشاہی کی لے میں محو و بیخود۔ سلطنتِ ہند نے خیر مقدم کا ایڈریس پیش کیا۔ آل انڈیا کنگ ایڈورڈ میموریل کے سنگِ بنیادی کے نصب کرنے کے لئے شہنشاہ معظم سے درخواست کی گئی۔ ان دنوں میں ہندوستان کی کروڑہا رعایا برایا کی جانب سے ارادت و عقیدت کا اظہار کیا گیا۔ شہنشاہ سلامت نے جواب باصواب سے سرافراز کیا اور ہندوستانی رعایا کے جذباتِ وفاداری و نمکحلالی کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے ان کے امن و اطمینان اور فارغ البالی و مرفہ الحالی کی دعا مانگی۔ حضورِ ممدوح کے ہر دو جواب متذکرۃ الصدر ہم بزبانِ اردو ہدیۂ ناظرین کر چکے ہیں۔ جن

جذبات و خیالات کا اظہار سیاست پناہ کی زبان خلائق ترجمان سے ہوا وُہ سب کے سب صداقت اور حقیقت کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ اور انہیں ہم اہلِ ہند کی قسمت کی انجیل کے نام سے یاد کر سکتے ہیں۔

آج ۱۲۔ دسمبر کا روز بھی کیسا ہی فرخندہ فال ہے۔ کہ ہمارے شہنشاہ کیوان بارگاہ معہ ملکہ ثریا جاہ دلی میں جسے ہندی امصار کی ماں کہنا چاہیئے۔ اپنی کروڑہا رعایا کے درمیان تخت نشین اور تاجپوش ہوتے ہیں۔ ؎

ہوا عبیر فشان است و ابر گوہر بار

جلوسِ گل بسریر چمن مبارکباد

ایک طرف تو دنیاوی تزک و احتشام کے ساز و سامان کی کثرت سے ملکی جنگی لاٹ۔ گورنر۔ کمشنر۔ راجہ۔ مہاراجہ۔ نواب۔ رئیس و دیگر مختلف فرقہ جات ہند کے قائمقام دربار گوہر بار میں جبہ سائے نیاز ہیں۔ شہنشاہی کر و فر سے جو مشرقی اور مغربی تہذیب کا مجموعہ ہے۔ شانِ ایزدی کی جھلک اور رعبِ ملکوتی ٹپک رہا ہے۔ دوسری جانب گرجوں۔ مسجدوں۔ مندروں۔ عبادتخانوں میں ہز مجسٹی کی درازیِ عمر۔ ترقیِ جاہ اور برتریِ اخلاق کی دعائیں کیجا رہی ہیں۔ اِن سب کے درمیان ہز مجسٹی کو دیکھئے۔ اِس جلوہ اقبالِ خداوندی کی زرق برق کے باوجود وہ اپنے گرانبار فرائض اہم کو دل میں جا دیتے ہوئے ہیں۔ اِس تفاوت کو ملاحظہ کیجئے کہ فرعون نے ہاتھی دانت کے تخت پر چھوٹی سی ریاست کی حکمرانی کے غرور سے دعوائے خدائی کیا اور ہزارہا مجبور رعایا سے سجدہ کرایا۔ مگر آج نوعِ انسان کی ترقی پر نگاہ ڈالیئے۔ اِس سلطنت کا واحد تاجدار جس کی سلطنت میں آفتاب کبھی غروب نہیں ہوتا۔ اور جس کے زیر نگین سینکڑوں فرعون سے (جاہ و حشم کے نقطہ خیال سے) بدرجہا

بڑھکر حکمران ہیں - نہایت عجز و نیاز اور خضوع و خشوع سے درگاہِ ایزدی میں اپنی رعایا کے سامنے دُعا مانگتا ہے کہ مولا! مجھے وسیع الخیالی - روشن ضمیری اور کار آگہی عنایت کر - تاکہ میں اپنے فرائض سے بوجوہِ احسن سبکدوش ہوں اعلانِ شہنشاہی پڑھا جا رہا ہے - ایک ایک لفظ سنایا جاتا ہے اور سامعین کے غنچۂ دل کھلے جاتے ہیں - اعلانِ شہنشاہی ہندوستان کے مستقبل کی روشن و شاندار پیشنگوئی ہے - اور ابد الدہر نہ صرف تاریخِ ہندوستان میں بلکہ تاریخِ عالم میں زرین حروف میں لکھا جائیگا -

ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ ایک غیر مُلک کا رہنے والا بادشاہ صلح و امن کا فرشتہ بنکر ہندوستان میں رونق افروز ہے - جابر اور قہار کشورکُشا - مثلاً سکندر - محمود - تیمور - بابر جو بری راہ سے ہند میں داخل ہُوئے - اور البقرق اعظم و دیگر پرتگیز و ولندیز حملہ آور جو بحری راستہ سے یہاں چڑھکر آئے سب کے سب بزورِ شمشیرِ بے پناہ خلقِ خدا کو حلقۂ غلامی میں داخل کرتے رہے - مگر آج مُلک کی خوش قسمتی سے وُہ زمانہ آپہنچا ہے کہ ہمارے انگلستانی تاجور نے ہمارے جسموں کو بزورِ شمشیر نہیں بلکہ ہمارے دلوں کو بزورِ اخلاق مسخر کر لیا ہے - اور اسکا اعلان محولہ بالا حملہ آوروں کی طرح قتل و غارت کا نہیں بلکہ امن و حفاظت کا ہے - ہم مسلمانانِ ہند کی جانب سے بالعموم اور وطن کی جانب سے بالخصوص ہز میجسٹی کو اس تاجپوشی پر صدقِ دل سے مبارکباد دیتے ہیں - انکے راج سے وُہ وُہ برکات ہمیں حاصل ہو رہی ہیں کہ ہم بے اختیار یکدل و یک زبان ہو کر درگاہِ احکم الحاکمین سے دُعا کر رہے ہیں کہ ؎

جب تلک یارب! چراغِ مہر و مہ میں نور ہے
جب تلک ظلمت رُبائی نور کا دستور ہے
جب تلک فانوسِ تن میں شمعِ جاں مستور ہے
استعارہ جلوہ گاہِ ایزدی کا طُور ہے
پرچمِ اقبالِ انگلستان لہراتا رہے - سایۂ آسائش و آرام جگ پاتا رہے

اڈنبرا اسلامک سوسائٹی

گلائے شکستہ بالی کہ بموسم بہاراں
تو ز باغ دور بردی بہزار کشت مارا

یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ملک انگلستان میں بھی جاکر ہمارے مسلمان نوجوانوں کے دل میں اصول مذہبی کا خیال جوش زن رہتا ہے۔ آجکل کا وہ زمانہ نہیں کہ ولایت میں اردو بولنا اور سننا حکایت خواب و خیال تھی۔ اس زمانے میں وہاں نہ صرف اردو زبان بولی جاتی ہے۔ بلکہ مسلمانوں کا اپنے مذہبی رسوم آزادی ادا کرنا بھی دائرۂ ممکنات میں داخل ہو گیا ہے۔

اڈنبرا اسلامک سوسائٹی کی طرف سے جس کو ہستی میں آئے ہوئے آج کوئی تین سال ہوئے ہیں۔ عید الضحیٰ کی نماز اور لنچ کا انتظام کیا گیا تھا۔ یہاں بروز شنبہ ۲۰ دسمبر ۱۹۱۱ء کو عید منائی گئی۔

ملی ہے تو بھی ہمیں آکے آج عید کہاں

اڈنبرا کے ایک نامی ہوٹل میں عید منانے کی تیاریاں ہوئیں نماز کے لئے خاص طور پر انتظام کیا گیا اور لنچن کے ساتھ دیگر سامان سرود کا لطف بھی رہا۔ نماز پڑھانے کے لئے ایک مصری طالب العلم کو پیش امام قرار دیا گیا اور کوئی چالیس آدمیوں نے صف بستہ کھڑے ہو کر نماز عید ادا کی۔ بعد نماز کے پیش امام نے خطبہ پڑھا جس کے اختتام

پر جماعتوں نے آپس میں معانقہ کیا اور عطر تقسیم ہوا۔ سوسائٹی کی طرف سے اکثر غیر مسلم طلبا اور پروفیسر بھی مدعو کئے گئے تھے۔ لیکن پر کوئی بچپاس آدمی زیب وہ میز تھے۔ بعد لنچ کے تقریریں ہوئیں اور درمیان میں تفریحی نظمیں دلکش لحن سے گائی گئیں جو اگرچہ انگریزی تھیں لیکن تب بھی ایک گونہ بیخودی کے لئے کافی تھیں۔

بہی خواہان اسلام کو اس بات کی بہت خوشی ہوئی کہ اہل تسنن وتشیُّع دونوں نے ایک ہی پیش امام کے ساتھ نماز ادا کی۔ اور پہلو بہ پہلو کھڑے ہو کر دونوں نے اس بات کو مدِّ نظر رکھا کہ ہم سب ایک ہی خدا کے بندے اور ایک ہی رسول کی اُمّت اور سب مسلمان بھائی ہیں اور اس بات کو خارج از ذہن کر دیا کہ ہم شیعہ اور تم سُنی ہو۔ افسوس ہے ہندوستان پر جہاں اتفاق کی اسقدر ضرورت ہی اور خصوصاً آجکل جبکہ ہر چہار طرف سے اسلامی دُنیا پر حملے ہو رہے ہیں۔ لیکن مسلمان ہندوستان میں اب بھی اس بیخ دہ مسئلہ کو نہیں چھوڑتے ہر سال محرم میں بیسیوں کے سر ٹوٹتے ہیں۔ پچاسوں آپس میں لڑمرتے ہیں اور جانے کیا کیا نہیں کرتے کاش تمام مسلمانانِ دُنیا متفق الرائے ہوتے اور ایک فرقہ دوسرے کی مدد کرتا لیکن افسوس صد ہزار افسوس کہ معاملہ برعکس ہی۔ جس کا نتیجہ یہ ہی کہ دشمنانِ اسلام کا بھلا ہو رہا ہی۔ اور کشتیِٔ اسلام بحرِ خطر میں مثل ایک بلبلہ غرق شدنی کے تَوَکَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ پڑھ رہی ہے۔

میرا منشا ان چند جملوں کے لکھنے سے خصوصاً یہ ہی کہ گو ہماری اس سوسائٹی میں مصری ترکی ہندوستانی اور افغان طلبا جو اہل تسنن وتشیع دونوں میں سے سب موجود ہیں لیکن ایک کو بھی اپنے اپنے خاص فرقہ کا خیال کبھی نہیں ہوتا

اور آپس میں سب ایک ہی مذہب کے پیرو ایک دوسرے کو سمجھ کر مثل شیر و شکر ملے ہوئے ہیں مگر وائے افسوس کہ ہندوستان میں دو آدمی بھی اگر فرقہائے مخالف کے ہوں تو آپس میں نہیں نباہ سکتے۔ خدا کرے کہ ان حقیر جملات کو دیکھکر ہمارے ہندوستانی بھائیوں کے دلوں میں بھی اتفاق و اتحاد کو استحکام ہو۔

سوسائٹی کے پریسیڈنٹ جو اس موقع پر چیرمین مقرر کئے گئے تھے۔ اپنی اسپیچ میں مدعو اصحاب کو خیر مقدم کہا اور اس بات کی مسرت ظاہر کی کہ غیر مسلمان اور مسلمان جو ایک ہی یونیورسٹی کے طالب علم ہیں اس قدر اتحاد ہے۔ بعدہٗ اطالیہ اور روس کی بدسلوکیں اور اس ظلم کو جو ٹرکی اور ایران کے ساتھ کیا گیا اور کیا جا رہا ہے بتایا۔ محمد عبد اللطیف سعید صاحب نے اپنی اسپیچ میں عید الضحیٰ کے معنے اور رسوم غیر مسلم اصحاب کو سمجھائے۔

اسکے بعد دوسری معاصر سوسائٹیوں کے پریسیڈنٹوں نے بھی اسپیچیں دیں اور ان میں سے ایک دو نے یہ کہا کہ اسلامی سوسائٹی کو اس بات کا فخر کرنا چاہیے کہ اس نے ایک ایسے اہم کام کا انجام دینا اپنے سر لیا ہے۔

ڈاکٹر باربر نے جو یونیورسٹی کے اُستادوں میں سے ہیں۔ چیرمین صاحب کا شکریہ ادا کیا جس کے سلسلہ میں میرزا رضا خان صاحب نے بھی چھوٹی سی اسپیچ دی۔ کوئی ۴ بجے کے قریب تک محفل عید گرم رہی جو تقریباً ۱۲ بجے سے شروع ہوئی تھی۔ لیکن چونکہ اب اندھیرا ہوا جاتا تھا۔ اس لئے لوگوں نے یکے بعد دیگرے جانا شروع کیا اور تھوڑی ہی دیر میں یہ کیفیت ہوگئی کہ

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی۔ سو وہ بھی خموش تھی

میرزا حسن علیخان (سیکرٹری)

تہ زمینی

یعنی

مالکانہ یا زرِ مالگذاری

ذیل کا مضمون ہمارے مکرّم منشی صادق علی خاں صاحب سیکنڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول سرینگر کشمیر کے اُن مضامین کا ایک نمبر ہے جنکا سلسلہ سالگذشتہ کے کئی پرچوں میں سرمایہ اور محنت وغیرہ عنوان سے نکل چکا ہے۔ اور یہ مضمون اس تمام سلسلہ میں ایک نہایت مفید اور کار آمد مبحث پر تحریر فرمایا گیا ہے:-

تہ زمینی کے معنے اغلباً ان چھوٹے چھوٹے مضامین کے تمام سلسلہ میں جو سنہ ۱۹۱۱ء کے چند پرچہ ہائے مخزن میں نکلتے رہے ہیں یہ مضمون ہمارے ناظرین کے لئے سب سے زیادہ موجبِ دلچسپی ہوگا۔ ہندوستان کے سرمایہ اور محنت کا سب سے زیادہ بلکہ بیشتر حصہ کاشت زمین کی نذر ہوتا ہے لہٰذا تہ زمینی یا کرایہ زمین یا جیسا کہ بعض اوقات غلطی سے اس کو لگان یا ٹکس زمین سے موسوم کیا جاتا ہے کی مقدار اور ماہیت کا مسئلہ ایسا ہے کہ ہر وقت لوگوں کے پیشِ نظر رہتا ہے۔ پس از بس ضروری ہے کہ جن اشخاص کو کاشتِ زمین سے تعلق ہے تہ زمینی کے معنے اور اس کی اصلیت صاف صاف طور پر ذہن نشین کرلیں۔ تہ زمینی درحقیقت وہ کرایہ ہے جو

زمین کے استعمال یا زمین کے حق کاشت کے لئے ادا کرنا ہوتا ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کرایہ کی مقدار کیونکر معین ہوتی ہے۔

یہ تو ظاہر ہی ہے کہ بعض زمینیں اچھی ہوتی ہیں اور بعض خراب بعض شہر [illegible] کے قریب واقع ہوتی ہیں۔ درحالیکہ دیگر اراضی دور دراز جنگل میں یا [illegible] اور منڈیوں سے فاصلہ پر ہوتی ہیں۔ پھر بعض بلند اور پانی کی پہنچ سے دور [illegible] بعض نشیب میں واقع ہوتی ہیں۔ کنوئیں یا نہر سے جن کو آبپاشی [illegible] آسانی ہو سکتی ہے۔ اور پھر بعض ریگستانی اور جھاڑی دار یا گھاس والی زمینیں بھی ہوتی ہیں کہ انکو کوئی کاشت نہیں کرتا اور اگر کرتا بھی ہے تو ان سے صرف اتنا منافع ہو سکتا ہے کہ کرایہ زمین بھی پورا ادا نہیں ہوتا۔ [illegible] زمین سے پہلے پہل صرف اسی قدر پیداوار ہونی ممکن ہے کہ کاشتکار اپنے بیج اور مشقت کا معاوضہ پا سکے یا اس سے زائد یہ حاصل ہوتا ہے کہ مالک زمین کو بھی کچھ بطور مالکانہ کے دیا جا سکے۔ یہ زائد فائدہ [illegible] کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ برخلاف اسکے ایسی زمینیں بھی ہیں اگر مالک زمین اپنا مالکانہ یا تہ زمینی نہ لے تو اُن سے کاشتکار کو اراضی مذکورۃ الصدر کی نسبت معقول فائدہ ہو۔ رقم تہ زمینی جو مالک زمین کو بطور حق ملکیت یا [illegible] حق کاشت کے معاوضہ میں ادا کیجاتی ہے۔ اس سے تمام کاشتکاروں کی حالت خواہ وہ اچھی زمین پر کام کرتے ہوں خواہ بری پر درجہ مساوات پر آجاتی ہے۔

رسم ورواج | پس تہ زمینی سے اچھی بری زمین کی کاشت کے نسبتی فوائد ظاہر ہوتے ہیں۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ تہ زمینی کی جو تعریف بیان ہوئی اسی کے مطابق ہر صورت اور ہر حال میں لگان لگایا جاتا ہے اور خصوصاً

ایک ہی قسم کا بہت سارقبہ ہو تو اس پر بھی بالکل اسی اصول کے موافق عمل ہوتا ہے۔ مزید برآں تہ زمینی عموماً آجکل رسم و رواج کے مطابق مقرر کی جاتی ہے اور خصوصاً اس زمین پر جو برطانیہ کے زیر آئین اضلاع میں کاشت کیجاتی ہے۔ منافع قلبہ رانی کا عُشر عشیر بھی مقدار مالگذاری نہیں مقرر ہوتا۔ دانشمند مالک زمین کا اصول یہ ہونا چاہئیے کہ زمین کا سارا منافع خود ہی نہ لے بلکہ اس کا بہت سا حصہ کاشتکار کو چھوڑ دیا کرے تاکہ بڑے سے بڑے یعنی اچھی فصل نہ ہونے کی صورت میں یا دیگر دنیاوی خانگی مصائب پیش آجانے کی حالت میں وہ حصہ اس کے کچھ کام آسکے اور اس کی محنت کا معاوضہ ہو سکے۔ مالک زمین کا فرض ہے کہ کاشتکار کی حوصلہ افزائی کیا کرے تاکہ وہ زمین کی حیثیت میں ترقی دے اور اس کو خراب نہ کرے۔ یہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ زمین زیر کاشت پر چند سال کے لئے اس کے قبضہ کے استقلال کی کچھ صورت ہو۔ یا اگر انہیں سے زیادہ وصول کیا جاتا ہے تو ان کا واجب اور مناسب معاوضہ بھی دیا جائے۔

مالکانہ یا تہ زمینی کی معافی یا موقوفی کا اثر :۔

اگر زمین کا تمام محصول یا معاملہ موقوف کر دیا جائے تو اگرچہ کاشتکار کو پہلے پہل کچھ فائدہ ہوگا مگر عوام الناس کو اس سے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا خوراک کی قیمت میں کمی نہ آئے گی۔ کیونکہ جیسا کہ ہماری ضروریات کی قیمت والے عنوان کے مضمون میں بیان ہو چکا ہے۔ خوراک کی لاگت کا مدار اچھی زمینوں پر نہیں ہے۔ بلکہ بُری زمینوں پر ہے۔ پس اگر تمام تہ زمینی یا مالکانہ بھی معاف کر دیا جائے تو بھی اس کی حالت میں کچھ فرق نہیں آئیگا۔ جس کے پاس بدترین زمین ہے۔ کیونکہ وہ تو پہلے ہی

کچھ مالکانہ ادا نہیں کر سکتا تھا اور اس لئے وہ اپنا اناج ارزاں فروخت کرنے کے قابل نہیں۔ اور جب اس نے اپنا اناج ارزاں فروخت نہ کیا تو وہ شخص جس کے پاس بہترین اراضی ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا اناج بھی بلحاظ کیفیت ضرور بہتر ہوگا۔ کیوں اُسے ارزاں فروخت کرنے لگا۔ اس لئے جس قدر منافع اس کو ہوگا وہ اپنے جیب میں رکھیگا اور بہت عرصہ نہیں گذرنے پائیگا کہ کوئی مالدار شخص آ پہنچیگا اور اس زمین کو جس سے ایسا معقول فائدہ ہوتا ہے۔ خرید کرکے کاشتکار کو نکال باہر کریگا اور کوئی دوسرا کاشتکار جو اسکو معقول محصول ادا کرنے پر راضی ہوگا اس کی جگہ لاکر کھڑا کردیگا۔ مگر قطع نظر ان باتوں کے کوئی وجہ نہیں ہے کہ کسی کاشتکار کو زمین مُفت بلا محصول کاشت کے لئے دیجائے۔ اگر وہ کسی کے گھر میں رہیگا تو کیا کرایہ نہ ادا کریگا۔ یا اگر کسی سے ہل پائیگا تو اُن کے استعمال کے لئے کچھ رقم نہیں بھریگا۔ پس زمین کے استعمال کے لئے بھی بعینہ اسی طرح اس کو کچھ نہ کچھ دینا ضروری ہے۔ زمین کو مفت بلا کرایہ حاصل کرنے کا صرف ایک ہی طریق ہے اور وہ یہ کہ یا تو آدمی خرید کرکے یا بطور ورثہ حاصل کرکے اس کا مالک بنے۔

قبضہ کے اقسام:۔

یورپ کی طرح ہندوستان میں بھی قبضہ زمین کی بہت سی قسمیں ہیں۔ جس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے۔ کہ جس قسم کا قبضہ ہو مالکِ زمین اس کے مطابق مالکانہ وصول کرتا ہے۔ مگر اصول سب میں ایک ہی قائم رہتا ہے اور وہ یہ کہ زمین کے منافع میں کم خواہ زیادہ کا مالکِ زمین ضرور شریک ہوتا ہے۔ ہندوستان میں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مقامات میں معاملہ

ہمیشہ کے لئے مقرر ہے۔ بعض جگہ دس بیس یا تیس سال کے بعد اس پر نظر ثانی ہوتی ہے۔ پھر بعض علاقوں مثلاً ہند کے احاطہ بمبئی کی طرف اصلی کاشت پر ہر سال محصول مقرر کیا اور لگایا جاتا ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان صورتوں میں سے کوئی ایک صورت بھی ہندوستان کے سے وسیع ملک کی تمام اراضی کے لئے بہترین ہے اور تمام دنیا کا نوز کر ہی کیا ہے؟ آب وہوا اہل ملک کے عادات و مصائل اور حکومت کے استحکام اور اس کے انصاف پر بہت کچھ موقوف ہے۔

ہندوستان کے زیادہ تر حصہ میں اصلی مالکِ زمین سرکار برطانیہ ہے جو محصول واجب الادا کو ہمیشہ مقرر اور معین کرتی رہتی ہے کہ ہر کاشتکار کو یا ہر گاؤں کو کیا ادا کرنا ہے۔ لیکن ایک صدی کا عرصہ گذرا کہ صوبہ بنگالہ کا ایک معتدبہ حصہ سرکار نے بروے بند وبست استمراری ایک خاص شرح محصول پر موجودہ زمینداروں کے آبا و اجداد کو علی الدوام عطا کر دیا۔ اب معلوم ہوا ہے کہ وہ ایک بہت بھاری غلطی تھی۔ جس سے صرف سرکار دولت مدار ہی کا نقصان نہیں ہُوا۔ بلکہ غریب رعایا کو بھی بہت ضرر پہنچا ہے۔ جن کے حقوق بروے کاغذاتِ بند وبست کافی طور پر محفوظ نہ کئے گئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ درحالیکہ آجکل بنگال میں زمین کی مالیت بے حد ترقی کر گئی ہے اور سو سال گذشتہ کی نسبت شاید دس یا پندرہ گنا ہو گئی ہے۔ سارا یا تقریباً سارے کا سارا نفع زمیندار کو جاتا ہے۔ اور نہ تو سرکار ہی کا اس سے کچھ فائدہ ہوتا ہے اور نہ کاشتکار ہی کا۔ وہ لوگ جن کے باپ دادا اُس وقت تحصیلدار یا محاصلِ مالیہ سے زیادہ حیثیت

نہیں رکھتے تھے۔ آجکل وسیع تعلقوں کے دولتمند مالک بنے بیٹھے ہیں اور بدقسمتی ہے ان میں سے بہت سے ایسے ہیں کہ ملکیت زمین کے فرائض کو نہیں جانتے۔ اور نہیں سمجھتے کہ غریب اور نادار کے کیا کیا حقوق امیر اور مالدار کے ذمہ ہوتے ہیں۔ اب کوشش ہو رہی ہے کہ ایک جدید قانون مالیہ کے رو سے ان مشکلات کو رفع کیا جائے اور اُمید ہے کہ اس سے مالیہ کا نامناسب اضافہ نہ ہوگا۔ بلکہ کاشتکاروں کو قبضہ میں استقلال نصیب ہوگا۔ اور ساتھ ہی مالک اراضی کے لئے اپنے واجب مالکانہ کا بآسانی اور بروقت وصول کرنا ممکن ہوگا۔ اس معاملہ کا قدرتاً اس طرح طے ہونا کہ سب فریق خوش ہو جائیں ایک مشکل امر ہے۔ اور جب تک کہ طرفین اس بات کے لئے تیار اور مستعد نہ ہوں کہ آیندہ امن و راحت کے لئے اگر سر دست کچھ تھوڑا سا نقصان بھی برداشت کرنا پڑے تو اس کو برضا و رغبت منظور کر لیں اس وقت تک ہر دو یعنی مالکِ زمین اور کاشتکار کو خوش کرنا تقریباً غیر ممکن ہے۔

ہندوستان بھر میں عموماً اور بنگال میں خصوصاً سڑکوں اور ریلوں کی بڑی حد تک وسعت سے کاشتکار اس قابل ہو گیا ہے کہ اپنی پیداوار کے لئے زمانہ پیشین سے بہت بہتر قطعاتِ اراضی حاصل کرے۔ پس اُسے آمادہ ہونا چاہئے کہ اپنے منافع کا کچھ حصہ زمیندار یا گورنمنٹ کی نذر کرے۔ جس نے یہ تمام ریلیں لوگوں کے فائدے کے لئے بنائیں اور جس نے اس کو ٹیرول اور سپاہیوں کے دستِ تطاول و تعدیات سے نجات اور پناہ بخشی جو کہ رعایا کو لوٹ لیتے تھے اور

اُن پر طرح طرح کے ظلم و ستم اور عذاب نازل کرتے تھے ۔ زمانہ موجودہ کا کاشتکار اُن تکالیف کو بھول گیا ہے جن سے اس کے باپ دادا کو سابقہ پڑتا تھا اس وقت کاشتکار سے ہل چلانے والے بیلوں کی نسبت کچھ بہتر سلوک نہیں ہوتا تھا ۔ اچھے سالوں میں تو البتہ اسے پیٹ بھر کھانا نصیب ہو جاتا تھا ۔ لیکن بُرے وقتوں میں وُہ بھوک سے نیم جان ہی رہا کرتا تھا ۔

پُرانے زمانہ میں کسی شخص کو بھی یہ علم نہیں ہوتا تھا کہ ہمیں کس قدر مالیہ سرکار کو اس سال ادا کرنا ہے اور نہ یہ اطلاع ہوتی تھی کہ کس وقت ہم سے مطالبہ ہوگا ۔ اگلے وقتوں میں بادشاہان دہلی کی ماتحت زمینوں پر فصل کے پُورے پیداوار کی ایک تہائی اور بعض اوقات نصف بطور مالیہ ادا کرنا پڑتا تھا ۔ اور جب کبھی سمت نہیں ہوتا تھا یا بیماری پھوٹ پڑتی تھی تو لوگ ہزاروں کی تعداد میں مرتے چلے جاتے تھے ۔ اور سینکڑوں دیہات بے کاشت پڑے رہتے تھے اور گاؤں کے گاؤں بے چراغ ہو جاتے تھے ۔ انہیں قصبات کو آجکل ملاحظہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ وُہ آبادی اور شادابی کے مرکز بنے ہُوئے ہیں ۔ بدقسمتی سے اب بھی ہندوستان کے بعض حصص یعنی دیسی ریاستوں میں مالیہ نہایت بے ترتیبی اور جابرانہ طریق پر لگایا جاتا ہے ۔ لیکن یہ اُمید پڑتی ہے کہ رفتہ رفتہ وہاں بھی سرکارِ انگریزی کے طریق عمل کی پیروی کیجائیگی اور اس کا باقاعدہ اور منصفانہ اصول تقرر لگان اختیار کیا جائے گا ۔

مالیہ زیرِ انتظامِ سرکارِ انگریزی برٹش انڈیا میں سرکاری زمین کا محصول کسی حالت میں بھی پیداوارِ اراضی کے پندرھویں حصہ سے زیادہ نہیں ہوتا اور نشیبی ممالک میں تو اکثر اس قدر ہلکا لگان بندھا ہے کہ پیداوار کے تیسویں حصہ

تک پہنچ جاتا ہے۔ اِس طرح ایک معقول بچت کاشتکار کو چھوڑ دی جاتی ہے کہ بُرے سموں اور کم پیداوار کے موسموں کا جبر نقصان ہو جائے۔ اور وُہ اپنے گھر اپنے مال مویشی اور اپنے آلات قلبہ رانی کی حالت درست کر سکے۔ برٹش گورنمنٹ کی یہ آرزو ہے کہ رعیت سود خوروں کے پنجہ سے آزاد ہے۔ لیکن یہ بات اس وقت تک ممکن نہیں۔ جب تک کہ رعایا خود خبردار نہ ہو جائے۔ اور فضول میلوں تماشوں اور بیاہ کی تقریب پر دعوت کے جلسوں میں اچھے وقتوں کا روپیہ اُڑانے سے باز رہنا نہ سیکھ جائے اس کے لئے مالیہ کا کم کرنا کچھ بھی سودمند نہیں ہو سکتا۔

صادق۔ از سرینگر کشمیر

انجمن ترقی اُردو نے مدت کے بعد پھر کروٹ لی ہے۔ اور اس کے سکرٹری مولوی عزیز مرزا صاحب کی طرف سے قدیم شرکار و سرپرستانِ انجمن کے نام ایک اپیل تجدیدِ عہدِ سرپرستی و شرکت کے لئے شائع کی گئی ہے ہم کو اُمید ہے کہ زبانِ اُردو کے حامی اور سرپرست ضرور اس انجمن کی تقویت میں حصہ لینگے۔

اور اس کے متعلق مولوی عزیز مرزا صاحب سکرٹری انجمن ترقی اردو بنک روڈ۔ لکھنؤ سے خط و کتابت کرینگے۔

شہر دِلّی کے دریُوزہ گر فقیر

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

دُنیا میں ایک مثل "ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی چلی آتی تھی مگر مسلمانوں نے اُسے سچ کر دکھایا۔ ایک صدی کے اندر سارے جہاں میں اسلام پھیلا دیا۔ اسلامی سلطنتیں قائم کر دیں۔ اسلامی آئین قوانین جاری کر دیئے۔ شرعی اور دینی مدرسے کھول دیئے۔ ایک عالم کو اپنا کر لیا۔ ہزاروں لاکھوں غیر قوم اور غیر مذہب والے بڑے چاؤ کے ساتھ دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے اور اس مقدس مقولہ کی تصدیق ہو گئی یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا اِس ترقی کا راز صرف یہ تھا کہ مسلمان اپنے اصولِ مذہب کے سخت پابند تھے۔ ان کا تمدن۔ ان کی معاشرت اور اُن کے سارے کام قرآن اور حدیث کے موافق ہوا کرتے تھے اور لَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ان کا عقیدہ تھا اور فی زمانا مسلمان جو نکمتروں ڈوب گئے اور بد اقبالی اور ذلت ان پر نازل ہو گئی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں نے قرآن اور حدیث کو فراموش کر دیا اور اب ان کی نیکی بدی۔ اور ان کی بھلائی بُرائی ان کے ہنر عیب۔ اور ان کے ثواب عذاب ہو گئے ہیں۔

نفقہ صدقہ زکوٰۃ اور خیرات کا تذکرہ اول تو قرآن پاک میں جا بجا

کیا گیا۔ ماں۔ باپ۔ اقربا۔ یتیم۔ مسکین۔ فقیر۔ مسافر۔ عامل۔ مولفۃ القلوب قرمن دار۔ تاوان بھرنے والے۔ قیدی وغیرہ وغیرہ کے نام لیکر ان کے حق بتائے گئے۔ پھر احادیث میں اُن کی تشریح کی گئی۔ پھر حضرات فقہا نے ان مصارف کو مُونشگافی کے ساتھ ارقام فرمایا۔ پھر جناب صوفیا نے سلوک کی کتابوں میں یہ مسائل لکھدیئے۔ تاکہ مسلمان اپنی گاڑھی کمائی کو سوچ سمجھ کر صرف کریں اور اپنے حاجتمند اور مستحق بھائیوں کو فائدہ پہنچائیں۔ مگر افسوس ہے اہل اسلام نے اس موقع پر بڑی بے پروائی سے کام لیا اور خیرات وزکوٰۃ کو بے قاعدہ اور بے محل دے دے کر قوم کا ستیاناس کر دیا اور اس ناموزون نیکی نے قوم کے حق میں وُہ کام کیا جو ہیرے کی کنی انسان کے دل اور جگر کے ساتھ اور تیز خنجر گلے کے ساتھ کرتا ہے۔ صدقہ وخیرات کے جو لوگ اہل اور مستحق تھے وُہ بھوک پیاسے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اور سِسک سِسک کر مر گئے اور موٹے تازے لفنگے فقیری کی آڑ میں مُفت کی رقمیں مار مار کر دولتمند بنگئے۔

مَیں کسی اور مُلک یا شہر کا نام نہیں لیتا۔ صرف دلی کی نسبت اپنا تجربہ ظاہر کرتا ہُوں کہ اس کی بے قاعدہ خیرات نے یہاں کے مسلمانوں کو برباد کر دیا۔ بھیک کا چلتا نسخہ دیکھکر بیٹھے کتنے جوان بوڑھے عورت مرد لڑکے لڑکیاں شریف رذیل گداگری کے لئے اُٹھ کھڑے ہُوئے اور حرام کے لقمے کھا کھا کر ایسے مدھوڑ اور سُست ہو گئے کہ ہِلنی چلنی بھی پھوڑنی انکو دشوار ہو گئی۔ دلی میں کچھ دن پہلے ایک باسلیقہ ماما روپیہ مہینہ اور کھانے پر منسی خوشی مل جایا کرتی تھی جو نہ

شام کھانا پکاتی تھی۔ بازار سے سودا سلف لاتی تھی۔ گھر میں جھاڑو بہارو دیتی تھی۔ سلفچی اوگالدان مانجھتی تھی اور ماتھے پر بل نہ ڈالتی تھی۔ اور اب یہ حال ہے کہ ماما گھِس لگانے کو نہیں ملتی۔ چار چار روپے مہینہ اور دونوں وقت کھانا دیا جاتا ہے اور ماما کے نخرے ٹھیک نہیں۔ تُنک کر کہتی ہیں۔ "ایسی کیا پڑی ہے جو مہینہ بھر اپنا خون پانی ایک کریں۔ چوٹی کا پسینہ ایڑی تک آجائے۔ جب کہیں چار روپلیاں دیکھنے میں آئیں۔ خدا جامع مسجد کی سیڑھیاں سلامت رکھے۔ جن پر بیٹھ کر ہم دھیلی پاؤلی روز کما لیتے ہیں"۔ ایک بڑی بی بیس برس سے صبح ہی ہمارے محلہ میں تشریف لاتی ہیں۔ بڑی بھاری تھیلی اُن کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ ہر گھر سے ایک ایک مُٹھی آٹا لیتی ہیں اور تھیلی میں ڈالتی جاتی ہیں۔ ۹-۱۰ بجے تک پانچ سیر آٹا اکٹھا کر لیتی ہیں اور بازار میں جا کر بیچ ڈالتی ہیں اور جو کوئی انجان اُنکو ٹوکتا ہے کہ اکیلی دم کے کارن روز سیروں آٹا جمع کرتی ہو۔ ایسی بھی کیا طمع تو کہتی ہیں "بیٹا میں کمیرُل میں مسجد بنوا رہی ہوں۔ بھیک کا سارا پیسہ اُسی میں لگا دیتی ہوں"۔ الغرض دلّی کے بالیاقت بھِک منگے بھیک مانگتے ہیں۔ وہ وہ جوہر دکھلاتے ہیں کہ امانت لکھنوی اور نظیر اکبرآبادی کی روح قبر میں شرما جاتی ہے۔ آموں کا موسم ہوگا تو فقیر صاحب فرمائینگے "بابا ایک سخی نے سرولی کے آم کھلوا دیئے اب تو دو آنہ کا دودھ ہمیں پلوا دے"۔ برسات میں جب ملیریا بخار شہر میں پھیل جائیگا تو برقع پوش بڑی بی فرمائینگی اس بندی کو دس دن سے بخار آتا ہے۔ منضج کے لئے تو اللہ کے ایک پیارے نے

اٹھنی دیدی تھی مگر کچہری کا بندوبست نہیں ہوا۔ اس لئے جلاب میں دیر ہوئی چلی جاتی ہے۔ آپ مدد کریں تو میں تندرست ہو جاؤں اور آپ کی جان و مال کو دعا دوں۔ جمعرات تو گویا اس گروہ کی عید ہے۔ صبح ہوتے ہی ان کے جھلڑ کے جھلڑ اور لشکر دروازوں پر آموجود ہوتے ہیں کوئی مسجد کے لئے بدھنیاں کوئی چٹائی کوئی مٹکا کوئی چراغ کے لئے تیل۔ کوئی سقاوہ کے لئے ایندھن مانگتا ہے۔ بعض فقیر ایسے ہیں کہ وُہ مہینہ کی صرف پہلی کو آتے ہیں اور پیسہ پیسہ وصُول کر کے دس بیس روپیہ ایک دن میں فراہم کر کے اپنے گھر جا بیٹھتے ہیں۔ بعض فقیر آدھی رات کو محض اس غرض سے آکر سوال کرتے ہیں کہ لوگ انکو سچا حاجتمند جانیں اور جو کچھ بن پڑے وُہ دیدیں۔ بعض فقیر صبح کی نماز سے پہلے آکر صدا کہتے ہیں۔ بعض فقیر سواری کے ساتھ دَوڑتے ہیں اور اس قدر مشاق ہو جاتے ہیں کہ چار پانچ فرلانگ بگّی کے ساتھ بھاگے چلے جاتے ہیں۔ دینے کی جی میں نہیں ہوتی۔ مگر اُسے ہانپتا کانپتا دیکھکر خوفِ خدا آجاتا ہے اور دینا پڑتا ہے۔ بعض گدا سارنگی لیکر آتے ہیں اور گا بجا کر نقد جنس لیجاتے ہیں۔

دِلّی کے گداگر فرقوں میں سے ایک قوم کا نام خُرمہ ہے۔ خُرموں کا بڑا جتھا ہے۔ شہر سے باہر صدر۔ تیلی واڑہ۔ سبزی منڈی۔ اور پُرانی عیدگاہ میں آبادی کے کناروں پر رہتے ہیں۔ اُنہوں نے دریوزہ گری کیلئے دِلّی کو متعدد ڈویژن اور علاقے بنا کر آپس میں بانٹ لیا ہے۔ اپنے اپنے علاقے اور ڈویژن کے سوا دُوسرے خمرہ کی سرحد میں کوئی خُمرہ یا خُمری جا کر بھیک نہیں مانگ سکتی ہے۔ جب بیٹی کا بیاہ ہوتا ہے تو خوش حال

خمرہ اپنے علاقوں میں سے ایک علاقہ اپنی بیٹی کے جہیز میں دیتا ہے
خمریاں روزانہ بھیک مانگنے کے علاوہ محرم کے عشرہ میں چار چار پانچ
پانچ اکٹھی ہوکر شہر میں آتی ہیں اور نوحہ اور مرثیہ پڑھ پڑھ کر بہت کچھ لیجاتی
ہیں۔ عرسوں اور میلوں میں پرا باندھ کر کھڑی ہو جاتی ہیں اور جو آدمی
پیدل یا سوار اچھا لباس پہنے ہوئے گذرتا ہے اس کے ساتھ دُور تک
دُعائیں دیتی چلی جاتی ہیں اور ایک پُر تاثیر لہجہ میں اس کی تعریف کرتی ہیں
سُننے والا اُن کی اس زمزمہ سنجی سے آخر پسیج جاتا ہے اور کچھ نہ کچھ جیب
میں سے نکال کر اُن کو دے جاتا ہے۔ دریوزہ گری کے سوائے یہ قوم
نواڑ بُنتی ہے ڈُگڈگیاں اور جھنجھنے بناتی ہے۔ اور پڑی بیچتی پھرتی ہے۔
یہ قوم کبوتر بھی پالتی ہے جو قد آدم گہرے کھتوں میں رہتے ہیں۔ علی الصباح
یہ کبوتر کھولدیئے جاتے ہیں۔ اور یہ فقیر منش کبوتر اناج کی منڈی اور
دوکانوں کے قریب جاکر جو اور گیہوں کے گرے پڑے دانوں سے
اپنا پیٹ بھر کر گھر آتے ہیں۔ اور بچوں کو بھرانے کے لئے کھتوں میں
اُتر جاتے ہیں۔ مگر بے رحم خمرہ ایک ایک کبوتر کو پکڑکر قے کرواتا ہے اور
اس کے پوٹے میں سے ایک ایک دانہ اناج کا اُگلوا لیتا ہے۔ اور
کبوتر کو اُڑا دیتا ہے۔ کبوتر پھر دانہ کھاکر آتے ہیں اور یہ پھر اُن کے پیٹ
میں سے نکال لیتا ہے اور اسی طرح دس بیس پھیروں میں چار پانچ سیر اناج
گھر بیٹھے خمرہ کما لیتا ہے۔ شام کو جو کبوتر دانہ کھاکر آتے ہیں۔ تو پھر انکو
نہیں چھیڑا جاتا۔ تاکہ وُہ کھاپی کر چاق رہیں اور کل کی کمائی میں ویرنہ ہو۔
یہاں مَیں نے دِلّی کے مسلمان دریوزہ گروں کے صرف چند اصول گدائی
بیان کئے ہیں۔ ورنہ ماشاءاللہ یہاں بھیک مانگنے کے ڈھنگ بہت

نئے نکلتے ہیں۔ اور اس بھیک نے دلّی کے بڑے بڑے اُونچے گھرانوں کو نیچا دکھا رکھا ہے۔ ہزاروں مسلمان شریف اور شریف زادے دستکاری اور پیشہ وری چھوڑ چھوڑ کر گداگری کرتے ہیں۔ اور اُن کی ہمت سلب ہو گئی ہے۔ جب وُہ اپنی جھولی میں پراٹھے۔ روغنی روٹی۔ چپاتی۔ نان پاؤ۔ اور بسکٹ دیکھتے ہیں تو اُن کی باچھیں کھُل جاتی ہیں اور خوش ہو کر شعر گنگناتے ہیں۔ ؎

شرابِ ناب ہے ہر رنگ کی اپنے پیالے میں
وُہ طرہ کون گل میں ہے کہ جو ہے شاخ لالے میں

کاش حضراتِ دلّی اہل سخا خیرات دیتے وقت شرعی قاعدہ کے ساتھ اہل نا اہل اور مستحق غیر مستحق دیکھ لیا کریں تو قوم برباد نہ ہو۔ اور اجر بھی خاطر خواہ ملے۔ انگریزوں کو دیکھئے کہ رہیں امریکہ میں اور مشن کے لئے روپیہ ہندوستان بھیجیں۔ رہیں ہندوستان میں اور مشن کے لئے روپیہ بھیجیں لندن۔ خدا مجھے اور قوم کو تدبّر نصیب کرے +

حکیم سید ناصر نذیر فراق دہلوی

ہما نے اَوجِ سعادت ہو آشکار اپنا | کہ تاجپوش ہُوا آج تاجدار اپنا
اُسی کے دم سے ہی عزت ہماری قوموں میں | اُسی کے نام سے قائم ہے اعتبار اپنا
اسی سے عہدِ وفا ہندیوں نے باندھا ہے | اسی کے خاکِ قدم پر ہے دل نثار اپنا

محمد اقبال

کاغذی گھڑی

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

میرے کہنے پر وُہ لباس بھی صفا پہننے لگی۔ اور حُسن کو کپڑا تیز کرے یا نہ کرے۔ توجہ کو اپنی طرف ضرور کھینچ لیتا ہے۔ مَیں نے دیکھا کہ ویرو کے لباس کا کپڑا اپنی جنس کی تمام تاثیریں رکھتا تھا۔ اور لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچتا تھا۔ اور یہاں مضمون۔ سُرخی مضمون سے کچھ کم دلچسپ نہ تھا۔

برسات کے کیڑوں کی طرح ویرو کے چاہنے والے پیدا ہو گئے۔ یہ امر مجھے بہت ناگوار گذرا۔ مگر مَیں اُس کے باپ کو کچھ کہنے کی جرأت نہیں کرتا تھا اور کوئی باپ ہو اُسے اپنی اولاد بوڑھی ہو کر بھی بچہ معلوم ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر کوئی ویرو کو اُس کی آنکھوں کے سامنے گود میں لیکر بیٹھ جاتا تو وُہ یہی خیال کرتا کہ بچّہ سمجھ کر پیار کرتا ہے۔ اور میری نگاہ اِس معاملہ میں کچھ ایسی تیز ہو گئی کہ جس شخص کو ابھی دو روز بعد ویرو پر عاشق ہونا ہے۔ مَیں اُسے پہلے ہی تاڑ جاتا تھا۔ البتّہ اس کو کھیلنے کے لئے باہر لیجاتا تھا اور لیسٹر کو مَیں نے سنبھال لیا۔ اُسے پڑھنے کے لئے ایک قاعدہ دیا۔ اور دفتر میں اُس کی حاضری مقرر کر دی۔ پھر وُہ تنہا نکل جایا کرتی اور اب گویا ایک پاسبان جو اُس کے ساتھ ہوتا تھا وُہ مَیں نے آپ ہٹا دیا۔ آخر مَیں نے اشاروں کنایوں سے اس کے باپ کو کہا کہ

لڑکی کو کھانا پکانا سینا پرونا سکھلانا چاہیئے۔ اور اس طرح رفتہ رفتہ اُس کا گھر سے نکلنا بند کر دیا۔ پھر لوگ اُن کے گھر میں آکر جمع ہوتے تھے۔ اب مَیں نے انہیں قلیوں کے عام جتھے میں سے نکال کر اپنے مکان میں لا رکھا۔ اِس عرصہ میں میرے تعشق کا گھر گھر چرچا ہونے لگا۔ اور لڑکی کی حفاظت کرتے کرتے مجھے بھی ایسی عادت ہو گئی کہ وُہ نظر نہ آئے تو چین نہیں پڑتا تھا۔ اتنا مجھے یقین تھا کہ لوگ میرے مُنہ پر کہ لیں۔ ٹلسی کے مُنہ پر نہیں کہ سکتے۔ وُہ مزاج کا بہت تُند تھا۔ اس طرح بھی ایک عرصہ گذر گیا۔ لڑکی میں بچپن کی ادائیں کم اور جوانی کی زیادہ ہوتی جاتی تھیں مگر اُس کے مزاج میں اب بھی ایسا تلوّن موجود تھا کہ کوئی شخص اُسے دن بھر دیکھتے رہنے کے باوجود شام کو یہ فیصلہ نہیں کر سکتا تھا کہ وُہ بچہ ہے یا جوان۔ اور مَیں؟

مجھے خلد بریں کا لُطف آرہا تھا۔ مَیں ٹلسی سے اچھا سلوک کرتا تھا۔ اور دونوں بچّوں کو بھی چاہتا تھا۔ اس کے عوض وُہ سب بھی مجھے چاہتے تھے لیکن آہ! یکایک میرے خلدِ بریں میں سانپ داخل ہو گیا۔ ایک روز دفتر سے واپس آکر کیا دیکھتا ہُوں کہ وُہ سارا کنبہ باپ بیٹا بہن بھائی تینوں چاروں بیٹھے ہُوئے پھلوں کا ناشتہ کر رہے ہیں۔ وُہ پھل عدن میں نہیں ہوتے تھے اور ہندوستان سے آکر بہت گراں قیمت پڑتے تھے۔ قلی چھ مٹنے۔ میری یہ طاقت نہیں تھی کہ اِس فراخ دلی سے منگوا کر کھا لیا۔ مَیں نے پُوچھا کہ یہ پھل کہاں سے آئے۔ اس کے باپ نے کہا کہ بابو رُلدارام نے دیئے ہیں۔ رُلدو رام انڈیا سے ایک نیا ٹائم کیپر آیا تھا میں نے اُس کا سب حال سُنا ہُوا تھا۔ وُہ گھر سے آوارہ تھا۔ اور میری طرح

اُس نے بھی مُلک مُلک کی خاک چھانی ہُوئی تھی۔ چین۔ برہما۔ جاپان سے گھومتا ہوا وُہ عدن میں آ پہنچا تھا۔ عمر میں مجھ سے چھوٹا۔ شکل و صورت کا حسین۔ فضول خرچ۔ عیاش۔ وُہ ایسا ہی ایسا شخص تھا جس کی رفاقت خطرناک ہوتی ہے۔

اِس سے پیشتر مَیں ویرو کو کھلونا سمجھتا تھا مگر رُلدو رام کا نام سُنکر میرے جسم میں ایک بجلی سی کوند گئی اور اس لمحہ کے بعد دنیا مجھے اَور کی اَور نظر آنے لگی۔ تُلسی کچھ عجب قیافہ ناشناس آدمی تھا ورنہ میرا رازِ دل اُسوقت میرے چہرے پر کتاب کی طرح لکھا ہُوا تھا۔ مَیں نے جی میں ٹھان لی کہ کل رُلدو رام وہاں نہ ہوگا اور دُوسرے روز صُبح اُٹھتے ہی اُسے دفتر میں بُلوایا اور تبدیلی کا حکم سُنا دیا۔ میرا خیال ہے کہ اُس نے بھی میری بابت سُن لیا ہوگا۔ اُس کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ اُسے اپنی تبدیلی کی وجہ معلوم ہے۔ وُہ میری طرف اس طرح دیکھتا تھا جیسے بکرا دمِ ذبح قصاب کی طرف۔ مگر یہ نظر میرے لئے کچھ اچنبھا نہ تھی ویرو کے سب چاہنے والے میری طرف اِسی نظر سے دیکھتے تھے۔ اُس نے وہیں رہنے کے لئے بہت منت سماجت کی مگر مَیں نے ایک نہ مانی۔ مایوس ہوکر وہ مارٹن صاحب کے پاس چلا گیا۔ اور مارٹن صاحب نے میرا حکم برطرف کر دیا۔ اب لوگوں کی نظروں سے نہاں مگر آپس میں علانیہ جنگ شروع ہوگئی۔ رُلدو رام کا یہ خیال تھا کہ مَیں ویرو کے دِل پر قبضہ کروں۔ اور میری یہ کوشش کہ مَیں کروں۔ یہ جنگ اشارۃً کنایۃً تلسی کے سامنے۔ تمام لوگوں کے سامنے جاری رہتی تھی۔ فتح کرنے کے قلعے بوس و کنار نہ تھے۔ ابھی معمولی باتوں پر رضامندی کی موجیں تھیں

پر جنگ ہو رہی تھی اور شاید ویرو کو پہلے سے میرا حکم ماننے کی عادت پڑ گئی
تھی۔ یا شاید جذبِ دل بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ میرے حریف کو شکست
پر شکست ہوتی تھی۔ مگر اس نے حملہ کا دُوسرا پہلو اختیار کیا۔ یعنی تلسی
کو محاصرہ میں لینا چاہا۔ یہ مورچہ میرے نزدیک کچھ قابلِ غور نہ تھا۔ ایک روز
میں بُخار سے لیٹا ہوا تھا۔ ویرو مجھے پانی وغیرہ دینے کے لئے پاس بیٹھی
ہُوئی تھی۔ کرُلدو رام تلسی کے ہمراہ میری مزاج پُرسی کو آیا۔ اُس نے مجھے
بیمار سمجھکر فائدہ اُٹھانا چاہا اور پھر جنگ شروع کر دی۔ مگر ویرو کو میرے بُخار
سے ہمدردی تھی اور اُس روز اُس نے بلاشک وشُبہ یہ امر ہم دونوں
پر واضح کر دیا کہ رامچند فتحمند ہے اور رُلدو رام کو شکست فاش۔ اشاروں
کنایوں میں۔ مَیں حیران تھا کہ اسے بچہ سمجھوں یا جوان۔ وُہ اشارے
اور کنائے طفلانہ ادائیں بھی سمجھے جا سکتے تھے۔ اور اُس کے باپ نے
یہی سمجھا۔ اور وُہ نہایت نفیس تر یا چرتر بھی خیال کئے جا سکتے تھے۔
ہم دونوں نے انہیں یہی خیال کیا۔ رُلدو رام کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وُہ
اُس روز پھر میرے گھر کی طرف نہیں آیا۔ میرے دل میں ویرو کا بہت ہی ممنون
احسان تھا اور مَیں صاف الفاظ میں اُس کا شکریہ ادا کرتا۔ مگر اُس روز
بیمار پُرسی کرنے والوں کا ہجوم رہا اور شام تک مجھے موقعہ نہ ملا۔ شام کو
اور لوگ آ گئے اور رات کے نو بجے تک میرے پاس جمگھٹا رہا۔ اِس عرصہ
میں ویرو اور اُس کا چھوٹا بھائی دونو سو گئے۔ نو بجے کے بعد لوگ بھی
اُٹھکر چلے گئے اور تلسی بھی ننھّو کو ساتھ لیکر چکر لگانے کو نکلا۔ پہلے
تو مَیں اسی کشمکش و پیچ میں رہا کہ بیدار کروں یا نہ کروں۔ اور آخر شاید
بُخار کی بے ہوشی سے یا جوشِ الفت یا شرمِ احسان سے مَیں نے یہ فیصلہ

کرلیا کہ بیدار کرنا مناسب نہیں اور ے

توبخوابِ ناز بودی کہ من از رقیب پنہاں
کفِ پات بوسہ دادم زحنا شنیدہ باشی

ہی کافی ہوگا۔ صرف کفِ پا کی جگہ لبِ لعل تبدیل کردوں۔ لحاف اوڑھے ہوئے مَیں اُٹھا۔ کمرے میں شمع گل کردی ہوئی تھی۔ مگر چاند کی روشنی سے کچھ دھندلی سی روشنی تھی۔ اُس کے رُخ سے کپڑا ہٹاکر مَیں نے ایک شکر گذار اور اُلفت بھرا بوسہ دیا اور واپس اپنے بستر پر آلیٹا۔ مَیں نے مشکل سے لحاف اپنے گرد لپیٹا تھا کہ اُدھر ویرو نے چلّانا شروع کردیا۔ میرا جوشِ اُلفت۔ اور خیالِ شکر گذاری سب ہَوا ہوگئے۔ مسٹر حذّہا یقین جانیئے مَیں نے اُس کی بہت منت خوشامد کی کہ وُہ چُپکی ہو مگر وُہ ظالم اَور زور سے چلّانے لگی۔ اتنے میں بشیر بھی جاگ اُٹھا اور مَیں نے سوچا کہ اس کے سامنے کچھ کہنا اقبالِ جرم کرنا ہے۔ اُس لڑکے نے بھی بہت پُوچھا کہ کیا ہوا۔ کیوں روتی ہو مگر وُہ برابر چلّایا کی۔ آخر اُس نے تنگ آکر کہا "چل تجھے لالہ کے پاس لے چلوں" اور وہ دونوں کمرے سے نکلکر چلدیئے۔ اِس کے بعد شاید ایک سو سال گذر گیا یا دوسو۔ مجھے تو اس سے بھی زیادہ معلوم ہوتا تھا۔ طرح طرح کے خیالات میرے دِل میں آتے تھے کہ ایسی کم عقلی کا نتیجہ کیا ہوگا۔ یہ مجھے یقین تھا کہ تلسی کا سا تند مزاج آدمی اب مجھے جیتا نہیں چھوڑے گا۔ مگر زیادہ تر عرقِ شرم مجھے شہرت کے خیال سے آتا تھا۔ اس قدر مجھے پسینہ آیا کہ میں گرین فناسٹین سے نہ آئے اور بخار اُتر گیا۔ صرف عرقِ شرم سے۔ اور پھر میں یہ سوچنے لگا کہ وُہ میرے سر پر تلوار ماریگا۔ یا سینے میں گولی۔ یا شاید گلا گھونٹ دے۔ اور پھر مَیں یہ سوچتا تھا کہ مَیں اپنی ساری دولت اور آئندہ دس بارہ سال کی تنخواہ کے وعدہ پر

اس کی خاموشی خریدوں۔ اُس وقت مَیں نے عذابِ دوزخ دیکھ لیا۔ آخر فرش پر اُس کی آواز آئی۔ نتھو بھی ساتھ تھا۔ اور ویرو بھی ہچکیاں لیتی آئی تھی۔ کمرے کا دروازہ کھلا اور مَیں لحاف لپیٹ کر دم بند کرکے چپکا پڑگیا۔ وُہ سب اندر داخل ہوئے اور تلسی نے نتھو کو کہا "بیٹا آگ جلاؤ" آگ! تب مجھے خیال آیا کہ مجھے ویسے قتل کرکے اُنہیں پھانسی کا ڈر ہوگا۔ گھر کو آگ لگا دینا آسان تدبیر ہے۔ میرا دم لبوں پر اٹک رہا تھا۔ آگ جلی تو اُس نے کہا "بیٹا پانی گرم رکھو"۔ پانی؟ پانی سے کیا مطلب؟ پانی گرم ہوگیا تو اُس نے کہا "بیٹا چار ڈالو۔ حقہ بھرو۔ بابو جی۔ بابو جی" مگر ویرو نے روکا "کیوں جگاتے ہو وُہ سوئے ہوئے ہیں" نتھو "بڑے مہاپرش ہیں۔ ہمیں تو انہوں نے ماں باپ کی طرح پالا ہے۔ ایشور ان کو جلدی آرام دے"۔ مَیں حیران تھا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ یہ لوگ کس چال پر چل رہے ہیں۔ آخر تلسی داس کچھ عرصہ کے بعد (مگر اس عرصہ میں میرا کام ہوگیا) ویرو سے مخاطب ہوگیا۔ "تم تو ناحق ڈرتی ہو وُہ تو مجھے لینے کو آتی ہے" "کون"؟ مجھے سب حتیٰ کہ ماما بھول گئی اور مَیں لحاف سے مُنہ نکال کر بول اُٹھا۔ "کون"؟ نتھو نے کہا "اجی۔ لونڈیا نے خواب میں دیکھا ہے کہ نانا سرہانے آکھڑی ہوئی"۔

مجھے یاد نہیں مَیں نے اُس وقت افسوس کیا یا خوش ہوا۔ غالباً دُھندلی روشنی میں میرے لحاف اوڑھ کر اس کے سرہانے جانے سے یہ خواب آگیا۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ مَیں آجتک فیصلہ نہیں کرسکا کہ یہ لڑکپن کی نادانی تھی یا تریاچرتر۔ مَیں نے دمِ توبہ یہ عہد کرلیا تھا کہ اس مایۂ ترغیب کو اپنے پاس نہ رکھونگا۔ دُوسرے روز صبح ہی مَیں نے رُلا رام کو

بلوا کر خلوت میں اُس سے عہد و پیمان لے کہ وُہ نیک چلن رہیگا اور ویرو کی شادی کا بندوبست کر دیا۔ مجھے اپنی قیافہ شناسی پر بہت ناز ہے اور اُس روز مَیں نے ویرو کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر بڑے غور سے دیکھا کہ گذشتہ شب کا معاملہ دراصل کیا تھا۔ مگر وہاں بھولے پن اور سادگی کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ چند روز کے بعد وُہ سب رُلدو رام کے ہمراہ واپس ہندوستان کو چلے گئے۔ اور اُن کے جانے کے دو ہفتے بعد مجھے بمبئی سے ایک پارسل ملا۔ اس میں ایک یہ کاغذی گھڑی تھی اور ایک پرچہ کاغذ۔ "رُلدو رام عمر بھر آپ کا احسان فراموش نہیں کریگا بندہ بے دام رُلدو رام"۔ گھڑی کی پُشت پر طلائی حرفوں میں خوشخط یہ شعر لکھا ہوا تھا ؎

کچھ جوانی ہے ابھی کچھ ہے لڑکپن اُنکا
دو جفاکاروں کے پھندے میں ہے جوبن اُنکا

یہ میں نے مٹا دیا ہوا ہے۔ ؎

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

عباس از افریقہ

تہذیب کی ترقّی کا طُوفان

لطفِ حق با تو مواسا ہا کند
چونکہ از حد بگذری رسوا کند

بارانِ رحمت کا نزول جب حد سے بڑھکر اور مقررہ ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے تو زحمت بنجاتا ہے۔ کال خشک سالی ہی نہیں ہے بلکہ پنکال بھی وبالِ جان و مال ہے۔ وہیں برقی روشنی آنکھوں کا نور ہے لیکن تیز روشنی آنکھوں کو چکا چوند لگا دیتی ہے بلکہ بینائی کو اُچک لیتی ہے۔ برقی حرارت فالج۔ نقرس وغیرہ امراض کا ازالہ کرتی ہے۔ مگر ضروری اور مناسب اعتدال کے ساتھ۔ اور یہی حرارت جب ایک رَو کی طرح دوڑا دیجاتی ہے تو رُوح سلب کرلیتی ہے۔ چنانچہ امریکہ میں سزائے موت برقی آلے سے دیجاتی ہے۔ کیا معنی کہ مجرم کو ایک کرُسی پر بٹھا دیا جاتا ہے اور جسم میں برقی رَو دوڑا دیجاتی ہے۔ دو منٹ میں دم ہَوا ہوجاتا ہے۔ جسم کو تولید خُون کی ضرورت ہے اور خُون کی کمی گور کا پاتراب ہے۔ مگر جب مقدارِ معیّن سے زیادہ خون پیدا ہوگا تو خرابی لائے گا اور پھوٹ نکلیگا۔ کہتے ہیں کہ شراب کا استعمال مورثِ ازدیادِ خون ہے لیکن جب کثرتِ مے نوشی سے اِتنا خُون پیدا ہوگا کہ نالیاں (بدن کی رگیں) بھر جائینگی اور عادی مے نوشی برابر صدائے ھَل مِن مَّزِید

بلند کرتا رہیگا تو تولید خون کی سمائی کے لئے ظرف کہاں سے آئے گا۔ پھر شرابی کی غذا یقیناً چند روز کے بعد تھک جاتی ہے جس قدر وہ مے نوشی میں بڑھتا ہے قوتِ ہاضمہ گھٹتی ہے کیونکہ شراب غذا کے تحلیل کرنے کی مزاحم ہوتی ہے امتحاناً آپ کوئی میوہ آم سیب بہی۔ انناس۔ ناشپاتی وغیرہ شراب میں ڈالدیں اور ڈبوئے رکھیں۔ بجنسہ سالم رہیگا۔ جب تک ڈوبا رہیگا بگڑیگا نہیں۔ تمام انگریزی ٹنکچر اور ٹانک جو سیال ہیں سب میں شراب کا اسپرٹ ڈالا جاتا ہے ورنہ وہ بگڑجائیں جس طرح دیسی عطاروں کے شربت اور عرقیات اور معجونیں اور جوارشیں چند روز میں پھپھوند جاتی ہیں۔ اور کیڑے گجبجانے لگتے ہیں۔

دعویٰ کیا جاتا ہے کہ موجودہ زمانہ ہر قسم کی ترقی اور تہذیب کا زمانہ ہے اور وہ روز بروز توسن تہذیب و ترقی کی رفتار پر تازیانے لگا رہا ہے بے شک ہر قسم کے علوم و فنون خصوصاً سائنس ولٹریچر تو اُنیسویں اور بیسویں صدی میں روزافزوں ترقی کا حلف اُٹھا کر آئے ہیں اور وہ وہ کارنامے دکھارہے ہیں جو ظاہربینوں کی آنکھوں میں اَن نیچرل (معجزات یا نقص قانون فطرت) نظر آتے ہیں۔

بیسویں صدی نے ثابت کردیا ہے کہ انسان کیسی کیسی قوتوں کا مجموعہ ہے اور کیا چیز ہے۔ انہیں قوتوں کو دیکھکر بڑے بڑے عُقلاً اور فلاسفر بہک گئے اور قادر مطلق واجب الوجود کی ہستی ازلی و ابدی کا انکار کر بیٹھے۔ خود ہنود میں ایسا گروہ موجود ہے جو پرماتما کے وجود کا بالکل مُنکر ہے اُس کا عقیدہ ہے کہ انسان اگر چاہے اور اپنی قوتوں کو کام میں لائے تو ایشور بن سکتا ہے اور دُنیا میں ہزاروں لاکھوں ایشور

محض اپنے کرموں (تپسیا وغیرہ افعال) سے پیدا ہو سکتے ہیں لیکن جب ایشور کو منش کے کرم پیدا کریں کیا وُہ واقعی ایشور ہو سکتا ہے۔ ایشور کی شان تو خالق اور داتا وغیرہ بننا ہے نہ کہ مخلوق۔ خیر۔ اس بحث کا یہ موقع نہیں۔ اب تو قابلِ بحث یہ امر ہے کہ انسان میں طرح طرح کے ایجاد و اختراع اور علوم و فنون اور سائنس کے جو نکات ہیں وُہ محض اس لئے کہ تہذیبِ نفوس ہو۔ اور انسان میں جو حیوانی۔ بہیمی۔ سبعی قوتیں موجود ہیں۔ انکا ازالہ ہو کر اس میں انسانیت پیدا ہو جائے اور وُہ واقعی اور فطری انسان بنجائے۔ ہم نے بہیمی اور سبعی قوت کا ذکر کیا ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ انسان میں بھی درندگی کی وُہی قوت ہے جو شیر بھیڑیئے وغیرہ درندہ حیوانات میں۔ اور وُہ بھی ایسے ہی پھاڑنے والے لمبے لمبے دانت اور نوکدار کچلیاں لیکر آیا ہے جیسے دُوسرے سباع۔ اور اپنے بنی نوع پر ان کا استعمال بھی کرتا ہے یعنی ان کا پیٹ پھاڑتا ہے جگر چباتا ہے گوشت بھنبھوڑتا ہے۔ کھال جھنجھوڑتا ہے ہرگز نہیں بلکہ انسان میں درندوں کی قوتوں سے بہت بدتر ظالم قوتیں موجود ہیں وُہ کیا ہیں۔ خود غرضی۔ حرص۔ طمع۔ حُبِّ مال وجاہ۔ خصوصاً حرص توسیع حدود سلطنت۔ یہ مُوذی قوتیں آنکھوں سے اوجھل ہو کر دُنیا کا خون چوستی ہیں شمشیر و خنجر۔ نوکِ نشتر۔ زرہ بکتر انکے سامنے ہیچ ہیں۔ بندوقیں ان کا لوہا مانتی ہیں۔ اژدردم توپیں ان کے آگے اپنے دھواں دھار اور قلعہ شکن گولے یُوں اگلدیتی ہیں جیسے ہیضے اور تخمے اور بدہضمی کا مریض استفراغ کے ذریعے سے کھایا پیا اُگلدیتا ہے اور پھر مضمحل اور بیکار ہو جاتا ہے۔ یہ قوتیں کیا ہیں۔ پولیٹکل پالسیاں ہیں۔ یہ فوجوں کی طرح پے

جاکر دُنیا کے میدان میں آتی ہیں۔ اِن کی سپہ سالار موجودہ مہذب زمانے کی تہذیب ہے فلسفہ اور سائنس جسکا محکمہ ٹرانسپورٹ اور کمسریٹ ہے جو سامانِ جنگ فراہم کرتا اور سپہ سالار تہذیب اور اس کی فوج کے لئے ہر طرح کا سامان مہیا کرتا ہے۔ یہ وحشت کے غنیموں کے زیر کرنے اور میدانِ جنگ میں سُرخرو ہونے کا بیڑا اُٹھاتا ہے۔ اور فلسفہ اور سائنس جِس قدر زوروں پر ہوگا تہذیب کا لشکر دُنیائے وحشت کو زیر کر کے چار طرف اپنا سکہ جمائیگا۔ اگرچہ وحشت ایک نیچرل جُرم ہے جس کا ارتکاب عمداً کوئی وحشی نہیں کرتا یعنی وحشت وحشی اقوام کا جُرم اضطراری ہے۔ جس طرح وجودِ شب سے تاریکی کا صدور۔ اور قرصِ آفتاب سے روشنی کا ظہور کہ خواہ وہ ارادہ کریں یا نہ کریں۔ مگر تاریکی اور روشنی اُن سے ضرور سرزد ہوگی اور وُہ اس فعلِ اضطراری کے حدوث پر مجبُور ہونگے۔ مگر موجُودہ زمانے کی تہذیب کا شہنشاہ اپنے سطوت وجبروت سے دُنیا میں وحشت کے نیچرل جرم کا ارتکاب نہیں دیکھ سکتا اور ان نیچرل طور پر یعنی لازاف نیچر کے خلاف اُسکا تدارک کرتا ہے۔ وحشت کی فریاد کون سُنتا ہے جبکہ خود نیچر جو وحشت کی پیدا کرنے والی ہے سہم رہی ہے اور اُسے بھی ہر وقت تہذیب کی تیغِ بے نیام سے شہید ہو جانے کا دھڑکا ہے ؎

من و پرفشانی حسرتیکہ گم است مقصدِ بسملش
بصدائے خوں نرسی مگر بزبانِ خنجرِ قاتلش
بشہید تیغِ وفا کرا رسد از ہوس دم ہمسری
گرگیخت منطقہ فلک زشکوہ زخم حمائلش

بموت عنہا وحشت کے متعلق یہ اشعار حضرت مولانا مرزا محمد عبدالقادر صاحب

بیدل نور اللہ مرقدہٗ کے قلم سے دو صدی قبل مترشح ہوئے ہیں جن کا سمجھنا اُس وقت تک آسان نہیں۔ جب تک مجددِ السنۂ مشرقیہ نے سمجھا ہے کیونکہ

ایں زمیں را آسمانے دیگر است

حضرت بیدل فرماتے ہیں۔ میں ہوں اور اس حسرت کا پھڑپھڑانا ہے کہ قاتل کے بسمل کا مقصد گم ہے یعنی بسمل کا مقصد حاصل نہیں ہوتا (صدائے خون سے مراد وہ اعلان ہے جو کسی مجرم کے قتل کی نسبت دیا جاتا ہے۔ کہ وہ فلاں وقت قتل کیا جائے گا) یعنی اے مخاطب تو قاتل کے مُنہ سے خون (قتل) کی آواز بھی نہ سُنیگا۔ بجز اس آواز کے جو خنجر کی زبان سے نکلتی ہے یعنی صرف تلوار کی کھڑکھڑاہٹ سُنیگا جو بسمل کے گلے پر چلتے وقت خنجر سے پیدا ہوگی۔ یعنی قاتل یہ بھی نہیں کہتا کہ میں قتل کرونگا یا میں قاتل ہوں تاکہ اُس کی خوشنودی دربارۂ قتل ثابت ہو جائے جو عاشقانِ رعنا و تسلیم کی تمنا ہے۔ بس یہ حسرت ہے۔ دُوسرے شعر کا مطلب یہ ہے۔ کہ معشوق کی تیغ وفا کے شہید کا کون ہمسر بن سکتا ہے یعنی ایسی وفاداری کا محض ہوس سے کون دعویٰ کرسکتا ہے جس کے زخم حمائل کے شکوہ (خوف اور ہیبت) نے منطقۃ البروج (دوازدہ برج) کے سلسلہ کو جو آسمان پر محیط ہے توڑ ڈالا ہے۔ زخم موصوف ہے اور حمائل اس کی صفت۔ یعنی تلوار کا وہ زخم جو بدھی کی شکل میں بسمل کے بر و دوش پر پڑا ہے جس کو جنیئو کا زخم کہتے ہیں۔ یعنی تیغ قاتل نے ایسا کاٹ کیا ہے کہ اُس کی ہیبت نے منطقۃ البروج کو توڑ ڈالا ہے وفاداری کے ساتھ ایسے زخم کا متحمل ہونا عاشق صادق کے سوا کس کا کام ہوسکتا ہے۔ کس قدر بلند اور دقیق و نازک کلام ہے۔ اس رنگ

ہیں حضرت بیدلِ مرحوم فرد اور صاحبِ طرز گذرے ہیں سبحان اللہ۔ موجودہ زمانے میں تو جوہر و کمال کا وہ انحطاط ہے کہ ویسا کلام کوئی لکھیگا تو کیا۔ سمجھنے والے بھی عنقا ہیں۔ ہم نے بھی اس طرز پر طبع آزمائی کی ہے کبھی ناظرینِ مخزن کے حضور میں پیش کرینگے۔ اِنشاء اللہ

آجکل مہذّب وُہ قوم ہے جو سب سے بڑھکر سائینس دان اور تمام اقوامِ دُنیا سے زیادہ انسانوں کے ہلاک کرنے والے آلاتِ حرب و ضرب کے ایجاد میں کمال رکھتی ہو۔ اور جو قوم اپنی حریف قوم کو ندکورہ بالا ایجادوں میں کلّہ بکلّہ جواب نہ دے سکے وُہ وحشی ہے یعنی مہذّب سوسائٹی میں اُس کا شمار نہیں۔ پس مہذّب وُہ قوم ہے جو فنونِ جنگ میں کامل مہارت رکھتی ہو۔ گویا مہذّب بننا جنگ اور آلاتِ جنگ کا کام ہے نہ کہ انسانیّت۔ تحمّل اور وقار اور فروتنی اور عفو و درگزر کا۔ انجیلِ مقدّس کا حکم ہے کہ جو شخص تمہارے بائیں گال پر تھپڑ مارے دایاں گال بھی اُس کے سامنے کر دو۔ اس پر موجودہ زمانے میں جیسا عمل اٹلی نے کیا ہے مہذّب ممالک میں کسی نے نہیں کیا۔ کیا معنی کہ ٹرکی نے اٹلی کے بائیں گال پر تھپڑ مارا تھا۔ اب اٹلی اپنا دایاں گال سامنے کرکے طرابلس میں اس امر کی منتظر ہے کہ ٹرکی اس پر بھی تھپڑ رسید کرے ورنہ آسمانی بھیڑیں بھلا بھیڑیا کب بن سکتی تھیں۔ اور خود اٹلی کے اسقف نے بیان کیا کہ طرابلس میں انسانی جنگ نہیں بلکہ وحشت و حیوانیت سے تہذیب کی جنگ ہے۔ اب رہا وحشیوں کے معصوم بچوں اور بیگناہ عورتوں کا قتل۔ حال کی تہذیب اسکو جائز اور درست بلکہ مستحسن اور عین اقتضاء انصاف قرار دیتی ہے۔ تہذیب کا مقدمۃ الجیش

وہ تھا جب شخصی سلطنتیں نوعی اور پھر جمہوری بنیں۔ جمہوریت تہذیب کا اعلیٰ طبقہ ہے۔ فرانس بھی ریپبلک (جمہوری) ہے مگر امریکہ ایک دوسری دنیا ہی نہیں بلکہ تہذیب کا سب سے اونچا اور سب سے نرالا اور انوکھا آسمان ہے جسکی تہذیب کا سکہ کل مہذب دنیا پر جما ہوا ہے۔ جاپان بھی باوصف اقصائے مشرق کے وحشستان میں ہونے کے روس کو تہذیب کا سبق دیکر کابل مہذب بنگیا ہے اور تمام تہذیب کے پتلوں نے جاپان کو نہ صرف مہذب بلکہ مہذب گر مان لیا ہے۔ اب تہذیب بڑے زور شور سے وحشی ممالک میں مہذب ممالک سے نکلکر نعرہ کر رہی ہے۔ اور تو اور۔ ترک بھی وحشی سے نیم وحشی ہوگئے۔ اب آئین لیکر پورے مہذب بننے کے مدعی ہیں۔ پھر ایرانیوں کو دیکھو۔ مینڈک کو بھی زکام ہوگیا ہے۔ خدا کی شان۔ مابدولت کو بھلا ہنسی نہ آئے تو کیا ہو۔ تہذیب کی بھونڈی نقل اوتار کر آئین لے رہے ہیں اور آئینے میں اپنا منہ نہیں دیکھتے۔ خرس روس کہتا ہے بھلا بے بھلا۔ دیکھتے جاؤ آئین کا اپھان کیا کیا طوفان لاتا ہے اور بیٹھو میری بغل میں ہے۔ داشتہ آید بکار اگرچہ باشد سر مار۔

بعض تہذیب کے پتلے کفِ افسوس مل رہے ہیں۔ ارے یہ کیا ہوگیا۔ افسوس از ماست کہ بر ماست۔ مگر آپ جانیئے خربوزے کو دیکھکر خربوزے کا رنگ پکڑنا ایک قدیمی گولڈن نیچرل رول (Golden natural rule) ہے۔ تہذیب کا طوفان جو مہذب دنیا سے اُمڈا ہے کیا یہ کسی کے روکے رک سکتا ہے

ایشیا و افریقہ کے سر پر بھی ضرور دستِ شفقت پھیرے گا ؎

نرگسی آنکھیں شرم آلودہ خاک میں ہم کو ملائینگی
کیا یہ نگاہیں نیچی نیچی اُوپر اُوپر جا ئیں گی

مہذب دُنیا کو سائنس طرح طرح کے جانستان ہتھیاروں کا میگزین دے رہا ہے۔ ہر سلطنت اپنے زور میں پھٹی پڑتی ہے اور نعرہ ھل من مزید بلند کر رہی ہے۔ ادھر سائنس کسی سلطنت کو نیا سو ساٹھ کش ہتھیار عطا کرتا ہے۔ اُدھر دُوسری حریف سلطنت اُسکا جواب سائنس ہی سے دینے کے لئے مضطرب ہوتی ہے۔ سائنس دوست دشمن دونوں کو میزانِ اعتدال میں تول تول کر خونریزی کے وسائل عطا کرتا ہے اور تہذیب اس کی خزانچی ہے۔ انجام یہ ہوا ہے کہ بعض سلطنتیں جو ایجادات سائنس کے مصارف کی متحمل نہیں چیخ اُٹھی ہیں۔ آنے والا دیوالا انکے کانوں کے پردے پھاڑ رہا ہے اور چیخ چیخ کر تہذیب کو لینڈوری بنا رہا ہے کہ تو چل میں آیا۔ آخر خمیازہ کہیں نکلنا چاہیئے۔ بعض سلطنتیں جو بساط سے بڑھکر دُوسری سلطنتوں کی دیکھا دیکھی آلاتِ جنگ کی تیاری میں لکھ لٹ نہیں کروڑ لٹ بنی ہوئی ہیں تو وہ گویا سُود پر روپیہ چلا رہی ہیں ضرور دگنا اور چوگنا وصُول کرنا چاہیں گی۔ اٹلی کا طرابلس پر غاصبانہ حملہ شاہد ہے کیونکہ آلاتِ جنگ کی خریداری کی بدولت اپنی بساط سے بہت زیادہ مقروض ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سلاطین جس قدر جنگ کی تیاریاں کرینگے اور آلاتِ حرب و ضرب کی بہم رسانی میں پانی کی طرح روپیہ بہائینگے اُسی قدر قیامِ امن کی کفالت ہوگی۔ یہ خیال ضرور صحیح ہے۔ کیونکہ اول تو تہذیب اُنکو آپس میں جنگ نہ کرنے دیگی۔ دوم ایک خوف دو جانب

ہوتا ہے کیا معلوم ہے سائنس کس کو فتح دے جب کہ اُس نے فریقین کے پلّے برابر کر رکھے ہیں - فرانس و جرمنی کے مابین مراکو کی بدولت چلجانے کی کیسی گرما گرم خبریں آئیں - مگر سمجھوتا ہو گیا کہ نصفٌ لی و نصفٌ لکُم - پس مہذبوں کے باہم کبھی جنگ نہ ہوگی اور نہ اُنکو جنگ کا خوف - خوف وہی ہے جس کا ہم اوپر رونا رو چکے ہیں کہ تہذیب وحشت کو ایک آنکھ نہیں دیکھ سکتی اور وحشت موجودہ زمانے میں نیچرل جُرم ہے - آپ جانتے جب اجسام میں دیو زاد قوتیں پیدا ہو جائینگی تو زور آزمائی کی جانب بالطبع رغبت ہوگی - مگر مہذبوں کے لئے یورپ میدانِ جنگ نہیں - البتہ ایشیا و افریقہ کے خداداد میدان موجود ہیں - جہاں تہذیب کا اب تک گذر نہیں ہوا - اقصاءِ مشرق کا میدان بھی جاپان کی بدولت جنگی طبائع کے لئے موزون اور مساعد نہ رہا - وہاں جلتے ہوئے اب تہذیب کے پر جلتے ہیں - البتہ چین میں تہذیب و وحشت کے مابین جنگ شروع ہوگئی ہے جس کو مہذب دُنیا دیدے پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہے - اور بعض حریفوں کے مُنہ سے رال بہ رہی ہے اور باہم منصوبے گانٹھ رہے ہیں مگر یہ جبھی تک ہے کہ میاؤں کی آواز کانوں تک نہیں آتی - یعنی جاپان جب تک چپ سادھنا مصلحت سمجھ رہا ہے ادھر اُس نے کروٹ بدلی اُدھر مطلع صاف نظر آیا - خیر اسی میں ہے کہ مہذبوں نے اژدہائے چین کے تکا بوٹی کرنے کی نہیں ٹھہرائی - ورنہ پھر یہ ہیں اور حربائے جاپان ہے ؎

حُسن پر اپنے ہر اک مہ پارہ گرمِ لاف تھا
گھر سے وہ خورشید رُو نکلا تو مطلع صاف تھا

خوشی کی بات ہے کہ ہمارا شیر برطانیہ کن انکھیوں سے سب کچھ دیکھ رہا ہے مگر حتی الوسع خاموش ہے۔ اِدھر ضرورت ہوئی اُدھر کچھار سے دھڑ دکتا ہوا نکلا اور میدان صاف ہو گیا۔ یہ حتی الوسع پرائے پھٹے میں پاؤں دینے کو بُرا سمجھتا ہے ٭

مُجدّدِ السنۂ مشرقیہ احمد حسن
شوکت۔ میرٹھ

ایک آنہ فنڈ جو لکھنؤ میں قدیم و بے مرمت مساجد کی درستی کے لئے قائم ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ وہ اچھی طرح چل رہا اور مفید کام کرتا ہے۔ اُس کے مُعاونین کی تعداد بڑھ گئی ہے اور اُس کی دلیل یہ ہے کہ اگست لغایت اکتوبر سنہ ۱۹۱۱ء کی سہ ماہی میں ۱۳۹۲ روپے کچھ آنے اُس کی تازہ آمدنی۔ اور ۱۴۴۳ روپے کچھ آنے اُس کا خرچ ہوا ہے۔ خرچ کی زیادتی بقایا سابق سے پوری ہوئی ہے۔ بہت سے اُمرا خاص عطیات بھی دیتے رہتے ہیں۔ نواب سید محمد مُرتضیٰ صاحب نے ایک گھوڑا قیمتی مالعہ روپیہ مرحمت کیا جزاھُمُ اللہُ خیرًا ہمیں اُمید ہے کہ یہ مُبارک عنصر مقامی مسلمانوں کی کامل توجہ و امداد حاصل کرے گا ٭

اِس ماہ کی تصاویر

اعلیحضرت ملک معظم شہنشاہ جارج پنجم بادشاہِ انگلستان و قیصر ہند - ۳ جون ۱۸۶۵ء کو پیدا ہوئے سن تمیز کو پہنچکر اپنے بڑے بھائی پرنس البرٹ وکٹر کے ساتھ زیر تعلیم و تربیت رہے - فن جہاز رانی میں خاص مہارت حاصل کی - تمام دنیا کے مشہور ملکوں کی سیاحت فرمائی - جہاں جہاں گئے والیانِ ملک نے خاطر و مدارات میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا سنہ ۱۸۹۲ء میں شہزادہ وکٹر کی عین جوانی میں وفات کے باعث شہزادہ جارج تخت کے وارث ہوئے اور ڈیوک آف یارک بنائے گئے - سنہ ۱۸۹۳ء میں شادی ہوئی سنہ ۱۹۰۱ء میں جب ملکہ معظمہ وکٹوریا رحلت کر گئیں اور شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم تخت نشین ہوئے تو شہزادہ جارج پرنس آف ویلز یعنی ولیعہد سلطنت قرار دیے گئے آپنے والد ماجد کے زیر فرمان سنہ ۱۹۰۵ء و سنہ ۱۹۰۶ء میں ہندوستان کی سیاحت فرمائی اور جہاں جہاں تشریف لیگئے - ایسی محبت اور مہربانی سے بھرے ہوئے خیالات کا اظہار فرمایا کہ ہندوستانی رعایا کے دلوں کو تسخیر کر لیا - مئی سنہ ۱۹۱۰ء میں شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کی وفات پر آپ جارج پنجم بنکر تخت پر بیٹھے اور ارادہ ظاہر کیا کہ لندن کی طرح دہلی میں بھی تاجپوشی کا جشن منایا جائے اور ہم خود اس موقع پر ہندوستان میں موجود ہوں - چنانچہ حضور نے اس موسم میں ایسے دور دراز سفر کی تکلیف گوارا کرکے اپنی ہندوستانی رعایا کو اپنے دیدار مسرت آثار سے شادکام فرمایا اور ایسی ایسی مراحم خسروانہ کا اعلان فرمایا جو مدت مدید تک ہندوستان میں یادگار رہینگی - اس وقت حضور ممدوح کی عمر ۴۶ برس ۷ ماہ کی ہے -

علیاحضرت ملکہ معظمہ میری - آپ ۲۶ - مئی سنہ ۱۸۶۷ء کو پیدا ہوئیں - شاہزادی آف ٹیک نام رکھا گیا - آپ بادشاہ جارج ثانی کی سدیؔ نسل سے ہیں - تعلیم و تربیت اُنکے رتبے کے شایان ہوئی - مطالعہ کا از حد شوق ہے - چنانچہ ہر روز تھوڑا بہت مطالعہ ضرور فرما لیتی ہیں - لباس میں سادگی کو زیادہ پسند فرماتی ہیں - گرجا جانے کو فرض مذہبی سمجھکر ادا کرتی ہیں - اور وہاں گیت

نوید مقدم شہنشاہی

مندرجہ ذیل نظم اور ایک قصیدہ تہنیت جو اسکے ساتھ شائع کیا جاتا ہے۔ جناب مولانا مولوی محمد اسمٰعیل صاحب رئیس میرٹھ کا عطیہ ہیں۔ مولانا کی شہرت اور حسن قبول محتاج توصیف نہیں ہم مولینا کی توجہ کے ممنون ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ آیندہ بھی توجہ فرماتے رہینگے۔

نو بہارِ بوستاں آنے کو ہے　　خسروِ گل ہمعناں آنے کو ہے

بہرِ استقبالِ رایاتِ بہار　　لشکرِ سرو رواں آنے کو ہے

شاخِ گلبن پر باندازِ خطیب　　عندلیبِ خوش بیاں آنے کو ہے

صحنِ گلشن میں بطورِ ترجماں　　طوطیِ شیریں زباں آنے کو ہے

پیشِ گل ہر طائرِ رنگیں نوا　　تہنیت گو نغمہ خواں آنے کو ہے

پیکِ ہدہد مژدگانی کے لئے　　بال افشاں پر زناں آنے کو ہے

ابرِ گوہر بارِ بحرِ مغربی　　سوئے مشرق پرفشاں آنے کو ہے

راہِ دریا سے سفینوں کی قطار　　صورتِ سیارگاں آنے کو ہے

نوجواں بنکر نگاہِ خلق میں　　داستانِ باستاں آنے کو ہے

جامِ صحت بنکے بزمِ عیش میں　　گردشِ رطلِ گراں آنے کو ہے

خانہ باغوں کے لئے کشمیر سے　　کشتِ زارِ زعفراں آنے کو ہے

بلدۂ کاشی سے زربفتِ نفیس　　از برائے سائباں آنے کو ہے

زینتِ درہائے ایواں کیلئے　　ٹوکیو سے پرنیاں آنے کو ہے

طاقہ طاقہ مخملِ روم و فرنگ　　فرشِ راہِ دوستاں آنے کو ہے

طبلہ طبلہ مشکِ تاتار و ختن　　حسبِ حکمِ میزباں آنے کو ہے

میوۂ کابل سے تو مسقط سے رطب　　بہرِ نقلِ میہماں آنے کو ہے

وہ مہوبہ سے تو یہ قسنوج سے　　عطرِ گل اور برگِ پاں آنے کو ہے

لیکے جنسِ نادراتِ معدن گاں مجمعِ بازارگاں آنے کو ہے
خاص کجلی بن سے پیلِ دیوزاد ساتھ لیکر پیلباں آنے کو ہے
گلۂ گلگون و شبدیز و سمند ہمرہِ سوداگراں آنے کو ہے
اُشترانِ تند جیسلمیر سے لیکے خیلِ ساربان آنے کو ہے
بے شمار اسٹاک موٹر کار کا مُلکِ یورپ سے یہاں آنے کو ہے
صنعتِ پرواز کا موجد گروہ لیکے اپنی کشتیاں آنے کو ہے
مردمِ آفاق کا جمِّ غفیر کارواں در کارواں آنے کو ہے
شہری و دہقاں کا انبوہِ کثیر مرز بانِ بے تاشیاں آنے کو ہے
جذبۂ شوقِ تماشا دیکھئے تا بہ پیرِ ناتواں آنے کو ہے
خیمہ و خرگاہ کا شہرِ جدید زیرِ سقفِ آسماں آنے کو ہے
ہر طرف سے لشکرِ آراستہ مثلِ دریائے رواں آنے کو ہے
نیزہ برداروں کے ہمہم کوچ سے راستوں میں نیستاں آنے کو ہے
رائفل بردوش پیدل کا قشوں ہمدمِ برقِ دماں آنے کو ہے
توپخانوں کا گرجنا گھورنا گویا بجا دوں کا سماں آنے کو ہے
وقتِ ہر شلک دہانِ توپ سے بانگِ دیوِ ہفتخواں آنے کو ہے
عرضِ لشکر کے لئے میدان میں شاہِ با چتر و نشاں آنے کو ہے
موجِ برق نامہ بر لائی خبر اک نیا دورِ زماں آنے کو ہے
دیدہ و دل منتظر ہیں سچ بتا کون آتا ہے؟ کہاں آنے کو ہے
جارج پنجم خسروِ گیتی ستاں جانبِ ہندوستاں آنے کو ہے
وارثِ تاج و نگینِ قیصری داورِ دارا نشاں آنے کو ہے
آفتابِ مملکتِ ہندوستاں سمتِ دارِ عزّ و شاں آنے کو ہے

از پئے تسلیم شاہِ جم شکوہ
ہر امیرِ ملک راں آنیکو ہے
دیرجات و سندھ و پنجاب و دکن
با سر و با چشم و جاں آنیکو ہے
تبت و برما و بنگال و اودھ
بلکہ تا بامِ جہاں آنیکو ہے
عتبۂ علیا کی جانب با خلوص
طبقۂ نوابؔ و خاں آنیکو ہے
گرد برگردِ سرادقہائے شاہ
جیشِ رائے و رانگاں آنیکو ہے
رُبعِ مسکوں سے برسمِ تہنیت
نائبِ ہر قہرماں آنیکو ہے
تازہ کرنے کو مُلک پیمانِ وفا
بادشاہ مہرباں آنیکو ہے
مژدہ اے دہلی کہ تیرے اُڑک میں
مرکزِ امن و اماں آنیکو ہے
مستقرِ ملک میں قرنوں کے بعد
موکبِ صاحبقراں آنیکو ہے
چارسوئے مُلک میں بہرِ نثار
حاصلِ دریا و کاں آنیکو ہے
مہر و اُلفت کی گراں مایہ متاع
بر سبیلِ ارمغاں آنیکو ہے
مقدمِ شہ میں زبانِ خلق پر
"شاد باش و دیرماں" آنیکو ہے
گرمیِ ہنگامۂ جشنِ جلوس
آخرِ سالِ رواں آنیکو ہے

مدح سنجی کے لئے دربار میں
شاعرِ جادو بیاں آنیکو ہے

تہنیتِ جشنِ تاجپوشی

صبحِ صادق کا کھلا ایوان با
مثلِ ایوانِ سلاطینِ کبار
بُتکدوں میں جا بجا بجنے لگے
نوبت و ناقوس و طنبور و ستار

گونج اُٹھا بامِ کلیسا کا جرس — خوابِ نوشیں کا ہوا زائل خُمار
صحنِ مسجد سے لگا ہونے بلند — نعرۂ اللہ اکبر بار بار
تھا وُہ منشورِ نویدِ عافیت — پڑ گئی اطرافِ عالم میں پکار
نور و سایہ کی بڑھی ہمسائگی — گویا ہمرنگ ہیں لیل و نہار
امتزاجِ کیمیائی ہو گیا — تھی دورنگی روز و شب کی ناگوار
چاہتی تھی دیدۂ بالغ نظر — یہ نمایش گاہِ صنعِ کردگار
تھا خضوعِ دل سے مشغولِ دعا — صومعہ میں زاہدِ شب زندہ دار
چشمِ معنی یاب سے اُس نے بغور — دیکھ کر یہ قدرتی نقش و نگار
دفعتہً کی جانبِ مشرق نظر — ہو چلا سب رازِ پنہاں آشکار
آمد آمد شاہِ خاور کی ہوئی — کوکبِ دُرّی لگے ہونے نثار
نہضتِ راياتِ شمسی کی خبر — پے بہ پے دینے لگے کرنوں کے تار
نیرِ اعظم ہوا با تاجِ زر — جلوہ گر بالائے مینائی حصار
جگمگائے شہر کے دیوار و در — گنبد و بام و منار و کوہسار
دُور سے سب کو نظر آنے لگی — بارگاہِ قیصرِ والا تبار
ہو رہی ہیں جشن کی تیاریاں — کار فرما شوق سے مصروفِ کار
خیلِ سرہنگانِ شاہی چاق و چست — برق سے چالاک تر موٹر سوار
اپنے منصب پر کمر بستہ نقیب — اپنے عہدہ پر نگہباں چوبدار
ہیں پیادوں کی صفیں دیوار چیں — رشکِ اسکندر سواروں کی قطار
ہر سپاہی طغرل و الپ ارسلاں — ہر پیادہ رستم و اسفندیار
توپخانہ اژدرِ آتش فشاں — سامنے جسکے دژِ روئیں غبار
راست و چپ اعیانِ دولت کا ہجوم — گردِ شمسِ قیصری سیّارہ وار

ملکۂ دوران و خاقانِ زماں ۔۔۔ مہرِ عالمتاب و ماہِ نور بار
جلوہ فرما ہیں سرِ سلطنت ۔۔۔ باشکوہ و شان و اجلال و وقار
صفہ صفہ توسی میں شہ کے روبرو ۔۔۔ داورانِ ذی حشم ذی اقتدار
خیل خیلِ خان و رایانِ ملوک ۔۔۔ جوق جوق سرفرازانِ دیار
نام بردارانِ طبقاتِ انام ۔۔۔ عام مخلوق بھی چندیں ہزار
ہند کے خطوں کا یک بستہ جوان ۔۔۔ حاضرِ خدمت قطار اندر قطار
سب نے اعلان شہنشاہی سنا ۔۔۔ گوش رغبت کا بنایا گوشوار
ہو مبارک تجھ کو اے ہندوستاں ۔۔۔ جارج پنجم کا یہ عہدِ زرنگار
رونق افروزی شاہنشاہ نے ۔۔۔ تجھ کو بخشا ہے وہ عزّ و اعتبار
لعل و دیہیم شہنشاہی بنا ۔۔۔ تا فلک پہنچی کلاہِ افتخار
مدتوں سے سرزمینِ ہند تھی ۔۔۔ تشنۂ دیدِ جلوسِ شہریار
اللہ الحمد آج دیکھا خلق نے ۔۔۔ شاہ کو گلگونِ دولت پر سوار
شاہ کی آمد ہے شاہِ انبساط ۔۔۔ ہر خوشی ہے اِس خوشی سے مستعار
چاندنی چوک آج آئیں بستہ ہے ۔۔۔ سال بھر سے تھا سراپا انتظار
آج درشن کا جھروکا کھل گیا ۔۔۔ خلق نے دیکھی شکوہِ تاجدار
آج بیلہ میں جما میلہ کا رنگ ۔۔۔ ایک نظارہ کے سب امیدوار
ارکِ سلطانی بنا بزمِ سرور ۔۔۔ جس میں خاص الخاص کا ہے روزبار
ہند کی خوش قسمتی کا آفتاب ۔۔۔ آج پہنچا تا خطِ نصف النہار
خاکِ پاکِ حضرتِ دہلی بنی ۔۔۔ قدر و قیمت میں زرِ کامل عیار
یوں نہیں چمکا آج ہے سایہ فگن ۔۔۔ کُل قلمرو پر بفضلِ کردگار
ہند کا دامن ہوا اب ایک ستاں ۔۔۔ جسکی غفلت نے مٹایا انتشار

قلعۂ چترال سے سیلون تک	حدِ چیں سے تا بحدِ قندہار
مطمئن ہیں جملہ اقوام و مِلل	متحد ہیں جملہ امصار و دیار
تھے بزرگ اس قیصرِ ذیجاہ کے	گلشنِ ہندوستاں کے آبیار
آں جہانی رحمدل وکٹوریا	بعد ازاں اڈورڈ ہفتم صلحکار
خالقِ عالم نے سونپی تھی انہیں	خلقِ عالم کی زمامِ اختیار
مادرِ مشفق تھی اُن کی تربیت	اور ملکِ ہند طفلِ شیرخوار
اس طرح کی پاسبانی خلق کی	جس طرح کرتی ہے ماں بچوں کو پیار
علم و دانش کے کئے دریا رواں	ریگ زاروں کو بنایا لالہ زار
عدل کے دستِ قوی سے ہو گئیں	امن و راحت کی بنائیں استوار
عرض و طول ملک میں پھیلا دیے	مثلِ شریان و عصب ریل اور تار
کیا زراعت کیا تجارت کیا ہنر	سب پھلے پھولے نکالے برگ و بار
بسکہ آئینِ جہاں بانی کا ہے	رہبریِ عقل و حکمت پر مدار
ہند کا ہر گوشہ سچ مچ بن گیا	اس مبارک دور میں باغ و بہار
شاعرانہ مدح سنجی یہ نہیں	واقعہ ہے بر سبیلِ اختصار
جارج پنجم کا بھی یہ دورِ جدید	ہے انہیں ادوار کا آئینہ دار
ہے رفاہِ عام کا نشو و نما	حال و مستقبل بہ از پار و پرار
شاہ کے مقدم میں اے ہندوستاں	کر وفا و مہر کے گوہر نثار
کر برابر پلۂ میزان میں	شاہ کی تمکین اپنا انکسار
کر اطاعت میں سرِ تسلیم خم	تو ہے احسانِ شہی کا زیربار
کر سپاسِ نعمتِ منعم ادا	حق شناسی ہے اگر تیرا شعار
اس شعارِ خاص میں اے خاکِ ہند	کم نہیں ہے تو کسی سے زینہار

تیری خاطر عزم شاہنشاہ نے — طے کئے ہیں بر و بحر و رُود بار
بادشاہا! مہربانا! قیصرا! — آپ کا آنا رہے گا یادگار
کر لئے تیر نگاہ لطف سے — دل امیروں اور غریبوں کے شکار
ہے غریبوں کی دُعاؤں کا ہجوم — فوج سے بہتر بوقتِ کارزار
ہند کا نغمہ ہے اب با صدقِ دل — "قیصرا زندہ باد و کامگار"
"مہرباں قیصر کے ہاتھوں میں رہے — ناقۂ اقبال و دولت کی مہار"
جشن کی تاریخ بھی سُن لیجئے — بیسویں ہے یہ صدی بر روئے کار

گیارھواں سال اور مہینہ بارھواں
بارھویں تاریخ از روئے شمار

محمد اسمٰعیل میرٹھ

بڑے دن کی بڑائی

(سوال)

وُہی پرانا۔ وُہی بڑا دن! — وُہی بکھیڑے بھرا ہُوا دن
وُہی زمیں اور وُہی زمانا — وُہی قبیلہ وُہی گھرانا
وُہی ترنّم وُہی ترانے — وُہی ہیں گانے۔ وُہی دوگانے
وُہی فلک ہے۔ وُہی قمر ہے — وُہی شجر ہے۔ وُہی ثمر ہے
وُہی مشقت۔ وُہی ریاضت — وُہی محبت۔ وُہی عداوت

کہاں کا آیا بڑا نیا دن!
کہ جس سے اسکو کہیں بڑا دن؟

وہی پڑنگ ہیں وہی ہیں موسے   وہی کتارا اور وہی ہیں بوسے!
وہی پھول ہیں وہی ہیں ڈالی   وہی وہ میوے وہی ہیں مالی
وہی مٹھائی وہی مُربّا   وہی ہیں اماں وہی ہیں ابّا!
وہی قمیص اور وہی ہے سایا   وہی بورچی - وہی ہیں آیا
وہی گاڑیاں وہی ہیں گھوڑے   وہی جواہر - وہی ہیں جوڑے
بڑائی کیونکر یہ پاگیا دن؟
کہ لوگ کہنے لگے بڑا دن؟

جواب

یہ سب بجا ہے - یہ سچ کہا ہے   مگر یہ دُنیا عجب سرا ہے
فلک کے نیچے - کوئی نئی شے   نہیں ہے اے مہرباں نہیں ہے
مگر یہ تقریب کے زمانے   یہ دل بڑھانے کے ہیں بہانے
ہے ان دنوں میں حضورِ دُنیا   ثوابِ عقبیٰ - سرورِ دُنیا
نہیں جو دُنیا میں سچی حرمت   تو ایسی راحت بھی ہے جراحت
یہ دن مسیحا کے آنے کا ہے   یہ ماننے اور منانے کا ہے
وُہی پُرانا - مگر نیا دن!
اگرچہ چھوٹا - مگر بڑا دن!

[illegible] (ازبمبئی)

جشنِ دربار کی روشنی!

بنا ہند میں اشتہارِ چراغاں ہوا لامعُ النّور کارِ چراغاں
شہِ جارج پنجم کا تھا کارونیشن کہ روشن ہوا کاروبارِ چراغاں
جلا جشنِ دربار نے وہ دکھائی مچی ہند میں گیرودارِ چراغاں
مثالِ قمر شب کی تقدیر چمکی چمکنے لگا روزگارِ چراغاں
بچھی چادرِ نورِ فرشِ زمیں پر بنی ساری بستی دیارِ چراغاں
جلالِ شہنشاہ نے کر دیا تھا سوا طور سے اقتدارِ چراغاں
قمر اور اختر بھی جلوہ فشاں تھے یہ دونوں[۵۱] تھے اس روز یارِ چراغاں
عجب موجِ تنویر پھیلی ہوئی تھی ہر اک شہر تھا آبشارِ چراغاں
ستاروں سے افزوں کہیں بتیوں کو اگر مان لیں اختصارِ چراغاں
حسابِ تجلّیِ عالم ہو کیونکر کہ ممکن نہیں تھا شمارِ چراغاں
زمیں بن گئی تھی ستاروں کی چادر فلک ہو رہا تھا نثارِ چراغاں
کھلیں کور چشموں کی بھی اس دن آنکھیں عجب نور افزا تھا وقارِ چراغاں
سب اطفالِ[۵۲] زریں بھی بامِ فلک سے کھڑے دیکھتے تھے بہارِ چراغاں
نہ در نجم کے گنجِ پنہاں لٹاتا جو خورشید ہوتا دوچارِ چراغاں
یہ ہے روشنی۔ اور روشن دماغی یہ ہے نورِ فیضِ بہارِ چراغاں
وفورِ ضیا سے ہر ایوانِ عالی سراپا بنا تھا حصارِ چراغاں

۵۱ یعنی اس دن چاندنی رات تھی۔ ۵۲ مراد از ستارگاں۔

ہوس فوق کی ایک کو ایک پر تھی　　مچی تھی مگر کارزارِ چراغاں
جلی ایسی کثرت سے بجلی کی بتی　　ہوئی برق بھی شرمسارِ چراغاں
عجب آتشِ شوق بھڑکی ہوئی تھی　　اک عالم کو تھا انتظارِ چراغاں
ہر انسان پروانہ تھا روشنی کا　　زمانے کو تھا انتشارِ چراغاں
ہر اک سمت سے گرم رفتار ہو کر　　چلے آتے تھے بیقرارِ چراغاں
بندھا تار ہر سُو تماشائیوں کا　　کھلا جب فروغِ قطارِ چراغاں

قیامت تک اس بزمِ عالم میں طالبؔ
رہیگا یہ دن یادگارِ چراغاں

[illegible]

تہنیتِ دربار

ہیں نویدِ خرمی افزا سے پُر کون و مکاں　　مژدۂ راحت فزا سے شاد ہیں روح و رواں
عازمِ ہندوستاں جب تاجپوشی کو ہوئے　　شاہِ لندن اور کوئین لندن بصد فر و شاں
فتح و نصرت ہمقدم امن و اماں ہیں ہمسفر　　جاہ و دولت ہمرکاب اقبال ہمت ہمعناں
ہیں جلو میں آپ کے لاکھوں دعائیں خلق کی　　آپ بھی مخلوق پر ہیں جان و دل سے مہرباں
ہر قلمرو میں ہوئی ہے مقدمِ شاہی کی دھوم　　ہر قدم پر مرحبا اور خیر مقدم بر زباں
جارج پنجم ساتھ ہیں میری مہارانی بھی ہیں　　ہند اب تو ہو گیا بیت الشرف دار الاماں
بارگاہِ بادشاہی میں ہوئے سب باریاب　　خلق و لطفِ خسروانی سے ہوئے سب شادماں
ہوگی قائم یادگارِ شاہ ہفتم ایڈورڈ　　اب بنا رکھی گئی دستِ مبارک سے یہاں

آج ہے بارہ دسمبر منتظر تھے جسکے ہم
یادگار دہر یہ تاریخ ہوگی جاوداں

تخت گاہ و سلطنت کے آج جاگے ہیں نصیب — آج ہے دلّی میں جشن تاجپوشی کا سماں
آج وہ بخشا ہے اسکو اوج شاہنشاہ نے — لے رہا ہے اب قدم اس سرزمیں کے آسماں
آج ہیں اس جا فراہم سب رئیس نامدار — آج ہے دربار میں بار انکو با اعزاز و شاں
ہے مقرر جیسا میلہ تیرھویں تاریخ کا — ایسا میلہ پھر کہاں ایسا تماشا پھر کہاں
کھل گئی قسمت جو دکھ درشن کا مل گیا — لو بر آئی اب امید بستہ اے پیر و جواں
سیر ہو کر دیکھ لو تم اپنے شاہنشاہ کو — ہو گئی تقدیر یاور ہو گئے تم کامراں

ہے ستارہ اوج پر جے پور کا اوکیوں نہو
ہوگا اب اُنہیں کو شہ کا قدم رنجہ یہاں

ہو رہے ہیں انکی مہمانی کے شایاں اہتمام — لائینگے اب میہماں کو ساتھ اپنے میزباں
ہند ہی جب تک جہاں ہیں ہند میں جے پور ہے — جارج پنجم ہی ہیں شاہنشہ ہندوستاں
اور رہیں میری مہارانی ہمیشہ شادکام — فیضیاب اُن سے رہیں جے پور کے یہ حکمراں

خوش رہیں خرم رہیں اُنکے مشیر نیکخو
نیک صورت نیک سیرت اور فیاض زماں

تاریخ دربار تاجپوشی

۱۹ ۶ ۱۱

صاحب تخت و تاج ۔ سال سعید — آب در سے ہو درج دفتر ہند

مکھن لال ایم ۔ اے ۔ پرنسپل مہاراجہ کالج جیپور

دُعا

یارب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے — جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے
پھر وادیِ فاراں کے ہر ذرّہ کو چمکا دے — پھر شوقِ تماشا دے پھر ذوقِ تقاضا دے
محرومِ تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے — دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے
بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لیچل — اس شہر کے خوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے
آتش منشی جس کی کانٹوں کو جلا ڈالے — اس بادیہ پیما کو وہ آبلہ پا دے
پیدا دلِ ویراں میں پھر شورشِ محشر کر — اس محملِ خالی کو پھر شاہدِ لیلا دے
اس دور کی ظلمت میں ہر قلبِ پریشاں کو — وہ داغِ محبت دے جو چاند کو شرما دے
رفعت میں مقاصد کو ہمدوشِ ثریا کر — خودداریِ ساحل دے آزادیِ دریا دے
بے لوث محبت ہو بے باک صداقت ہو — سینوں میں اجالا کر دل صورتِ مینا دے
احساس عنایت کر آثارِ مصیبت کا — امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے

میں بلبلِ نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے

[illegible]

میرے دوستانے والے

تری دلفریب صورت، مری طبعِ عاشقانہ — تری دلربا ادائیں، مرا ذوقِ شاعرانہ
یہی بانیِ محبت یہی عشق کا سبب ہیں۔
یہی رنج دینے والے

نہ کبھی سہیں جفائیں، نہ جنوں کا داغ کھایا یہ بلا یکایک آئی کہ خیالِ یار آیا
وہی اب تڑپ ہے دل میں، وہی اک خلش جگر میں
مری جان کے ہیں لالے

میں کروں تو کیا کروں اب میرا اختیار کیا ہے میرا دل کسی پہ آیا، یہ اسی کی خطا ہے
اسے عشق کا ہے سودا۔ یہ بلاکشی کا خوگر
اسے کیا کوئی سنبھالے

نہ نصیب ہو کسی کو، یہ وفورِ سوزشِ غم نہ یہ جوشِ وحشتِ دل، نہ یہ بیکسی کا عالم
مرے دل پہ ہے گرانی، مری جان پر مصیبت
مرے لب ہیں اور نالے

ترا عشق سر میں سودا ترا درد آفتِ جاں کہ خیال منتشر ہے تو حواس ہیں پریشاں
دلِ دردمند کو پھر ترے کاکلوں کے بل سے
کوئی کس طرح نکالے

غمِ دل گھٹے جو دیدے کہیں اشکِ غم بہائیں جو گھٹائیں دل پہ چھائیں کہیں برس ہی جائیں
میں اسی پہ خوش ہوں ہمدم کہ کوئی ستا ستا کر
مجھے خوب سا رلا لے

یہ زمانہ ساز ناصح، نہ ہو مانعِ محبت مجھے حسن کی طرف سے نہ دلائے اب نفرت
نہ جلائے دل جلوں کو ہے اسی میں خیر اسکی
کہ نہ میری بد دعا لے

یہ غرورِ حسن والے، یہ کرشمہ سازِ الفت کہ شباب و خوبروئی پہ ہے جنکو ناز و نخوت
یہ جو ہم سے چھپ رہے ہیں باد ائے دل نوازی
ہیں سب اپنے دیکھے بھالے

مجھے کیا خبر تھی محوی کہ بُری بلا ہے اُلفت — یہ ہے بہرِ روح کاہش، یہ ہے بہرِ جان مصیبت

مگر آہ! اب میں سمجھا کہ دل اور دل رُبا ہیں

"مرے دوست جانے والے"

محمد حسین محوی لکھنوی تلمیذ حضرت شوق قدوائی

حسرتِ عشق

واحسرتا کہ میں نہ ہوا دردمندِ عشق — مجھ کو کیا نہ قابلِ ذوقِ گزندِ عشق
پہنچا نہ آہ! میرے گلو تک کمندِ عشق — تڑپا نہ خاک و خون میں جراحت پسندِ عشق
پہلوئے دل پہ زخم نہ کاری ہوا کوئی
خونِ جگر سے چشمہ نہ جاری ہوا کوئی

بجھتی جو آبِ تیغ سے وہ تشنگی نہ دی — دل ہی دیا فضول۔ جو دل کی لگی نہ دی
جو انتہائے عشق ہے وہ بیخودی نہ دی — تھی جس کی آرزو مجھے وہ زندگی نہ دی
سوزِ دروں ملے! تپشِ جاں فزا ملے
تب جاکے زندگی کا مجھے کچھ مزا ملے

ساغر سے کیوں مرے مے جوشاں کو عار کر — ہم مشربوں سے میری نظر شرمسار ہے
ساقی! تری نگاہِ کرم پر مدار ہے — مایوس دل نہیں - ابھی امیدوار ہے
قسمت میں خم نہیں ہے تو اک جام ہی سہی
وہ ہی نہ ملے پھول نہیں پنکھڑی سہی

دیتا اگر نصیب مجھے عندلیب کا — ہرگز میں شکوہ سنج نہ ہوتا نصیب کا

دیتا وہ درد مجھ کو جو ذوقِ حبیب کا / محتاج میرا درد نہ ہوتا طبیب کا

آزاد ہو کے کشمکشِ روزگار سے

ہوتا ترانہ ریز کسی شاخسار سے

ہوتی مرے نوشتہ میں تقدیر شمع کی / شبہائے تارِ زیست میں تنویر شمع کی

ملتی جو بزمِ دہر میں توقیر شمع کی / منظور جان و دل سے تھی تعظیم شمع کی

منظور مجھ کو سوز و گدازِ شبانہ تھا

ملتا جو شانِ عشق سے جلنا بُرا نہ تھا

یا جلتا شب کو شعلۂ جانانہ بن کے میں / یا گرتا شمعِ حسن پہ پروانہ بن کے میں

یا پھرتا دشتِ نجد میں دیوانہ بن کے میں / اُڑتا ہوا یہ نالۂ مستانہ بن کے میں

یا اوم، اوم، کہتا ہوا اک اُمنگ میں

گرتا پھسل کے حلقۂ گردابِ گنگ میں

یارب! کدھر گئے مرے لیل و نہارِ عشق / میں خام رہ گیا۔ نہ ہوا پختہ کارِ عشق

اب کیوں نہیں ہے وہ خلشِ نوکِ خارِ عشق / باغِ جہاں میں آہ! نہ لوٹی بہارِ عشق

پہلو میں دل ہے دل میں وہ احساس کیوں نہیں؟

اس گل میں تھی جو پہلے۔ وہ بُو باس کیوں نہیں؟

اے لذتِ فراق! میں تجھ کو ترس گیا / ذوقِ اسیری! ہاتھ سے کنجِ قفس گیا

اے عشق! الغیاث کہ دُنیا میں پھنس گیا / گوہر اس آب و تاب کا کیچڑ میں دھنس گیا

اے اضطراب! دیکھ مرا دل ٹھہر چلا

اک نیم جاں سا ولولہ پہلو میں۔ مرچلا

ہاں اے نسیمِ آہِ سحر! تجھ کو کیا ہوا / اے گریۂ سحاب اثر! تجھ کو کیا ہوا

اے آفتابِ داغِ جگر! تجھ کو کیا ہوا / بارانِ اشکِ دیدۂ تر! تجھ کو کیا ہوا

تخیل مراد کو مرے یونہی سکھاؤ گے؟
کس روز کام آؤ گے؟ گر اب نہ آؤ گے

بے رنگِ عشق خاک ہے تصویرِ زندگی ہے آفتابِ عشق سے تنویرِ زندگی
دلدادگانِ عشق ہیں دلگیرِ زندگی ان کی نظر میں ہیچ ہے توقیرِ زندگی
خاکسترِ وجودِ بشر میں شرر ہے عشق
انسان کو زندہ جانیئے ہمدم اگر ہو عشق

میں صحرائے عقل سے منہ اپنا موڑ کر وحشت سے راہ و رسمِ رفاقت کو جوڑ کر
دربانِ نام و ننگ کی گردن مروڑ کر نکلوں گا ایک دن درِ زنداں کو توڑ کر
وابستۂ سلاسلِ اندیشہ تا کجا؟
سر زیرِ پائے وہم جفا پیشہ تا کجا؟

تلوک چند محروم

تخمیس
برغزلِ حضرت فیض

عبث چھانا کئے بے فہم خاکِ کوئے برہمن ہم عبث کرتے رہے زیرِ حرم میں آہ و شیون ہم
کریں کیوں خم بتوں کے سامنے اپنی گردن ہم صنم ہم دیر ہم بتخانہ ہم بت ہم برہمن ہم
کریں ہم کس کی پوجا اور چڑھائیں کس کو چندن ہم

ہوئے عزلت گزیں جب سے کہیں آنا نہ ہے جانا ہمیں پروا نہیں کہہ لے کوئی دیوانہ فرزانہ

مے وحدت کا کچھ ایسا چڑھا ہے رنگ مستانہ در و دیوار ہے نظروں میں اپنے آئینہ خانہ
کیا کرتے ہیں گھر بیٹھے ہی اپنا آپ درشن ہم

نہیں کچھ خوف مرنے سے نہ کچھ الفت ہے جینے سے نہ شربت سے کوئی رغبت نہ نفرت ہے جو پینے سے
ہو الظاہر ہو الباطن کہا ہے اس قرینے سے محبت ہے تو اپنے سے عداوت ہے تو اپنے سے
ہیں آپ ہی دوست اپنے ہم ہیں آپ ہی اپنے دشمن ہم

رہے ہے گشتہ زمانہ سے کسی کی بانکی چتون کے رہے سرگشتہ مثل قیس ہر اک دشت میں بن کے
خدا نے یہ دکھایا دن گئے ایام شیون کے کب اٹھتے ہیں اٹھانے سے کسی شوخ و برہمن کے
در دلبر پہ اپنے مار کر بیٹھے ہیں آسن ہم

اُسے کہتے ہیں جلوت آپ خلوت جسکو جانے ہیں وہ عین مجمع کثرت ہے وحدت جسکو جانے ہیں
اسی وحدت کے ہیں اشکال کثرت جسکو جانے ہیں جسے غیب آپ سمجھے ہیں شہادت جسکو جانے ہیں
بنا رکھتے ہیں اپنی دل لگی کے یہ گھر آنگن ہم

غرض افعال بد سے ہے نہ نیک اعمال سے مطلب غرض کچھ رقص سے ہے اور نہ وجد و حال سے مطلب
نہ پروائے حسیناں ہے نہ خط و خال سے مطلب نہ قیل و قال سے مطلب نہ شغل اشغال سے مطلب
مراقب اپنے رہتے ہیں جھکا کر اپنی گردن ہم

جنہیں ڈھونڈا کئے دیر و حرم میں دلنشیں تھے وہ ہم ہی ہوتے گئے دوران سے جالا نکہ قریں تھے وہ
ٹھکانے ہو کے دیکھو عشقِ چشتی تم یہیں تھے وہ ہوا ہے فیض معلوم ایک مدت میں یہیں تھے وہ
جپا کرتے ہیں جن کے نام کی دن رات سمرن ہم

ابو احمد خواجہ غلام غوث بغدادی
عشق چشتی از حیدرآباد

نویدِ صبح

آتی ہے مشرق سے جب ہنگامہ در دامن سحر
منزلِ ہستی سے کر جاتی ہے خاموشی سفر

محفلِ قدرت کا آخر ٹوٹ جاتا ہے سکوت
دیتی ہے ہر چیز اپنی زندگانی کا ثبوت

چہچہاتے ہیں پرندے پا کے پیغامِ حیات
باندھتے ہیں پھول بھی گلشن میں احرامِ حیات

مسلمِ خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
وُہ نکل آئی سحر گرمِ تقاضا تو بھی ہو

دورۂ عالم میں رہ پیما ہو مثلِ آفتاب
دامنِ گردوں سے ناپیدا ہوں یہ داغِ سحاب

کھینچ کر خنجر کرن کا پھر ہو سرگرمِ ستیز
پھر سکھا تاریکیِ باطل کو آدابِ گریز

تو سراپا نور ہے زیبا ہے عریانی تجھے
اور عریاں ہو کے لازم ہے خود افشانی تجھے

ہاں نمایاں ہو کے برقِ دیدۂ خفاش ہو
اے دلِ کون و مکاں کے رازِ مضمر فاش ہو

برائے نہادن چہ سنگ و چہ زر

بخیل ار بود زاہدِ بحر و بر
بہشتی نباشد بحکمِ خبر
سعدیؒ

اگر عقل رکھتے ہو اے منعمو!
بناتے نہیں اس کو کیوں اہبر

اگر دل ہے سینہ میں اور دل میں درد — تو اظہار سے اُس کے کیوں ہے عذر
اگر دی ہے دولت خدا نے تمہیں — کرو صرف اللہ کی راہ پر
کوئی عیب تو مال و دولت نہیں — چھپاتے ہو کس واسطے اس قدر
زمیں کھود کر گاڑے دیتے ہو کیوں — بتاؤ خطا زر نے کی ہو اگر
جھڑکتے ہو سائل کو کس واسطے — نہ بندوں کی شرم اور نہ اللہ کا ڈر
کرو اہل حاجت کو تقسیم مال — کہ ہے جمع کرنا بہت پُر خطر
کیا بخل قاروں نے تو کیا ملا — سخاوت سے حاتم ہوا نامور
بفرمود موسیٰ علیہ السلام — بہ قارونِ بد اختر و خیرہ سر
کہ اَحْسِنْ کَمَا اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ[۵۱] — چو نشنید انجام او شد بتر
ہے "از بہر آسائش عمر مال" — یہ فرماتے ہیں سعدیؔ باخبر
اگر چاہتے ہو کہ نیکی ملے[۵۲] — کرو خرچ جو شے ہو محبوب تر
جو بوؤ گے نخل سخاوت یہاں — قیامت میں پاؤگے اس کا ثمر
بتاؤ کہ کیا تم کو حاصل ہوا — اگر چل بسے مال و زر چھوڑ کر

سُنی کیا نہیں ہے یہ تم نے مثل
"برآرے نہادن چہ سنگ و چہ زر"

حامد حسن قادری بچھرایونی

---

۵۱ نیکی کر جیسی کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ سے نیکی کی ۔
۵۲ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۝

طالب علم کو ہدایات

طالب علم اگر ہو تو کرو تم محنت — یہ وہ محنت ہے کہ انجام ہے جس کا راحت
دن کے آرام کو پڑھنے پہ مقدم سمجھو — رات کے جاگنے کی چاہیے تم کو عادت
جس قدر علم کی تحصیل میں غم ہونگے تمہیں — زندگی ساری بسر ہوگی بعیش و عشرت
بھول جاؤ جو سبق اپنا تو پھر یاد کرو — سمجھو استاد کے غصے کو پدر کی شفقت
ہاتھ سے چھوٹنے پائے نہ قلم اور دوات — لکھنے پڑھنے کی طرف ذہن کو یوں ہو رغبت
سامنے ہو صفت آئنہ ہر وقت کتاب — سمجھو ایام جوانی میں اسی کو زینت
خواب میں بھی وہی دکھلائی دے جو کچھ پڑھو — لیٹو بستر پہ اگر سونے کو بہر راحت
اپنے استاد کا لازم ہے تمہیں دل سے ادب — ان کی عزت سے تمہاری بھی بڑھیگی عزت
کھانا وہ کھاؤ کہ ہوں جس سے قوی قلب و دماغ — کپڑا وہ پہنو نہ مقصود ہو جس سے زینت
اپنے ہمدرس جو ہوں ان سے کرو علم کی بحث — اتفاقاً جو میسر ہو کبھی کچھ فرصت
ان سے ہرگز نہ ملو جنکے ہوں اخلاق خراب — کہیں گمراہ نہ کردے تمہیں ایسی صحبت
کھیلنا چاہیے تم کو مگر اتنا کھیلو — بعد پڑھنے کے ہو جس سے کہ دماغی صحت
اسکے پابند ہو جو کہ کتابوں میں پڑھو — چاہیے علم کے ہمراہ عمل کی قدرت
اس سے کیا ہوگا اگر پڑھ کے بنے تم لقمان — ترک کر ہی نہ سکے جاہلوں کی سی خصلت
علم سے ہوتے ہیں ہر چند خیالات وسیع — ہے مگر طرز عمل باعث حسن سیرت
علم کے ساتھ رہیگا جو عمل بھی باقی — کبھی بھولو گے نہ استاد کا حق خدمت
ہے اگر علم و عمل دونوں پہ قدرت تم کو — دین و دنیا کی نہ آئے گی کوئی بھی آفت

عُمر بھر قول یہ محشرؔ کا تمہیں یاد رہے
آدمی کے لئے ہے علم عجب اک نعمت

مرزا کاظم حسین محشرؔ لکھنوی

چل اے بادِ خزاں!

چل اے بادِ خزاں! آزادگی سے   پر پرواز کھول اپنے خوشی سے
یہ مانا گو ترا چلنا بُرا ہے   جو دم آتا ہے تیرا فتنہ زا ہے
دہن میں سم وہ پر تیرے کہاں ہے؟
جو ناشکروں کی رگ رگ میں نہاں ہے

تری صورت سے مَیں ناآشنا ہوں   تجھے میں نام ہی سے جانتا ہوں
تجھے نامہرباں کہدوں ستم ہے!   تجھے آزارِ جاں کہدوں ستم ہے!
نہیں احساں کوئی تجھ پر مرا ہے   بھلا مجھ سے تجھے کیا واسطہ ہے
مگر افسوس ہے اُن ناکسوں پر   مروت جن سے کی ہے میں نے اکثر
جو طوطا چشم ایسے ہو گئے ہیں
نہیں صورت تک اب پہچانتے ہیں

کر اے چرخِ ستمگر! برف باری   قسم لے کریں گر آہ و زاری
گرا پانی کے پتھر بے دھڑک تو   مچا کُہرام تو عالم میں ہر سو
سہینگے ضربتِ سنگِ جفا ہم   گلوں سے تیرے ہیں ناآشنا ہم

مگر اک وہ بھی سنگِ جفا ہے　　کلیجہ جس سے تھر تھر کانپتا ہے
بُری اِحساں فراموشی بُری ہے
چُھری بہرِ گلوئے مردمی ہے
تم اے امواجِ دریا! جو ہو مضطر　　بدلتی دمبدم ہو اپنے تیور
جہازوں کو ڈبوتی جس گھڑی ہو　　دِلوں پر نیش تم بھی مارتی ہو
مگر اک اور بھی ہے نیشِ جاں پر　　معاذ اللہ! بچائے اس سے داور
یہ نیشِ سرد مہریٔ جہاں ہے　　ہلاہل بہرِ جانِ دوستاں ہے
تفو تجھ پر تفو انسانِ ناداں
بھلا دی جس نے دل سے یادِ یاراں

غلام محمد طورؔ بی۔ اے

تازہ غزلیں

(از سید عبد الکریم صاحب مہدوی المتخلص بہ نُورؔ)

اشکوں سے کر رہا ہوں تہی چشمِ تر کو میں　　پامال کر رہا ہوں متاعِ گہر کو میں
حیرت نے دی ہے عالمِ تصویر میں جگہ　　کیونکر بناؤں قابلِ پرواز پر کو میں
محروم رکھ نہ لذتِ بیدادِ قتل سے　　ہوں منتظر لئے ہوئے جلاد سر کو میں
نازِ ستم اُٹھا نہ سکی یا تنک ہے آرزو　　دیتا ہوں دل بھی دیکھ کے بیدادگر کو میں
دل میں خیالِ زلف بھی ہے یادِ رُخ کے ساتھ　　یکجا ہے جمع رکھتا ہوں شام و سحر کو میں
اب دل میں وہ ہجومِ تمنا نہیں رہا　　ویران دیکھتا ہوں اس آباد گھر کو میں

بیتابی فراق سے دونوں ہیں بیقرار — دِل کو سنبھالوں یا کہ سنبھالوں جگر کو میں
اِتنا کیا سبک غمِ ارمانِ قتل نے — پاتا ہوں اپنے تن پہ گراں اپنے سر کو میں
غمخوار بیکسی شبِ غم ہی تو ہے — کیونکر نہ چاہوں کاوشِ دردِ جگر کو میں
دیتا ہوں بات بات پہ دادِ نگاہِ ناز — جادو سکھا رہا ہوں کسی کی نظر کو میں

اے نوؔر طولِ جوشِ تمنّا کو دیکھکر
روتا ہوں اپنی زندگی مختصر کو میں

(از جناب نورالدین عنبرؔ از جموں)

شُہرہ اُن کے حُسن کا ہے سُو بہ سُو — ذکر میرے عشق کا ہے کُو بہ کُو
سبزہ و گل کیا ہیں کوئی جانے کیا — ان میں لیکن ہے کسی کی خو و بو
اِتنا ہم سمجھے ہیں برق و ابر سے — ہے پسِ پردہ یہ کوئی خوبرو
مُفت رسوائی نہیں اے شیخ جی — اس کی قیمت ہے بہائے آبرو
وُہ نہیں کرتے جو بات اِک بات ہی — ہیں حسیں گلفام لیکن غنچہ رُو
کاش قدر ان موتیوں کی جانے وُہ — ہے ہر اشکِ دیدہ سو سو آرزو
پُوچھ لو اپنی پریشاں زلف سے — حال میرا کہہ رہی ہے مو بہ مو
شوخ کو دِل میں چھپاتے ہی بنی — بے حجابانہ جب آیا رُو برو
کیا کرے وہ دے کے دِل جسکو نہو — تابِ خاموشی، مجالِ گفتگو
تھیں دلِ زندہ کی وُہ بے تابیاں — اب نہ آتے یاد یاس و آرزو
ہائے اب وہ مانگتے ہیں مجھ سے دِل — بہ گیا آنکھوں سے جب ہو کر لہو
آتی ہے دِل کے تڑپنے کی صدا — ہے تری آوازِ پا یہ ہُو بہ ہُو
نرگسی آنکھیں کسی کی دیکھ لیں — پا ہے پی عنبرؔ شرابِ مُشکبُو

غزل

یوں اُس گلی میں آج تو پہروں کھڑے رہے
اُنکے گلے میں دستِ تمنا پڑے رہے

ہم اُنکے شوقِ دید میں جبتک کھڑے رہے
جھلملِ تھا کہ پردوں پہ پردے پڑے رہے

دربان کے شور سے نہ ہو منتشر خیال
جس دُھن میں ہم کھڑے تھے اسی میں کھڑے رہے

اس جور او جفا پہ بھی سرکا نہ اک قدم
راہِ وفا میں پاؤں ہمارے گڑے رہے

آئی نہ لطف و عیش کی نوبت شبِ وصال
شکوے شکایتوں کے بکھیڑے پڑے رہے

کیا خانہ رقیب پہ ایسی کڑی تھی
گھیرے رہے نہ ہاتھ میں اُنکے کڑے رہے

آوارہ گردیوں میں ہے عشق کیا کیا
فرہاد و قیس عقل کے پیچھے پڑے رہے

اِس ڈھب سے شیخ جی نے گذاری تمام عمر
چھوٹوں میں چھوٹے اور بڑوں میں بڑے رہے

اپنے خطوں کی قدر ذرا اُس سے پوچھیے
تعویذ بنکے جس کے گلے میں پڑے رہے

دشمن کی بازپرس کا یہ دیجئے جواب
آغوشِ آرزو میں کسی کے پڑے رہے

قسمت سے اپنی آہی گیا روزِ وصل بھی
راتیں بڑی کبھی کی کبھی دن بڑے رہے

صدقہ اس انتظام کے کیا انتظام تھا
ہم بھی گئے تھے بزم میں اُنکی کھڑے رہے

اُن کی عدو کی پھر تو صفائی محال ہے
کچھ دن طبیعتوں میں اگر بل پڑے رہے

جب تک کماں پہ لیس رہا ناوکِ ستم
سینہ سپر کیئے ہوئے ہم بھی کھڑے رہے

اچھا ہوا جو بزم میں نیچی نظر رہی
بے پردگی پر آپکے پردے پڑے رہے

دنیا میں رہ کے اور حسینوں نے کیا کیا
بسمل کی جان و مال کے پیچھے پڑے رہے

بسمل کاسگنجوی

طب یونانی کی بقا کے لئے

عالیجناب حاذق الملک حکیم محمد اجمل خان صاحب رئیس اعظم نے

جو خدمات انجام دی ہیں انکا معقول حصہ شہرت کے منظر پر آچکا ہے۔ اطراف ہند میں اس کار اہم کیلئے سب کی نظریں انہی کی طرف اٹھتی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ طب یونانی کے مستقبل کی نسبت اگر کچھ امیدیں ہیں تو وہ ان ہی کے خاندان سے وابستہ ہیں جناب حاذق الملک احساس فرض کے ساتھ دل میں اس فن شریف کی ترقی کے ارمان رکھتے اور خاموشی سے اپنے قیمتی اوقات کو ملک کی اس اہم بالشان خدمت میں صرف کرتے رہتے ہیں۔ ہندوستانی دواخانہ انکے احساس فرض کا ثبوت اور ان کی مستقل اور خاموش کوششوں کا ثمر ہے گو اس کی ظاہری حیثیت ایک تجارتی حیثیت ہے۔ لیکن اگر حقیقت شناس نظر سے دیکھا جائے تو یہ ایک تجارتی کام نہیں۔ طب یونانی کی بقا کا سامان ہے شخصی اغراض سے اسکو علیحدہ رکھا گیا ہے۔ اس لئے جس غرض سے یہ قائم ہوا ہے اس کے پورا ہونے میں کوئی مخالف احتمال باقی نہیں رہا۔ اصلی اور پورے اجزا سے بنی ہوئی یونانی ادویات اور انکی طرز ساخت میں تہذیب و ترقی دواخانہ کا مقصد ہے جسے یہ پورا کرتا ہے۔ بہت سی اس قسم کی ادویات جو مختلف امراض کے لئے عام طور پر اطبا برتتے ہیں۔ بلکہ حکما کے وہ اعلیٰ نسخے جو صرف روسا و امرا کو میسر آتے تھے بالکل اصل اصل اس دواخانہ میں تیار ہوتے ہیں اور واجبی قیمت پر فروخت ہوتے ہیں۔

اس دواخانہ کی آمدنی مدرسہ طبیہ و زنانہ شفاخانہ کو دیجاتی ہے۔

نیز جناب حاذق الملک بہادر نے اپنی اور اپنے زندہ جاوید بزرگوں کی خاص خاص دوائیں بھی اس دواخانہ کو عطا فرمائی ہیں صحت و تندرستی ایک جوہر بے بہا ہے اور ہر ایک انسانی جسم اس مدوجزر کا گذرگاہ۔ اپنی تمام ابنائے وطن کو ان اعلیٰ اور منتخب یونانی اور ویدک ادویات سے جو اس دواخانہ میں خاص اہتمام سے بنتی ہیں فائدہ اٹھانیکا اور اسکے ساتھ اس کار خیر کی مدد کا موقع ملتا ہے۔ خوبی انتظام اور حسن معاملہ کے بہت تھوڑے عرصہ میں اس دواخانہ نے غیر معمولی ترقی کی ہے +

خط کا پتہ :۔ مینجر ہندوستانی دواخانہ دہلی ۔ تار کا کافی پتہ میڈی سنز